سیرتِ طیّبہ
مرتّبہ
امیر الدین
ناظمِ مدرسہ تعلیم القرآن، نواں شہر، ملتان

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

سیرتِ طیّبہ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی زندگی)

مُرتّبہ

امیر الدّین

ناظمِ مدرسہ تعلیم القرآن، نواں شہر، ملتان
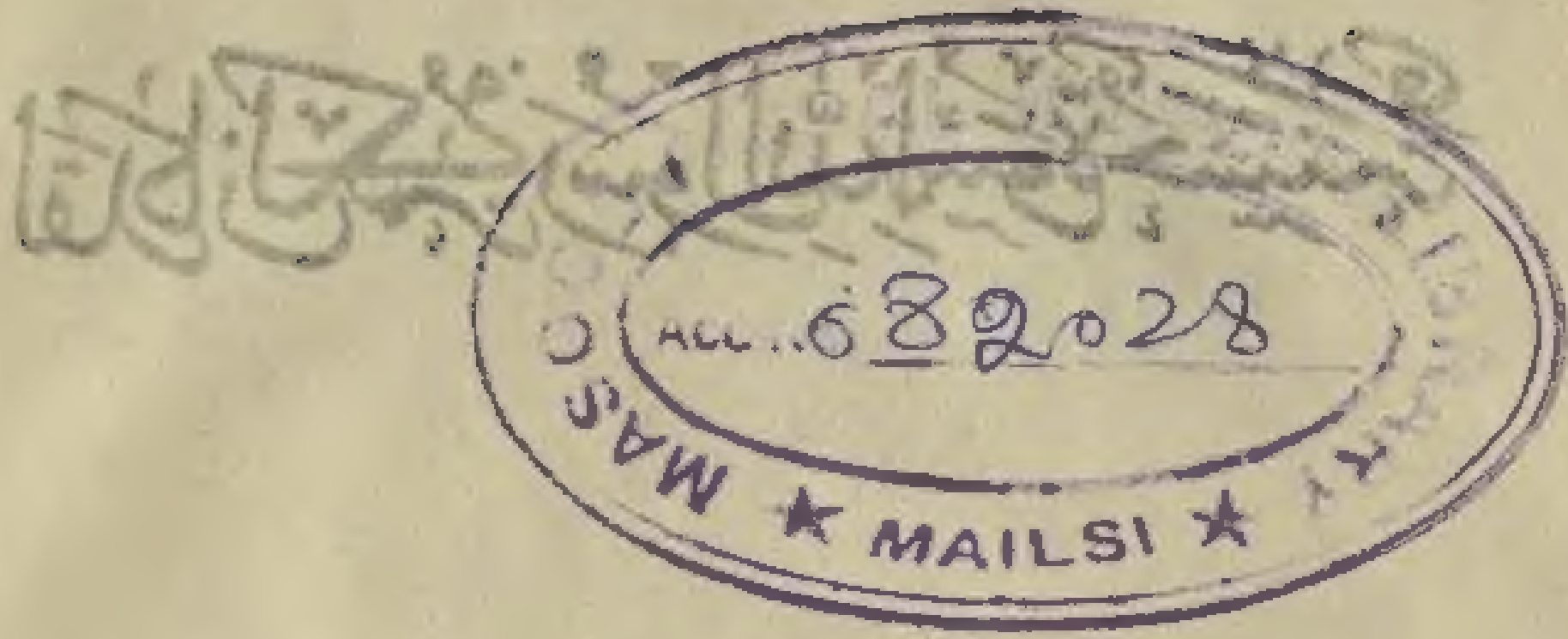
فہرست مضامین سیرت الطّیّبہ

عنوان	صفحہ

تمت بالخیر

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّدنا ومولانا محمّدٍ خاتم النّبیّین وسید المرسلین وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذرّیاتہٖ اجمعین

زندگی گذارنے کی دو راہیں ہیں۔ایک اپنی مرضی کی، ایک خدا کی مرضی کی ۔ پہلی حیوانی زندگی ہے جو گمراہی اور نافرمانی میں گذرتی ہے۔یہ زندگی اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے۔ایسی زندگی گذارنے والوں کو حیوانوں سے بدتر قرار دیا گیا ہے۔

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ	اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت کو
ھَوٰىهُ ط اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ	بھی دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو
وَكِيْلًا ۙ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ	اپنا خدا بنا رکھا ہے تو کیا آپ ایسے ہوا
اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ط	پرست کی کوئی ذمہ داری لے سکتے ہیں۔
اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ	یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان کافروں میں
هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ع (الفرقان)	سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں۔یہ تو محض ایسے

ہیں جیسے چوپائے۔بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔

آدمی کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے جو صرف اس کی مرضی پر چلنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

سیرت کے مطالعہ کی ضرورت اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اپنی مرضی کی زندگی قرار دیا ہے۔ اس لئے آپ کی طرز زندگی کے مطابق زندگی گذارنا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔عـہ جو آپ کے کامل اتباع اور پیروی پر موقوف ہے اور کامل اتباع یہ ہے کہ زندگی کا کوئی جزوی سے جزوی شعبہ بھی آپ کی متابعت سے خالی نہ رہے اور آدمی کے جملہ اعمال و افعال اور اخلاق و عادات بلکہ ہر حرکت اور ادا آپ کی متابعت میں ادا ہونے لگے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب کہ آپ کے اعمال و اخلاق اور وقائع زندگی کا پورا پورا علم ہو۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حالاتِ زندگی کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ازبس ضروری ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی سیرت اور حالات کا جاننا اور ذکر کرنا بہت بڑی برکت اور سعادت ہے

آپ کی اتباع کرنا اللہ کے ہاں محبوب اور مقبول ہونے کی علامت اور گناہوں کی بخشش اور اس کی رحمت کا ذریعہ ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ	اے نبی آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر
فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ	تم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ	تو میری پیروی اختیار کرو۔ اس پر اللہ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (آل عمران)	تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے

گناہوں کو معاف فرمادیگا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

آداب آپ کے اسوۂ حسنہ کی کماحقہ، پیروی سیرتِ مبارکہ کے تفصیلی مطالعہ کے بغیر مشکل ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ سیرت کا مطالعہ آپ کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے

عـہ آپ کی تعلیم زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور پوری تفصیل کے ساتھ ایسی محفوظ ہے جیسے اپنے وقت پر تھی۔ آپ کے سوا کسی دوسرے کی عملی زندگی محفوظ نہیں۔ اس لئے آپ کی پیروی کے سوا راہِ حق کی تلاش بے سود ہے۔

انتہائی ادب، اور توجہ سے کیا جائے۔ اور اس کی روشنی میں آپ کے اخلاق اور سیرت کو مضبوطی سے اپنایا جائے۔ آپ کی ہر سُنّت پر عمل کرنے کی طلب اور ہر حرکت اور ادا پر مرمٹنے کی تڑپ دل میں موجود ہو تاکہ پوری زندگی آپ کی متابعت میں رنگی جائے۔

ماخذ سیرت کے مضامین کے انتخاب اور ترتیب دینے میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ ترجمان السنّہ، حضرت مولانا سیّد محمد بدرعالم رحمۃ اللہ علیہ۔ سیرت المصطفٰی، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی۔ نشر الطیب حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ اسلام حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ۔ سیرت الکبرٰی، حضرت مولانا ابوالقاسم صاحب دلاوری۔ سیرت النّبی، علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ۔ تاریخِ حبیبِ الٰہ۔ قصص القرآن۔

ان کے علاوہ قرآن مجید، شمائل ترمذی، ذکرِ میمون، النّبیُّ الخاتم، سیرت خاتم الانبیاءؐ۔ عہدِ زریں۔ اشاعتِ اسلام۔ حیاتِ صحابہؓ۔ اسوۂ صحابیاتؓ۔ رحمۃٌ للعالمین۔ خلفائے راشدینؓ۔ تاریخِ اسلام، اکبر نجیب آبادی۔ ریاض التواریخ۔ رسول اللہؐ۔ رسولِ مقبولؐ وغیرہ بہت سی کتابیں زیرِ مطالعہ رہیں، اور ان سے استفادہ کیا گیا۔

سیرت کے اس مرقّع میں ان کتابوں سے اس طرح رنگ بھرا گیا ہے کہ کہیں تو اصل عبارت کو ہی لے لیا گیا ہے اور کہیں کسی واقعہ کو متعدّد کتابوں سے دیکھ کر اختصار یا تفصیل کے ساتھ اپنے الفاظ میں ادا کر دیا گیا ہے۔

آپ کی زندگی کا ہر باب جن اُمور کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور جو اسباق اس سے حاصل ہوتے ہیں، اس کے بارے میں حتی الامکان اشارات کر دیئے گئے ہیں۔

زمانۂ نبوّت سے پہلے کا حصّہ استاذ العلماء شیخ المشائخ حضرت مولانا خیر محمّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے از اوّل تا آخر سُنا اور بہت پسند فرمایا۔ خرابیٔ صحت کی

وجہ سے اِرشاد فرمایا کہ باقی مسوّدہ مفتی عبدالستار صاحب کو دکھایا جائے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے ازراہِ عنایت شروع ہی سے تمام مسوّدہ کی نظرِ ثانی فرمائی اور حسبِ ضرورت اصلاح بھی فرمائی۔ مسوّدہ کی تیاری میں حضرت مولانا فیض احمد صاحب اور جناب قاضی حافظ نثار احمد صاحب لیکچرار گورنمنٹ ٹریننگ کالج ملتان کی امداد اور توجہ بھی شاملِ حال رہی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مَیں الحاج خواجہ محمد حبیب صاحب مالک سلک ملز ملتان اور جناب الحاج سیٹھ محمد حبیب[۱] صاحب چیئرمین حاجی تار محمد قاسم تیلی ٹرسٹ کراچی کا بھی تہ دل سے شکر گذار ہوں جنہوں نے اس کی طباعت میں میری مخلصانہ امداد فرمائی۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اُن کے لئے سرمایۂ سعادت اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

الحمدللہ اردو زبان میں سیرت کی چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے اگرچہ ایک کتاب کے اضافہ کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ مگر آپ کی سیرت کا پہلو ایک ایسا عمیق اور وسیع سمندر ہے جس کی تہ اور کنارے کا کہیں پتہ نہیں۔ عقیدت مند اپنی بساط کے مطابق اس کی تہ سے موتی نکالتے رہے ہیں اور نکالتے رہیں گے، بہرحال آپ کے حالات اور اوصاف کے متعلق جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے اُسے آپ کے بلند مقام اور شانِ رسالت سے اتنی بھی نسبت نہیں، جتنی ایک قطرہ کو سمندر سے ہے۔ گویا جو کچھ بیان کیا گیا ہے، ایسا ہے کہ حقیقتاً کچھ بھی بیان نہیں کیا گیا ؎

---

[۱] سیٹھ محمد حبیب صاحب علاج کے لئے لندن گئے۔ وہاں ان کا انتقال ہو گیا۔ کراچی میں دفن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے آمین۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم[1]

اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تُو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ عمرِ عزیز نفس کی غلامی میں گذر گئی۔ تیرے دربار کے لائق کوئی عمل پاس نہیں محض تیری رحمت اور فضل و کرم کا آسرا ہے۔ الٰہی! التجا ہے کہ کلمے پر خاتمہ ہو۔ نیک اور مقبول بندوں کے ساتھ حشر ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور زیارت نصیب ہو آمین

اے اللہ تُو اپنے عاجز بندہ کی اس ناچیز خدمت کو قبول فرما، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کی توفیق عطا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ط

بندۂ ناچیز
امیر الدین عفا اللہ عنہ۔ نواں شہر ملتان

---

[1] دفتر ختم ہوئے اور عمر انتہا کو پہنچ گئی۔ مگر ہم ابھی تک آپ کی ایک پہلی صفت بیان کرنے سے بھی عاجز ہیں۔

مُقدّمہ

از حضرت مولانا عبدالستار صاحب مدظلہٗ مفتی مدرسہ خیر المدارس۔ ملتان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَاَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اما بعد۔ یہ عالم ظلمت کدہ ہے۔ اس کی گوناگوں ظلمتوں کو دور کرنے کے لئے خالقِ کائنات نے اجسامِ نیّرہ کا سلسلہ قائم فرمایا ہے۔ سورج ہے، چاند ہے، ستارے ہیں، یہ عالم انہی کی ضیا پاشیوں سے بقعۂ نور بن جاتا ہے۔

پھر اس حکیم و خبیر ہستی نے اپنے علمِ کامل سے ان میں ایک خاص ترتیب رکھی ہے۔ کبھی ایک ستارہ طلوع ہوتا ہے تو دوسرا غروب ہوجاتا ہے۔ کوئی ایک ستارہ یہاں سے نکلا وہاں غروب ہوا، دوسرا وہاں سے نکلا یہاں غروب ہوا۔ چاند کبھی ہلال ہے کبھی بدر ہے۔ کبھی کچھ بھی نہیں۔ رات بھر کہیں اس کا نشان نظر نہیں آتا۔ رات بھر قمر و کواکب کی یہ آنکھ مچولیاں جاری رہتی ہیں لیکن اس کے باوجود تاریکیوں کا راج قائم رہتا ہے اور ظلمتوں کا طلسم نہیں ٹوٹتا۔

شبِ دیجور کی تاریکیوں میں عالم خوابِ غفلت میں مدہوش ہے کہ اچانک مشرق سے نور کا ایک فوارہ پھوٹتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی تجلّیاں اور

ضیا پاشیاں پورے عالم کو محیط ہو جاتی ہیں ۔ تاریکیاں ناپید نشۂ غفلت کافور اور ہر طرف زندگی رواں دواں نظر آنے لگتی ہے ۔ یہ آفتاب عالمتاب کا طلوع تھا جس سے صرف ظلمتیں ہی ناپید نہیں ہوئیں بلکہ اجسامِ نیّرہ بھی غایت حیا و خجلت کے سبب پردے میں چلے گئے ۔ چاند اور ستاروں کی روشنیاں بے کار ہو گئیں ۔ چراغ بُجھ گئے ۔ قمقمے گُل ہو گئے کیونکہ ستاروں کی ضَو پاشیاں جس کی آمد کی تمہید تھیں، وہ آ گیا ہے ۔ قمر کی تابانیاں جس کا فیض تھا وہ طلوع ہو گیا ہے ۔ ستاروں کا سلسلۂ طلوع و غروب جس کے لئے چشم براہ تھا وہ ظاہر ہو گیا ہے ۔

جیسے عالم محسوسات میں نُور و ظُلمت کا ایک سلسلہ قائم ہے، اسی طرح عالمِ روحانیت میں بھی یہ نظام موجود ہے ۔ خالقِ علیم و قدیر کی حکمت نے جب عالمِ مادی و جسمانی کو تاریک محض نہیں چھوڑا، بلکہ شمس و قمر سے منوّر کر دیا ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ عالمِ روحانی کے لئے جو کہ اصل ہے کواکب و سیّارات، بدر و ہلال اور کسی سراج منیر کا انتظام نہ فرمائیں ۔

حضرات انبیاء علیہم السّلام آسمانِ ہدایت کے چاند، سورج اور ستارے ہیں جن کے ذریعہ مخلوق کو ظلمات کفر و شرک اور معاصی سے نجات حاصل ہوتی ہے قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط (آل عمران)	اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو اہلِ ایمان ہیں ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے ۔
كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۵ لا (ابراہیم)	قرآن ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی جانب اسلئے نازل کیا ہے کہ آپ بنی نوع انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں ۔
قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ	بیشک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک

وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○ (مائدہ) — روشن چیز اور واضح کتاب آچکی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ○ (احزاب)

اے نبی یقیناً ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہی دینے والے ہیں اور آپ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہیں اور خدا کے حکم سے خدا کی طرف بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی برکت سے حضرات صحابہؓ اور آئمہ ہدیٰ بھی اس نور سے حصہ پاتے ہیں۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام:

اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ۔

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے مقصود کو پہنچ جاؤگے۔

دنیا میں اس نور سے استفادہ کرنے والے خوش بخت لوگ آخرت کی تاریکیوں سے نہیں گھبرائیں — کیوں؟ اس لئے کہ:

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا۔ (تحریم)

ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے داہنے تیز رفتار سے چلتا ہوگا اور وہ یوں دعا کرتے ہوں گے۔ اے ہمارے رب ہمارے اس نور کو ہمارے لئے آخر تک قائم رکھ اور ہماری مغفرت فرما۔

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام:

بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ اِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ اوکما قال۔

مسجدوں کی طرف اندھیروں میں چلنے والوں کے لئے قیامت میں کامل نور کی خوشخبری دیجئے۔

الغرض حق جلّ شانہ، نے عالمِ روحانی میں بھی نُور و ظلمت کا ایک نظام قائم فرمایا ہے اور اُسے ایک خاص ترتیب سے پردۂ عدم سے ظہورِ ہستی میں لائے ہیں حضرت آدم علیہ السّلام سے نوعِ انسانی کا آغاز ہوا۔ پھر حضرت نوح علیہ السّلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت موسیٰ، و حضرت عیسیٰ علیہم السّلام کو اپنے اپنے دَور میں مبعوث فرمایا گیا۔ یہ سلسلۂ نبوّت جاری رہا۔ جانے والا کوچ کر جاتا تو اس کی جگہ آنے والا نبی سنبھال لیتا۔ کوئی ایک قوم کیلئے نبی بنا۔ کوئی ایک علاقہ کے لئے، کوئی مشرق کے لئے تو کوئی مغرب کے لئے۔ لیکن یہ سب محدود زمانے کے لئے نبی تھے۔

آسمانِ ہدایت کے یہ چاند ستارے چمکتے دمکتے رہے، اور ان کا طلوع و غروب بھی ہوتا رہا۔ لیکن نُورِ ہدایت کفر و طغیان پر عالمی حیثیت سے غالب نہ آسکا۔ حالانکہ یہ غلبہ لازم تھا۔ اس سے اہلِ فہم نے سمجھا کہ رات کی تاریکیاں اور قمر و کواکب کی مسکراہٹیں زبانِ حال بلکہ زبانِ مقال سے کسی کی آمد و انتظار کا اعلان کر رہی ہیں کہ عنقریب ایک سراج منیر کا طلوع ہوگا جس سے تمام ظلمتیں ناپید ہو کر عالم جگمگا اُٹھے گا۔

پیشین گوئی عیسیٰ علیہ السّلام اعلان فرما رہے ہیں :

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ	اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ
اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا	کا بھیجا ہوا آیا ہوں اور میں اس توریت
بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ	کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے
وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ	پہلے ہے اور میں ایک ایسے رسول کی
بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ	بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد تشریف
(صف - ع ۱)	لائیں گے اور ان کا نام احمدؐ ہوگا۔

۲ : حضرت ابراہیم علیہ السّلام دُعا کر رہے ہیں :

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ (البقرہ۔آیۃ ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو انہی میں سے ہو

رات گذرتی رہی۔ آخر وہ وقت بھی آگیا جس کے لئے زمین و آسمان اور کائنات چشم براہ تھی۔ یعنی نبی آخر الزماں مقصدِ کون و مکاں، نبی الانبیاء، خاتم النّبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آمنہ کے گھر تولّد ہوئے۔

دیکھئے تاریکیاں راہِ فرار اختیار کر رہی ہیں۔ ظلماتِ شب کا کفر ٹوٹ رہا ہے ظلم کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا۔ آتش کدہ فارس بُجھ گیا۔ محلّاتِ کسریٰ کے کنگرے جھڑ گئے۔ آپ کی آمد سے اندھیرے ہی گم نہیں ہوئے بلکہ اجسامِ نیّرہ، کواکب و سیّارات اور بدر و ہلال بھی چھپ گئے۔ شریعتِ محمدّیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج طلوع ہوا تو تمام شرائع سابقہ پر خطِ نسخ کھینچ دیا گیا۔ اور خالقِ کائنات کی طرف سے اعلان کر دیا گیا:

قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (اعراف)

اے پیغمبرؐ آپ فرما دیجئے اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کا اظہار فرمایا گیا:

لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اِتِّبَاعِیْ۔

اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرے اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

بہت خوب کہا ہے کسی نے ؎

وَ فِیْ طَلْعَةِ الشَّمْسِ مَا یُغْنِیْکَ عَنْ زُحَلِ

کہ سورج طلوع ہونے کے بعد کسی زحل و مشتری کی حاجت نہیں۔

کیونکہ سورج کی موجودگی میں کسی ستارے کا نُور ظاہر ہی نہیں ہو سکتا۔ پس اس سے استفادہ ممکن نہیں۔ لہٰذا مخلوق کے لحاظ سے اس کا عدم اور وجود برابر ہے۔ اسی

حقیقت کا اظہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعتِ خاص ختمِ نبوّت عنایت فرما کر کیا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ شرائع سابقہ منسوخ، آئندہ سلسلۂ نبوّت سربمہر۔ اب پورے عالم میں آسمانِ ہدایت پر صرف نبوّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتاب ہی جگمگائے گا۔ کسی چھوٹی موٹی ظلّی بروزی نبوّت کے اجرا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ مہمل[1] ہے۔ اس لئے کہ سورج کے سامنے چراغ جلانا احمقانہ فعل ہے اور نبی آخرالزماں کے مقابلہ کا ایسا نبی جو اُن کا مثیل ہو، یہ بھی ممتنع۔ کیونکہ ایک دن میں دو[2] سورج خالقِ کائنات نے بھی پیدا نہیں کئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کی ذاتِ گرامی مقصدِ تخلیقِ کائنات ہے اور آپ کو تمام عالم کے لئے بشیر و نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ بلا شبہ آپ کا آفتابِ نبوّت تا قیامِ قیامت مخلوق کیلئے حرارت اور روشنی فراہم کرتا رہیگا

لَا کُسُوفَ لَہٗ وَلَا اُفُوْلَ وَلَا غُرُوْبَ مَاشَاءَ اللّٰہ۔ ماشاء اللہ اس کے لئے نہ گہن ہے نہ غروب۔

---

[1] یہ الگ بات ہے کہ پنجاب کی ایک جھوٹی ظلّی نبوّت مدعی ہے کہ جبتک میرے انوار (ظلمات) سے استفادہ نہ ہو مخلوق کے لئے سورج کی روشنی بیکار ہے۔ پس نجات کے لئے مقصدِ کون و مکاں، نبی الارض والسماء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا کافی نہیں تا وقتیکہ اس کاذب کو نبی نہ مانا جائے۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ شمسِ نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے نور ہو گیا ہے (العیاذ باللہ) اور اس نبوّتِ کاذبہ کی روشنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں وہی حیثیت رکھتی ہے جو چاند ستاروں کے مقابلہ میں نورِ شمس کو حاصل تھی۔ سورج کے طلوع سے نورِ قمر و کواکب قابلِ استفادہ نہیں رہا کیونکہ سورج کے طلوع سے نورِ قمر و کواکب ماند پڑ جاتا ہے۔ اس کذّاب کی نبوّتِ کاذبہ سے گویا نبوّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم قابلِ استفادہ نہیں رہی۔

حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو مبعوث فرمایا اور اتنے دلائل عطا فرمائے جن کا احصار ممکن نہیں۔ علماء نے اس پر مستقل کتابیں تصنیف کیں ہیں۔ قرآن کریم نبیِ امی (فداہ ابی وامی) صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے جس کے مقابلہ کا چیلنج آج بھی موجود ہے دیگر معجزات کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عظیمہ، آپ ؐ کی سیرتِ طیبہ، شریعتِ مقدسہ سراپا معجزہ ہیں۔ غور و فکر، انصاف و دیانت شرط ہے۔ خارجی دلائل کی حاجت ہی نہیں۔ بہت خوب کہا ہے کسی نے ؎

گر دلیلت باید از وے رو متاب　　آفتاب آمد، دلیلِ آفتاب

وحدتِ خالق انسان نے اپنی جہالت سے ہر چیز کو معبود بنا رکھا تھا۔ شجر، حجر، کواکب، چاند، سورج، جن، فرشتے، دریا، گائے، آگ، سانپ، بچھو کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کے سامنے جبینِ انسانی سجدہ ریز نہ ہوتی ہو، اور انہیں اپنے نفع و نقصان کا مالک و مختار نہ گردانتی ہو۔ تمام اقوامِ عالم کا یہی حال تھا۔ یہاں تک کہ ہندو قوم ۳۳ کروڑ دیوی دیوتاؤں کو پوجتی تھی۔

(ا) آفتابِ ہدایت طلوع ہوا۔ اعلان ہوا۔

یَآاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ	اے لوگو اپنے اس پروردگار کی عبادت
الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ	کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○	بہت پہلے لوگوں کو بھی۔ عجب نہیں کہ
(البقرہ)	تم عذاب سے محفوظ رہو۔

(ب) اس حقیقت کا اظہار کر دیا گیا کہ جن اشیاء میں تم نفع و ضرر سمجھتے ہو فی الواقع یہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ نفع و ضرر کی مالک نہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ	یہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے اسی
وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ	کی بادشاہی ہے۔ اس کے سوا جن کو

مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ○ (فاطر)	تم پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔

ج ہدایت فرمائی گئی کہ ایسی سب اشیا مستحق عبادت و سجدہ ہرگز نہیں ہیں بلکہ یہ حق ان کے خالق کا ہے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ (حٰم سجدہ)	تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو۔ بلکہ صرف اُسی خدا کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اگر تم کو فی الواقع خدا کی عبادت کرنی ہے۔

د مقامِ انسانیت کی برتری کو ظاہر کرنے اور اس کی خودی کو جلا دینے کے لئے اعلان فرمایا گیا کہ کائنات میں جو کچھ پھیلا ہوا دیکھ رہے ہو یہ سب تمہارے لئے مسخر ہے، تم ان کے لئے نہیں پس تمہاری پیشانی کسی کے سامنے نہیں جھکنی چاہیئے۔

هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ (بقرہ)	وہی ہے جس نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے نفع کے لئے پیدا کیا۔

ر خلافتِ ربانی کا تاج پہنا کر مسجودِ ملائکہ ہونے کی خلعت سے سرفراز فرمایا گیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط (بقرہ)	اور وہ واقعہ قابلِ ذکر ہے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ یقیناً مَیں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔

مقصد یہ کہ انسانیت کو قعرِ مذلت سے نکال کر اوجِ رفعت پر بٹھا دیا گیا۔

وحدت رسالت حضرت آدم علیہ السلام کو ابتدائً جنّت میں ٹھہرایا گیا۔

يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ (بقرہ)	اے آدم سکونت اختیار کرو تم اور تمہاری بیوی جنّت میں۔

بعد ازاں آپ کو زمین پر اُتار دیا گیا۔ اور اولادِ آدم کے لئے بھی عارضی طور پر زمین کو مسکن ٹھہرایا۔ سکونت ارضی کے اس عبوری دور میں ایک طریق زندگی وہ ہے، جسے اختیار کرنے کے نتیجہ میں انسان اپنی جدی میراث یعنی جنت کا مستحق بنتا ہے اور دائمی راحت سے ہم کنار ہوتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ	یہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو
يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط (مومنون)	فردوسِ بریں کی میراث پائیں گے۔

اس طریقِ زندگی کو زبانِ وحی میں ہدایت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بوقتِ ہبوط یہ بتلا دیا گیا تھا کہ دائمی راحت متبعینِ ہدایت ہی کا حصہ ہے۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ	جو میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○	ان کو نہ کچھ خوف ہوگا، اور نہ وہ
(بقرہ)	غمگین ہوں گے۔

دوسرا طرز زندگی آسمانی ہدایت سے بہک جانا ہے جسے لسانِ شرع میں ضلالت و گمراہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آسمانی ہدایت سے روگردانی کرتے ہوئے جس کسی بھی ارضی نظامِ زندگی کو اپنایا جائے گا تو یہ غوایت و ضلالت ہی ہوگی۔ جس کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ	تو وہی لوگ اہلِ دوزخ ہوں گے،
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (بقرہ)	اور اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

انسان کو گمراہیوں سے بچا کر راہِ ہدایت پر ڈالنے کے لئے سلسلۂ نبوت کا اجرا ہوا۔ تاکہ نوعِ انسانی ابدی سزا سے بچ کر اپنی انتہائی ترقی یافتہ اصلی مملکت و سلطنت[1] کو حاصل کرے جس کی نعمتیں لازوال ہیں۔ اور دنیا و مافیہا سے وہاں کی ایک ایک نعمت بھی زیادہ قیمتی ہے۔ اس عالم کی آسائشیں اپنی تمام ترقیوں

[1] جنت

کے باوجود عالمِ آخرت کے مقابلہ میں وہی نسبت رکھتی ہیں جو قطرے کو سمندر سے حاصل ہے۔

وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ	خدا کی قسم۔ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی
اِلَّا مِثْلَ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ	ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی دریا
اِصْبَعَهٗ فِي الْيَمِّ فَيَنْظُرُ	میں ڈالے۔ پھر دیکھے کہ کتنا پانی لے کر واپس
بِمَ يَرْجِعُ ۔ (رواہ مسلم)	آتی ہے (یہ مثال محض سمجھانے کے لئے ہے

ورنہ فی الحقیقت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں یہ نسبت بھی نہیں ہے)۔

اگر کسی پس ماندہ قوم کے معیارِ زندگی کو ترقی یافتہ اقوام کے برابر کر دینا پسماندہ قوم پر احسانِ عظیم سمجھا جا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پوری انسانیت کو جنّت کی نعمتوں کا مستحق بنانے کے لئے مر مٹنے والوں کو انسانیت کا عظیم ترین دوست نہ قرار دیا جا سکے۔

اسی سلسلۂ نبوّت کی آخری کڑی محسنِ اعظم حضرت محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں جنہیں پوری انسانیت کی رہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا گیا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ	اے پیغمبرؐ آپ فرما دیجئے اے انسانو! میں
اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ (اعراف)	تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں

وحدتِ انسانیت تاریخِ عالم شاہد ہے کہ رنگ، نسل، قوم اور وطن کے نام پر بے شمار جنگیں لڑی گئیں۔ لکھوکھا انسان ان جاہلی تصوّرات کے لئے قتل کر دیئے گئے۔ کروڑوں بچّے یتیم ہوئے، سہاگ لُٹے، عصمتیں تباہ ہوئیں۔ اتلافِ اموال کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ جنگِ عظیم اور عالمگیر جنگ میں (جو دنیا کی مہذب قوموں نے انہی جاہلی تصوّرات کے تحت لڑی) مالی نقصان کا جائزہ یہ ہے:

انیسویں صدی تک چودہ ہزار جنگیں لڑی گئیں۔ ان جنگوں کے مجموعی نقصانات سے مذکورہ بالا دو جنگوں کے نقصانات زیادہ ہیں۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق

اگر یہ جنگیں نہ لڑی جاتیں تو : (۱) نسلِ انسانی سے محتاجی کا نشان مٹ جاتا۔
(۲) قومی آمدنی کی شرح ۲½ سو گنا زیادہ ہوتی۔ (۳) کرۂ ارض پر ہر شخص تعلیم یافتہ ہوتا۔
(۴) ہر شخص کے پاس اپنا مکان اور کم از کم دو کاریں ہوتیں۔ (نوائے وقت ۱۲۔ اپریل ۱۹۷۳ء)

کائنات کے محسنِ اعظم نے انقلابی اعلان فرما کر جاہلیت قدیمہ و جدیدہ کو پاش پاش کر دیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ (الحجرات)

اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تو تم سب میں عزت والا وہ ہے جو تم سب میں بڑا پرہیزگار ہے۔

فتح مکہ کے موقعہ پر واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْآبَاءِ۔

قریش کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کی جھوٹی نخوت سے نجات دیدی ہے اور باپ دادا کی بنیاد پر بڑائی جتلانے کا دستور ختم کر دیا ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ میں ایک لاکھ انسانوں کے اجتماع سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَكُلُّكُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ لَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى الْعَجَمِيِّ فَضْلٌ إِلَّا بِالتَّقْوَى۔ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ۔

اے لوگو! تم سب کا پروردگار ایک ہے تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوٰی کے سبب سے کان کھول کر سن لو کہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے پاؤں تلے روندی گئی ہیں۔

خالق ایک، مادہ ایک، قالب ایک لہٰذا انسانیت بھی ایک۔ لَا فَضْلَ وَلَا كَرَمَ

اِلَّا بِالتَّقْوٰی۔ کسی رنگ، قوم، نسل یا وطن کو فی حدِّ ذاتہ کوئی ایسی فوقیت حاصل نہیں جس کی بنا پر اُسے پیدائشی طور پر دوسری اقوام پر حکمرانی کا حق ہو۔ اس اعلان کی حقانیت اور لانے والے کی صداقت پر ایمان و یقین میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اعلان ایسی اندھیری دنیا میں کیا گیا ہے جہاں روشنی کی کوئی کرن موجود نہ تھی۔

وحدتِ آئین و دستور مذکورہ بالا جاہلی تصوّرات کا حامل معاشرہ ظاہر ہے کہ مساواتِ انسانی پر مبنی آئین کیسے بنا سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا آئین انسانوں سے نہ بن سکا ہے اور نہ آئندہ بن سکے گا۔ حتّیٰ کہ اس چودھویں صدی کے اندر دنیا کی مہذب ترین بعض سلطنتوں میں گوروں کے لئے الگ قانون اور کالوں کے لئے الگ۔ کالوں کو گوروں کے سکولوں میں داخلہ نہیں مل سکتا۔ ان کے ہسپتال الگ ہیں ان کے الگ۔

سرکاری ملازمین کو قانونی تحفّظ دینا ایک ایسی لعنت ہے جو دنیا کے تمام دساتیر میں موجود ہے۔ صدر اور وزراء کو کسی عدالت میں طلب نہیں کیا جا سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو آئین انسانوں کو عنایت فرمایا گیا اس کی نظر میں امیر غریب، صدر اور چپڑاسی سب برابر ہیں۔ ہر ایک کو عام قانون کے تحت عدالت میں طلب کیا جا سکتا ہے اور اس کے خلاف ڈگری دی جا سکتی ہے۔ حتّیٰ کہ غیر مسلم رعایا کو بھی بذریعہ عدالت صدر کی طلبی کا حق حاصل ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذاتِ گرامی کو پیش فرما دیا تھا کہ اگر کسی کا کوئی مالی یا جانی حق بنتا ہو تو وہ وصول کر لے۔ چنانچہ ایک شخص نے آپ سے قصاص کا مطالبہ کیا۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ وقت کو، یہودی کے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہونا پڑا۔ آپ نے اپنے غلام قنبر اور حضرت حسنؓ کو گواہ پیش کیا تو قاضی شریح نے کہا کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : كَانَ بَيْنَ عُمَرَ وَ اُبَيٍّ مُنَازَعَةٌ فِيْ نَخْلٍ فَحَكَّمَا بَيْنَهُمَا زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ فَاتَيَاهُ فَخَرَجَ زَيْدٌ - وَقَالَ لِعُمَرَ هَلَّا بَعَثْتَ اِلَيَّ فَاٰتِيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ يُؤْتَى الْحَكَمُ فَدَخَلَا بَيْتَهٗ فَاَلْقٰى لِعُمَرَ وَسَادَةً فَقَالَ هٰذَا اَوَّلُ جَوْرِكَ فَكَانَتِ الْيَمِيْنُ عَلٰى عُمَرَ رض (فتح القدیر ص ۴۰۶ ج ۶)۔

حضرت عمرؓ اور حضرت اُبیؓ کے درمیان ایک کھجور کے درخت کے بارے میں تنازعہ ہو گیا۔ ان دونوں نے اپنے درمیان زید بن ثابت کو حکم بنایا اور دونوں زید کے پاس آئے۔ حضرت زیدؓ نکلے اور حضرت عمرؓ سے کہنے لگے کہ اے امیر المؤمنین مجھے کیوں نہ بلا لیا گیا۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ثالث کے پاس ہی آیا جاتا ہے۔ پس دونوں حضرت زید کے گھر میں داخل ہوئے۔ زید نے حضرت عمرؓ کو تکیہ پیش کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ یہ آپ کا پہلا ظلم ہے پس قسم ہو گئی حضرت عمرؓ کے خلاف۔ (پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ زید فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتے جب تک عمر اور مسلمان رعایا ان کے نزدیک برابر نہ ہوں)۔

(۴) قانونِ اسلامی کی نظر میں شاہ غسان جبلہ بن ایہم اور ایک مسکین کے رخسار اور دانت کی ایک ہی قیمت ہے۔ جبلہ مسلمان ہو گیا تھا۔ طواف کرتے وقت کسی غریب کا پاؤں اس کی چادر پر آگیا۔ جبلہ نے طیش میں آکر ایسا طمانچہ مارا کہ غریب کے دانت نکل گئے۔ مظلوم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدمہ پیش کر دیا۔ جبلہ کو بلوایا گیا۔ اور حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا :

اِمَّا الْقِصَاصُ وَ اِمَّا اَنْ	قصاص جاری ہوگا۔ یا تم مظلوم
تَسْتَرْضِيَ الْفَزَارِيَّ۔	فزاری کو راضی کر لو۔

جبلہ کے لئے یہ بالکل اچنبھے کی بات تھی کہ کسی گدا کے لئے بادشاہوں سے بھی قصاص لیا جا سکتا ہے۔

(۵) یہ تو خلافتِ راشدہ کا دور ہے۔ ایک خلیفہ عباسی کا بھی قصہ سنیئے۔

امیر المؤمنین منصور مدینہ منورہ آئے تھے۔ تو یہاں محمد بن عمران قاضی تھے۔ اور ان کے میر منشی نمیر تھے۔ قاضی صاحب کی عدالت میں مزدوروں کی ایک جماعت نے امیر المؤمنین پر ایک دعویٰ دائر کر دیا۔ قاضی صاحب نے فوراً میر منشی کو حکم دیا کہ خلیفہ کے نام سمن جاری کرو کہ حاضرِ عدالت ہو کر جواب دے۔ اور مجبور کیا کہ اس کی تعمیل بھی تم خود کرا کر آؤ۔ چنانچہ نمیر گئے اور صورتِ حال کی اطلاع دی۔ تو خلیفہ منصور اسی وقت اُٹھ کر ساتھ ہو لئے اور ملاقاتیوں سے کہلوا بھیجا کہ ابھی پیشی بھگت کر آتا ہوں، پھر ملاقات کروں گا۔ نمیر کا بیان ہے کہ شاہی دربان ربیع منصور کے آگے آگے تھا اور میں اس کے پیچھے تھا۔ خلیفہ وقت صرف دو کپڑوں تہبند اور اوڑھنے کی چادر میں تھے۔ اسی حالت میں حاضرِ عدالت ہوئے۔ قاضی صاحب نے نہ سلام کیا نہ اُٹھے۔ فوراً مدعیوں کو بلوایا گیا۔ اُنہوں نے اپنا دعویٰ بیان کیا۔ ضروری کارروائی کے بعد مقدمے کا فیصلہ خلیفہ منصور کے خلاف مدعیوں کے حق میں سنا دیا گیا۔ خلیفہ منصور نے کسی قسم کی ناراضگی کی بجائے دس ہزار درہم بطور انعام قاضی صاحب کو دیئے۔

عدلیہ کی آزادی کے سلسلہ میں بہت شور ہے۔ لیکن کوئی ایسی آزادی کی مثال پیش کر سکتا ہے؟ ایک نہیں اس قسم کے ہزاروں واقعات ہیں جن کا احصار ممکن نہیں۔ قاضیٔ مصر عزّ الدین ابن اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے شرعی حکم کے مطابق شاہانِ مصر کو غلام قرار دیتے ہوئے ان کی بیع کا تاریخی فیصلہ فرما دیا اور ایک ایک کر کے سب کی بیع کی۔

احساسِ مسئولیت، خدمتِ خلق۔ قومی املاک کی حفاظت، غریب پروری، انتہائی سادگی، بلندیٔ نگاہ، شریعتِ مقدسہ کا ایک ایک حکم بے نظیر ہے اور ایسی جاذبیت کا حامل ہے کہ ع

کہ دامنِ دل مے کشد کہ جا ایں جا است[1]

یہ سب احکام نبی امّی (فداہ ابی و امی) صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابِ نبوّت کی کرنیں ہیں جن کی ضیا پاشیوں سے عالم جگمگا رہا ہے۔ اور ان میں ہر کرن وجودِ آفتاب پر مستقل دلیل ہے۔ پس ؎

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب گر دلیلت باید از وے رُو متاب

ضرورت اس امر کی ہے کہ :

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا قلب و نظر کی گہرائیوں سے مطالعہ کیا جائے۔

(۲) تحریر و تبلیغ اور عمل کے ذریعہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

(۳) کتاب اللہ کے بعد، صرف اُمّتِ مسلمہ کے لئے نہیں بلکہ تمام انسانوں کی ہدایت اور فلاح و بہبود کے لئے قیمتی سرمایہ خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک اور آپ کے ارشادات ہیں۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ہر دور میں اہلِ علم حضرات نے اس سرمایہ کی حفاظت کی ہے اور اپنی اپنی بساط، ذوق اور ماحول کے مطابق اس میں حصّہ لیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب ہمارے مکرّم و محترم بزرگ حاجی امیر الدین صاحب مدظلہٗ کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ اس کی ترتیب و تدوین بھی اسی نیک جذبہ کے تحت عمل میں آئی ہے۔ اللہ تعالےٰ اسے مقبولیتِ عامہ سے نوازیں اور اہلِ اسلام کے لئے اسے مشعلِ راہ بنائیں۔ آمین

عبد الستار عفا اللہ عنہ

---

[1] ترجمہ۔ کہ دل (خود بخود) اس طرف کھچتا ہے کہ یہی مطلوب اور یہی مقصود ہے۔

نبیؐ

اور

اس کی ضرورت

سب کچھ انسان کیلئے ہے اور انسان خدا کیلئے اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو انسان کی خدمت اور نفع کے لئے پیدا فرمایا۔ اور جسے جس کام پر لگا دیا، کیا مجال کہ ذرہ بھر کوتاہی ہو۔ سورج، چاند، ستارے، زمین و آسمان اور ان کی سب چیزیں کارخانۂ عالم میں ہمہ وقت آدمی کی خدمت اور ضروریات مہیا کرنے میں مصروف ہیں بعض کھانے پینے پہننے کے لئے ہیں تو بعض نگاہ کو تازگی بخشنے کے لئے۔ بعض زیب و زینت اور آرائش کے لئے ہیں تو بعض فرحت و آسائش کے لئے۔ بعض اظہارِ قدرت کے لئے ہیں تو بعض استدلالِ توحید کے لئے۔ غرضیکہ کائنات کا ذرہ ذرہ حضرتِ انسان کی خدمت اور نفع کے لئے مخصوص ہے ؎

کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے چاند سورج اور ستارے ہیں ضیا کے واسطے

اور سب تیرے لئے ہیں تو خدا کے واسطے

مقصدِ زندگی انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور فرماں برداری کے لئے پیدا فرمایا اور حکم دیا کہ وہ اپنی خواہش اور ارادے کو چھوڑ کر اس کے فرمان اور مرضی پر زندگی گذارے۔ زندگی بسر کرنے کی یہی دو راہیں ہیں۔ ایک اپنی مرضی کی، ایک خدا کی مرضی کی۔ پہلی زندگی حیوانی اور دوسری انسانی ہے۔ پہلی کو راہِ ضلالت اور دوسری کو راہِ ہدایت

کہتے ہیں۔ خدا کی مرضی کے مطابق غلامانہ حیثیت سے راہِ ہدایت پر چلنا آدمی کی زندگی کا اوّلین مقصد ہے۔

نجات کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور جنّت کو اُن کا مسکن قرار دیا۔ پھر دنیا میں بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ ایک مقررہ میعاد کے بعد تم نے یہیں آنا ہوگا۔ آئے دن کے مشاہدہ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ دنیا آدمی کی مستقل قرارگاہ نہیں بلکہ اس کا اصل وطن آخرت ہے۔ مرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے وہی اس کا ٹھکانا ہے جہاں اگلی پچھلی ساری مخلوق جمع ہوگی اور اعمال کی جزا و سزا ملے گی۔ جن لوگوں نے خدا کی مرضیات پر زندگی گذاری ہوگی وہ کامیاب ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوں گے وہ ایسے باغوں میں رہیں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی۔ بڑے بڑے عالیشان محل ہونگے۔ خدمت کے لئے حور و غلمان ہوں گے۔ ہر طرح کا سُکھ اور چین ہوگا۔ برخلاف اس کے باغیانہ زندگی والوں سے اللہ تعالےٰ ناراض ہوں گے، اور وہ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ کوئی ان کا یار و مددگار نہ ہوگا، جو انہیں اللہ کے عذاب سے چھڑا سکے۔ پس راہِ ہدایت پر چلنا اور خدا کے حکم اور مرضی کی زندگی گذارنا کامیابی کا باعث اور نجات کا ذریعہ ہے۔

نبوّت اور رسالت نجات حاصل کرنے کے لئے خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گذارنا اور عبادت کرنا ضروری ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کو جاننا اور اس کی عبادت کے طریقوں کو معلوم کرنا آدمی کی عقل و فکر اور طاقت سے باہر ہے۔ انسان اپنے جیسے دوسرے انسان کی خوشی اور ناخوشی کے ذرائع و اسباب اس کے بتلائے بغیر نہیں جان سکتا تو خدا کی رضا اور ناراضگی کے اسباب اس کے فرمائے بغیر بھلا کون جان سکتا ہے۔ پھر جس طرح دنیا کے بادشاہ اپنی رعایا کے پاس اپنے احکام اور قانون لے کر خود نہیں آتے، اپنے ایلچی اور نمائندوں کے ذریعہ بھیجتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ

بھی براہِ راست کلام نہیں فرماتے اور اپنا پیغام نہیں بھیجتے بلکہ اس کے لئے کسی ایسی ہستی کی ضرورت ہے جسے اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے منتخب فرمائیں اور اسے اپنی عبادت کے احکام اور طریقے بتائیں، اور ان پر چلنا سکھائیں۔ تاکہ وہ لوگوں کو عبادت کے احکام اور طریقے سکھائے اور اللہ تعالےٰ سے روشناس کرائے۔ اور اس کی زندگی لوگوں کے لئے نمونہ ہو۔ اللہ تعالےٰ اس منصبِ جلیل پر اپنے جن بندوں کو فائز فرماتے ہیں، انہیں نبی، رسول یا پیغمبر کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں تمام بنی آدم سے ارشاد فرمایا کہ میرے رسول تمہارے پاس نورِ ہدایت لے کر آتے رہیں گے۔ جو شخص ان کی اطاعت کرے گا اور راہِ ہدایت پر چلے گا وہ کامیاب ہوگا۔ اور جو نافرمانی اور بغاوت کی راہ اختیار کریگا وہ سزایاب ہوگا۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے ہی نبوّت و رسالت کا سلسلہ جاری کر دیا گیا تاکہ قیامت کے دن کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ رہے کہ اگر ہمارے پاس رسول آتے تو ہم ضرور ایمان لاتے اور فرمانبرداری کی زندگی گذارتے۔ نبی اپنی قوم میں آفتابِ ہدایت ہوتا ہے، اس کی تعلیم اور عملی زندگی سے ہدایت کی راہیں کھلتی ہیں۔ مخلوق اس کی روشنی سے مستفید ہوتی رہتی ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی پہچان اور اور اس کی رضا اور ناراضگی کے احکام اور عبادت کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت تمام مخلوق پر واجب ہے، اور انبیاء کے بغیر اس کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔ جو نبی سے جڑ گیا، اُس نے اللہ تعالےٰ کو پالیا۔ اور جو اس سے کٹ گیا وہ اللہ تعالےٰ سے کٹ گیا۔

غرضیکہ آدم علیہ السلام سے لے کر نبوّت کا یہ سلسلہ اس طرح چلا آیا، کہ جب کسی نبی کا زمانۂ نبوّت ختم ہو جاتا اور اس کی تعلیم کی ضرورت باقی نہ رہتی تو اس کی عملی زندگی کے نقوش مٹ جاتے اور اس کی شریعت منسوخ ہو جاتی۔ اس پر چلنے کا حکم

بند ہو جاتا۔ کیونکہ جس داعی کی عملی زندگی اندھیرے[1] میں ہو اس کی پیروی میں راہِ حق کی تلاش بے سود ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرا نبی راہِ ہدایت لے کر آجاتا۔ اب اس کی تعلیم پر چلنا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہو جاتا۔ یا پہلی شریعت کے باقی ہوتے ہوئے اگر لوگ اس پر عمل کرنا چھوڑ دیتے تو ان کی اصلاح کے لئے کوئی اور نبی آجاتا۔ اسی طرح ہزاروں سال یہ سلسلہ چلتا رہا اور یکے بعد دیگرے بہت سے نبی تشریف لائے جن کی صحیح گنتی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں[2] اور ان میں سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری پیغمبر ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آخری نبی پہلے ہر نبی خاص قوم اور خاص زمانہ کے لئے آیا کرتا۔ مگر جب ایک ایک کر کے سب نبی آچکے اور ان کی نبوت کا زمانہ ختم ہو چکا۔ کسی پیغمبر کی تعلیم و عملی زندگی اصلی حالت میں محفوظ نہ رہی۔ ہر طرف گمراہی پھیل گئی۔ دنیا نورِ ہدایت سے محروم ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے سب سے آخر ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کے لئے آفتابِ ہدایت بنا کر بھیجا اور قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ جس میں آج تک نہ ایک نقطہ اور شوشہ کی تبدیلی ہوئی نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ حفاظ نے الفاظ کی حفاظت

---

[1] تم ان سے اوجھل ہو۔ وہ تم سے اوجھل ہیں۔ پھر کس راہ سے تم ان کو تاکو گے، جن کو تاک کر تم چلنا چاہتے ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہو جانے ہی کے لئے آئے تھے وہ آکر جب چلے گئے تو اب اُن کی تلاش میں لوگ کیوں سرگرداں ہیں (النبی الخاتم)

[2] نبی وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے۔ جو نبی نئی کتاب یا نئی شریعت لے کر آئے، اسے رسول کہتے ہیں بعض (ضعیف) روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جن میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں (تفسیر کشف الرحمٰن۔ پ ۶ ص ۱۶۲) بعض سلف نے کہا کہ سب رسول اولوالعزم ہیں اور عُرف میں پانچ پیغمبر خصوصی طور پر اولوالعزم کہلاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

کی۔ علماء نے معانی کی حفاظت کی۔ عرفا نے حقائق کو محفوظ کیا۔ کسی نے قراءت و تجوید کی خدمت کی تو کسی نے آیات کی گنتی کی اور الفاظ کا شمار کیا۔ کسی نے اعراب کی تعداد بتائی تو کسی نے نقطوں کا حساب لگایا۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور وقائع زندگی کو محفوظ کیا۔ صحابہؓ کے بعد روایات کا یہ سلسلہ قرناً بعد قرنٍ آج تک چلا آیا۔ حتیٰ کہ ان حالات کو بیان کرنے والوں کے حالات بھی جمع کئے گئے[۱]۔ تاکہ ان کا ثقہ اور غیر ثقہ ہونا معلوم ہو سکے اور معتبر راویوں کے بیان کو ترجیح دی جائے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوری شرح و بسط کے ساتھ آج ایسی ہی محفوظ ہے جیسی اپنے وقت پر تھی۔ آپؐ آج بھی اسی طرح پہچانے جاتے ہیں جس طرح کل پہچانے گئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعلیم اور عملی زندگی کا نقشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔

آپ کی تعلیم زندگی کے ہر گوشہ پر حاوی ہے۔ قرآن پاک میں قیامت تک کی ضرورتوں اور وقتی تقاضوں کے احکام کلیات کی شکل میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ایسی کامل و اکمل اور جامع مانع تعلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت کا آخری درس ہے جو مخلوق کے لئے ذریعۂ ہدایت اور باعثِ نجات ہے۔ آپؐ کی نبوت کا زمانہ کبھی ختم نہ ہوگا، ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس لئے آپؐ کے بعد قیامت تک کسی قسم کا کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا[۲]۔ اب پہلے نبیوں کی تعلیم پر چلنے کا حکم بند ہو گیا۔ آپ کی تعلیم پر چلنا اور آپ کی اطاعت کرنا ہی عبادت اور نجات کا ذریعہ ہے۔ البتہ پہلے تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانا اور اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔

---

[۱] حدیث کے مدون ہونے تک پہلے راویوں کے حالات جمع کئے گئے اور اسے اسماء الرجال سے موسوم کیا گیا جس میں ایک لاکھ راویوں کے حالات جمع ہیں اور ان میں گیارہ ہزار کی تعداد صحابہؓ کی ہے۔

[۲] جن کو نبوت ملنی تھی مل چکی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی۔ نبوت کے تمام کمالات آپ پر ختم ہو گئے۔ اب کوئی کمال باقی نہیں رہا جس کو دے کر کسی کو بھیجا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی مذہبی پیشوا اور رہنما کی زندگی کے تفصیلی حالات اصلی حالت میں محفوظ نہیں۔ اگر آپؐ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کو نبوت کا جاری رکھنا منظور ہوتا تو دوسرے انبیاء کی طرح آپؐ کی زندگی کے واقعات بھی نسیاً منسیاً ہو جاتے۔ آپ کے واقعاتِ زندگی اور تعلیم کا من وعن محفوظ رہنا اور خداوند قدوس کی طرف سے حفاظت قرآن کا وعدہ ہونا آپؐ کے خاتم النّبیین اور آخری نبی ہونے کی واضح اور بیّن دلیل ہے۔

نبی کی زندگی کا مطالعہ ضروری ہے نبی کی زندگی ہدایت کے لئے نمونہ ہوتی ہے۔ جس کی پیروی ہر مسلمان پر لازمی قرار دی گئی ہے۔ وہ اقوال و اعمال اور اخلاق و عادات کی صحیح میزان ہوتے ہیں جس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی زندگی کے جانچنے اور پرکھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اللہ کی عبادت کرنے اور اس کی مرضیات پر چلنے کا صحیح طریقہ معلوم ہوتا ہے، اور نجات کا راستہ ملتا ہے۔ جتنی ضرورت جسم کو جان کی، آنکھوں کو نور کی ہے۔ اس سے زیادہ ضرورت دنیا کو انبیاء علیہم السلام کی ہے۔ کیونکہ جسمانی ضرورتیں تو دنیوی زندگی کے لئے ہیں لیکن ان حضرات کی ضرورت دونوں جہان کے ساتھ وابستہ ہے۔ آدمی اپنی دونوں زندگیوں میں ان کا یکساں محتاج ہے۔ اس لئے نبی کی سیرت اور حالاتِ زندگی سے واقف ہونا ازبس ضروری ہے۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور سیرت کا جاننا اور ذکر کرنا بہت بڑی برکت اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا باعث ہے۔

نبی اور رسول کی عظمت وشان نبی اور رسول کی عظمت وشان کا بیان کرنا آدمی کی طاقت اور احاطہ سے باہر ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حقیقتِ شان کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام تمام مخلوق سے افضل واشرف ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد آپؐ ساری مخلوق سے افضل ہیں۔

یا صاحب الجمال ویا سید البشر   من وجہک المنیر لقد نوّر القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر[1]

[1] ترجمہ۔ اے حسن وجمال کے پیکر اور نوعِ انسان کے سردار، چاند تیرے چہرے کی روشنی سے منور ہوا۔ تیری ثنا، جیسی کہ چاہیئے ایسی نہیں کی جاسکتی۔

(۱) نبی اور رسول کو اللہ تعالےٰ خود مقرر فرماتے ہیں۔ کوئی شخص خود بخود اپنی کوشش سے نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی مخلوق کسی کو اس منصب پر مقرر کر سکتی ہے۔

(۲) رسول براہِ راست اللہ تعالےٰ سے تعلیم حاصل کرتا اور لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ یعنی وہ اللہ سے لیتا اور مخلوق کو دیتا ہے۔

(۳) وہ اپنی خواہش اور ارادے سے کچھ نہیں کہتا۔ جو کچھ کہتا ہے اللہ کے حکم سے کہتا ہے۔

(۴) رسول خدا کے حکم کے تابع ہوتا ہے، کسی اور کے مشورہ کا تابع نہیں ہوتا۔

(۵) وہ گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ قدرت اس کی ہر حرکت اور فعل کی حفاظت فرماتی ہے۔

(۶) نبی اور رسول کا احترام اُمّت پر اس قدر واجب ہے کہ اسکی بیبیاں اُمّت کی مائیں سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے سامنے بڑھ کر بات کہنا منع ہے۔ اس کے سامنے اونچی آواز سے بولنا اور اسے عام لوگوں کی طرح پکارنا عملوں کو برباد کرنا اور خدا کو ناراض کرنا ہے۔

(۷) رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ جو شخص رسول کی اطاعت نہیں کرتا، وہ خدا کا مطیع اور تابعدار نہیں ہو سکتا۔

(۸) وہ اللہ تعالےٰ کے کمالات و صفات کا نمونہ ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفاتِ خداوندی کے کامل نمونہ ہیں۔ (انتخاب از ترجمان السنۃ ج ۱)۔

باوجود اس عظمت و شان کے کوئی رسول نہ خدا ہو سکتا ہے نہ خدا کا اوتار۔ بلکہ وہ ایک انسان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا رسولوں کا انسان ہونا ایک نعمت[۱] قرار دیا ہے۔ اس لئے کسی نبی اور رسول کے انسان اور بشر ہونے کا

---

[۱] لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔
(آل عمران آیۃ ۱۶۴) واقعی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ انہی میں سے ان میں ایک رسول بھیجا۔

انکار قرآن کا انکار ہے۔

نوٹ: صاحب ترجمان السنۃ نے جلد اوّل میں انبیاء کی عظمت وشان پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو وہاں ملاحظہ کی جائے۔

خلاصہ

(۱) تمام کائنات انسان کے لئے ہے اور انسان خدا کے لئے۔

(۲) سب مخلوق انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ اس پر بھی لازم ہے، کہ اپنے مالک کی اطاعت میں لگے، اس کا بندہ اور غلام بن کر رہے۔

(۳) آدمی کی زندگی کا مقصد خدا کی عبادت کرنا اور اس کی فرماں برداری میں زندگی گذارنا ہے۔

(۴) فرمانبرداری کی زندگی کامیابی، اور نافرمانی کی زندگی بربادی ہے۔

(۵) نبی کی زندگی اُمّت کے لئے نمونہ ہوتی ہے۔ جس پر چلنے سے ہدایت کی راہیں کُھلتی ہیں۔

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔

(۷) رسول، اللہ تعالٰے کے کمالات اور صفات کا نمونہ ہوتا ہے۔ خدا کے نزدیک اسے وہ مقام اور درجہ حاصل ہوتا ہے جس کے بعد کوئی درجہ نہیں لیکن رسول کو خدا یا خدا کا اوتار سمجھنا اور اس کے انسان اور بشر ہونے سے انکار کرنا اسلام کا عقیدہ نہیں۔

اِسلام سے پہلے دُنیا کی حالت

انبیاء سابقین حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السّلام کے زمانہ تک حلال و حرام کے بارے میں کوئی تفصیلی شریعت موجود نہ تھی۔ کچھ ضروری احکام کے علاوہ ورد و وظائف اور آداب کی تعلیم تھی۔ سب لوگ ایک ہی دین پر تھے اور توحید کے قائل تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد کفر کا آغاز ہوا۔ وَدّ، سُواع، یغوث، یعوق، نسر جن کا ذکر سورہ نوح میں ہے، سب کے سب خدا پرست اور نیک بندے تھے[۱]۔ لوگوں نے ان کے مرنے کے بعد بطور یادگار پہلے ان کی تصویریں بنائیں۔ پھر تعظیم کرنے لگے آہستہ آہستہ پوجا شروع کر دی۔ اس طرح بُت پرستی کا رواج عام ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السّلام کو ان کی اصلاح پر مامور فرمایا۔ آپ ساڑھے نو سو سال تک اُنہیں سمجھاتے اور تبلیغ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ رات دن ایک کر دیا۔ آخر جب ان کے ایمان لانے کی کوئی اُمید نہ رہی تو طوفان کے عذاب عام سے ہلاک کر دیئے گئے۔ حضرت نوح علیہ السّلام اور ان کے معدودے چند ساتھیوں کے سوا جو کشتی میں سوار ہو گئے تھے، کوئی جاندار روئے زمین پر زندہ نہ بچ سکا۔ اب جس قدر انسان دنیا میں موجود ہیں وہ سب حضرت نوح علیہ السّلام کی اولاد ہیں[۲]۔

حضرت نوح علیہ السّلام کے بعد اور بہت سے پیغمبر آئے۔ جنہوں نے اپنی قوموں کو توحید و تقویٰ کی دعوت دی۔ دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا مگر وہ ان کے ساتھ بڑی بے رُخی اور گستاخی سے پیش آئے۔ بُرا بھلا کہا۔ جلا وطنی اور قتل کی دھمکیاں دیں۔ فرمائشی معجزات طلب کئے۔ نزولِ عذاب کا مطالبہ کیا جب مخالفت

---

[۱] گلدستہ توحید ص ۶۳ بحوالہ صحیح بخاری۔ [۲] دیکھو دیباچہ معجز نما قرآن مجید مترجم مولوی نور محمد کراچی۔

حد سے بڑھ گئی اور ان میں قبولِ حق کی استعداد باقی نہ رہی تو نافرمانی کی پاداش میں وہ صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیئے گئے۔ آج روئے زمین پر کوئی اُن کا نام لیوا نہیں ہے۔

عاد و ثمود کی عظیم الشان سلطنتیں، قوت و شوکت، سطوت و جبروت، جاہ و حشمت، مال و اولاد، ساز و سامان، عالی شان عمارتیں، سنگین پہاڑی قلعے ان کے کسی کام نہ آئے۔ اور نہ انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ قوم عاد آٹھ دن کی مسلسل آندھی سے ایسی برباد ہوئی کہ ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ اور قوم ثمود صیحہ اور زلزلہ کے عذاب سے نیست و نابود کر دی گئی۔ قومِ لوط پر بداعمالی کی سزا میں پتھراؤ کیا گیا، اور ان کی بستیاں اُلٹ دی گئیں۔ اسی طرح اہلِ مدین، اصحابِ ایکہ، قومِ تُبّع وغیرہ نے جب احکامِ الٰہی کو پس پشت ڈالا تو عذابِ آسمانی نے ان کو بیخ و بن سے اُکھاڑ دیا۔ دشمنِ خدا، نمرود ایک ادنیٰ ترین مخلوق اور کمزور مچھر کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔ فرعون جیسے متکبّر اور خدائی کے دعویدار کو لاؤ لشکر سمیت غرق کر کے دنیا کے لئے درسِ عبرت بنا دیا گیا۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۔

الغرض انبیاء اور منکرین کے بارے میں سنّت اللہ کے دو مستقل دور ہیں حضرت نوح علیہ السّلام سے لے کر حضرت لوط علیہ السّلام کے زمانہ تک دستور خداوندی یہی رہا کہ جب لوگ پیغمبروں کی تکذیب کرتے، مخالفت اور مقابلہ پر اُتر آتے۔ حتیٰ کہ اُن کے ایمان لانے کی قطعاً کوئی اُمید نہ رہتی۔ تو ان کی مہلت کا زمانہ ختم ہو جاتا اور عفو و درگذر کی کوئی گنجائش نہ رہتی۔ تب وہ اچانک عذابِ الٰہی سے ہلاک کر دیئے جاتے اور دوسروں کیلئے باعثِ عبرت بنا دیئے جاتے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سنّت اللہ یہ رہی، کہ جب دشمنانِ دین نے کلمۂ حق کی مخالفت پر اصرار کیا اور پیغمبروں کی ایذا رسانی کے درپے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو وطن چھوڑنے اور ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جنہوں نے خدا کی راہ میں عراق سے شام کو ہجرت کی۔ یہی صورت موسیٰ علیہ السلام کو پیش آئی۔ وہ بنی اسرائیل کو لے کر شام کو ہجرت کر گئے۔ مگر فرعون اور اس کے لشکریوں نے مزاحمت کی۔ جس کی پاداش میں وہ غرق کر دیئے گئے۔ (قصص القرآن ص ۱۲۸ جلد ۴)

فرعون کی ہلاکت کے بعد جب تورات نازل ہوئی اور جہاد کا حکم ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بعد تمام انبیائے بنی اسرائیل کفار سے جہاد کرتے رہے حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک جہاد کا حکم رہا اور قیامت تک بدستور رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اور کوئی بھی شخصیت جہاد کو حرام و منسوخ نہیں کر سکتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی عظمت اور اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس وقت کی مذہبی اور اخلاقی حالت کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

دنیا کی مذہبی حالت | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے دنیا میں گمراہی پھیل چکی تھی۔ کفر و شرک کا دور دورہ تھا۔ بت پرستی عام تھی۔ کوئی چاند اور سورج کو پوجتا تو کوئی ستاروں اور آگ کی پرستش کرتا، کہیں بتوں کو سجدہ کیا جاتا تو کہیں جانوروں اور درختوں کی پوجا ہوتی۔ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے۔ یہودیوں کے عقائد بگڑ چکے تھے۔ وہ اپنے آپ کو خدا کی اولاد اور کنبہ سمجھتے تھے۔ جنت کی نعمتوں کو اپنے لئے مخصوص جانتے اور نبوت کو اپنا حق سمجھتے تھے، اور احکامِ الٰہی کو تاویلاتِ فاسدہ سے ادلتے بدلتے رہتے۔ مال و جاہ کے حریص اور ہر قسم کی اخلاقی کمزوریوں کا شکار تھے۔

عیسائیوں نے تین خدا بنا رکھے تھے۔ پارسیوں نے نیکی اور بدی کے الگ الگ خدا تجویز کئے ہوئے تھے۔ ہندوؤں کے دیوتا کروڑوں کی تعداد کو پہنچ چکے تھے۔ مشرکینِ مصر کے بھی لاکھوں معبود تھے۔ مشرکین عرب کے نزدیک تو پہاڑ کا ہر پتھر آدمی کا معبود

بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ بعض لوگ خدا کے منکر اور دہریئے تھے۔ غرضیکہ آگ، پانی، سورج، چاند، ستارے، درخت، پتھر، حیوان اور کوئی چیز لوگوں نے نہ چھوڑی جسے خدائی میں شریک نہ سمجھا ہو اور اس کی عبادت نہ کی ہو۔ صحیح عقیدہ کا کہیں وجود نہ تھا۔ ایک خدا کی عبادت کرنے والا روئے زمین پر شاید ہی کوئی ہو۔ دنیا کا ذرہ ذرہ توحید کی روشنی سے محروم تھا۔

عملی اور اخلاقی پستی مذہبی گمراہی کی طرح دنیا کی عملی اور اخلاقی کمزوری بھی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ایرانیوں کے بعض فرقوں کا عقیدہ تھا کہ عورت اور دولت مشترکہ چیز ہے۔ اس پر کسی کا حق نہیں۔ ایک عورت بیک وقت کئی مردوں کی بیوی بن سکتی تھی۔ اس سے ملک میں عیاشی پھیل گئی۔ شراب کا دور دورہ ہو گیا اور لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ ہندوستان کی بعض قوموں میں بھی ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے تھے۔ عورتیں جوئے میں ہاری جاتی تھیں۔ ستی کا رواج عام تھا۔ لڑائی کے وقت شکست کے خوف سے اپنی عورتوں کو خود قتل کر دیتے تھے۔ بعض فرقوں میں عورتیں مردوں کو اور مرد عورتوں کو ننگا کر کے ان کی پوجا کرتے تھے یعنی لِنگ پرستش عام تھی۔ مذہبی تہواروں میں شراب پی کر ایسے بدمست ہوتے کہ پھر انہیں اپنے پرائے کی تمیز نہ رہتی اور وہ اسے نیکی کا کام سمجھتے۔ اولاد کو بتوں اور دیوتاؤں کی نذر چڑھا دیتے۔ باقی ممالک کا بھی بداعمالی میں یہی حال تھا۔ تمام دنیا پورے طور پر بدعملی اور بداخلاقی کا شکار ہو چکی تھی جس کی اصلاح بغیر آسمانی ہدایت کے ناممکن تھی۔

عربوں کی مذہبی حالت (۱) عرب پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے۔ رفتہ رفتہ ان میں جہالت اور گمراہی پھیل گئی۔ خدا کے سوا انہوں نے اور بھی کئی معبود بنا رکھے تھے۔ اور ان کا خیال تھا کہ خدائی کا سارا کاروبار یہی کرتے ہیں اس لئے اگر کوئی صرف اللہ کا نام لیتا تو چیں بہ جبیں ہوتے۔ لیکن بتوں کے تذکرے

سے خوش ہوتے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ان کی خدمت اور پوجا سے خدا خوش ہوتا ہے اور یہ خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔

(۲) بہت سے لوگ چاند، سورج اور ستاروں کو پوجتے تھے۔ یمن میں قومِ سبا اور قبیلہ حمیر کے لوگ آفتاب کی پرستش کرتے تھے۔ کنانہ چاند کی اور قیس شعریٰ کی پوجا کرتے تھے۔ بنی تمیم، لخم، جذام، طے اور اسد وغیرہ قبیلے بھی کواکب پرست تھے۔

(۳) اکثر لوگ بت پرست تھے۔ بتوں کی نذریں دیتے ان سے مرادیں مانگتے، چڑھاوے چڑھاتے، سجدہ کرتے، ان کا طواف کرتے، ان کے نام پر جانوروں کی قربانی کرتے، بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑتے، شگون لیتے، فال نکالتے اور اس پر عمل کرتے۔ بت پرستی میں ان کا انہماک اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ راستہ چلتے جہاں کوئی خوبصورت پتھر مل گیا، اٹھا لیا اور اس کی پوجا شروع کر دی۔ خانہ کعبہ میں جو اللہ کا گھر ہے تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ سب سے بڑا بت ہبل[1] تھا جو کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔

قبیلے قبیلے کا اک بت جدا تھا — کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزّیٰ پہ، وہ نائلہ پہ فدا تھا — اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا — خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیّت نے تھا جس کو تاکا — کہ اُبلے گا اس گھر سے چشمہ ہدیٰ کا

وہ اک بت پرستوں کا تیرتھ بنا تھا
جہاں تین سو ساٹھ بت پُج رہا تھا

(۴) علاوہ ازیں وہ طرح طرح کے اوہام میں مبتلا تھے ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے

[1] یہ ایک بت اور مجسمہ تھا جو ہابیل کے نام پر لوگوں نے بنا رکھا تھا (گلدستہ توحید بحوالہ فیض الباری صفحہ ۹۶)۔

کے بعد روح ایک پرندہ بن کر اُڑتی رہتی ہے۔ اس کو ہامہ کہتے ہیں۔ سانپ کو نہیں مارتے تھے، کہتے تھے کہ اگر سانپ مارا جائے تو اس کا جوڑا آکر بدلہ لیتا ہے۔ بکری کے نر بچّہ کو بُت پر چڑھا دیتے تھے۔ اونٹنی جب دس بچّے جَن لیتی تو اس کو سانڈ کی طرح چھوڑ دیتے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ جو شخص لات و عُزّیٰ کو گالی دیتا ہے اس کو برص یا جذام کا مرض ہو جاتا ہے۔ اگر قحط ہوتا تو بھیڑ یا دنبہ کی دم میں گھاس پھوس باندھ کر آگ لگا دیتے اور سمجھتے کہ اس طرح بارش ہوگی۔

(۵) بعض لوگ آتش پرست اور بعض لوگ عیسائی تھے۔ بعض ملحد اور دہریئے تھے جو خدا کے منکر تھے۔

(۶) کہانت کا دور دورہ تھا۔ کاہن آئندہ واقعات کی پیش گوئی کیا کرتے اور آسمانی خبریں بتاتے تھے۔ تمام ملک ان کے زیر اثر تھا۔ یہ اپنی کہانت کی اُجرت میں بڑی بڑی رقمیں اور نذرانے وصول کرتے تھے۔

(۷) بعض جنوں کو خدا کا شریک اور عزیز و قریب سمجھتے۔ خدا کے ساتھ اُن کے رشتے جوڑتے۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ فرشتے خدا کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔

عربوں کی معاشی اور تمدّنی زندگی (۱) شراب نوشی اور جوئے کا عام رواج تھا شاید ہی کوئی گھر اس سے خالی ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب شراب کی قطعی ممانعت ہوگئی اور اعلان کر دیا گیا تو لوگوں نے باوجود عادی ہونے کے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے۔ مدینہ کے تمام گلی کوچوں میں شراب کی ندیاں بہ گئیں اور زمانۂ جہالت میں جوئے کا یہ حال تھا کہ بیوی اور بچّے کو جوئے کی بازی پر لگا دیتے اور ہار دیتے۔

(۲) زنا اور بدکاری عام تھی۔ بعض اُمراء اپنی لونڈیوں کو زنا کروانے پر مجبور کرتے چنانچہ عبداللہ بن ابی منافق نے جب اپنی لونڈیوں کو مجبور کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ۔ (سورۂ نور آیۃ ۳۳)

(۳) قریش کے سوا باقی سب مرد ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے اور عورتیں بھی سوائے مخصوص اعضاء کے برہنہ ہوتیں۔

(۴) ایک آدمی جتنی عورتوں سے چاہتا، شادی کر لیتا۔ بڑا بیٹا اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کو اپنی حقیقی ماں کے سوا نکاح میں لے آتا۔ جائیداد کی وارث نرینہ اولاد ہوتی۔ عورتیں اور لڑکیاں وراثت سے محروم رہتیں۔

(۵) بعض قبیلوں کے لوگ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔ جس کے گھر لڑکی پیدا ہوتی اس کو سخت رنج ہوتا اور شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا۔

(۶) دولت مند سود کے ذریعہ غریبوں اور کاشتکاروں کو لوٹتے۔ سود در سود لیتے اور راس المال کو بھی ساتھ ساتھ بڑھاتے جاتے۔ لوگ مجبور ہو کر عورتوں اور بچوں کو سود میں دے دیتے اور جائداد کی طرح ان کو رہن اور بیع کر دیتے۔ بعض اوقات قرض خواہ مدیون کی جائداد پر قبضہ کر لیتے۔

(۷) بدوؤں میں چوری کا بہت رواج تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں اور عورتوں سے بیعت لیتے وقت چوری چھوڑنے کا عہد بھی لیتے۔ اور جاہلیت میں شرفا چوری کرتے تو چھوڑ دیئے جاتے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت نے چوری کی۔ قریش نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سفارش کروائی تو آپ نے فرمایا کہ حدود اللہ کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ خدا کی قسم اگر فاطمہؓ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ حضرت صفوانؓ بن امیہ کی ایک شخص نے چادر چرالی۔ وہ اس کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں لائے تو آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ صفوانؓ کو اس پر رحم آیا، اور عرض کیا کہ

۱۔ لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔ ۲۔ سارے عرب میں یہ برائی نہیں تھی (گلدستہ توحید ص ۵۶)۔

یا رسول اللہ! ایک ذرا سی بات کے لئے ایک عرب کا ہاتھ کاٹ لیا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس لانے سے پہلے اس کا خیال رکھنا تھا۔ حاکم تک معاملہ پہنچنے کے بعد کسی کو سفارش کا حق حاصل نہیں (سیرت النبی)۔

(۸) آئے دن لوٹ مار کا بازار گرم رہتا۔ لڑائیوں میں دشمن کو پکڑ لیتے تو طرح طرح کے عذاب دے کر مارتے۔ معصوم بچوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیتے۔ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیتے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ زندہ اونٹوں کے کوہان اور دُنبوں کی چکیاں کاٹ کر کباب بناتے۔ جانوروں کو باندھ کر تیر اندازی کی مشق کرتے۔ مقتولوں کے ناک کان کاٹ لیتے۔ عورتیں ان کے ہار بنا کر پہنتیں۔ کبھی آدمی کو قید کر کے اس کا کھانا پینا بند کر دیتے اور وہ اسی حالت میں تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا (سیرت النبی)۔

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

(۹) حلال اور حرام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ مُردار کھا لیتے۔ حشرات الارض ان کی مرغوب غذا تھی۔ خون کو جما لیتے اور قاشیں تراش کر کھاتے۔ وہ خدا اور خدا کے احکام سے کوسوں دُور تھے۔ برائیوں اور بداعمالیوں کا شکار ہو چکے تھے۔ کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی

تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی غرض ہر طرح ان کی حالت بُری تھی

عربوں کے اخلاق و عادات اور خصوصی اوصاف

حسب نسب کی حفاظت نسب دانی کا بہت اہتمام تھا۔ اس کا جاننا اور یاد رکھنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ انسانوں سے گذر کر گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد

رکھے جاتے تھے اور یہ بھی یاد رکھا جاتا تھا کہ کون آزاد عورت کے بطن سے ہے، اور کون باندی کے بطن سے ہے۔ کس نے شریف عورت کا دودھ پیا ہے۔ کس نے رذیل کا۔ عرب کے اکثر قبائل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل اور اولاد سے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ نسب کی حفاظت کا یہ سارا اہتمام اسی ذات کی خاطر ہو جس کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا اس کی نبوت کی ایک علامت ہے۔

شجاعت | عرب بے حد بہادر اور جنگ جُو تھے۔ نام و ناموس کی خاطر جان کی بازی لگا دیتے۔ مستقل مزاج، ارادے کے پکے اور خطرات سے بے خوف تھے۔ مرنا مارنا اور لڑنا جاہلیت کا شرف اور قبیلہ کی آن سمجھی جاتی تھی۔ قاعدے اور قانون کی پابندی کو وہ ذلت اور کمزوری سمجھتے تھے۔ معمولی باتوں پر لڑتے تو برسوں لڑائی کا سلسلہ جاری رہتا ؎

فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ ۔۔۔ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

خودداری | عربوں نے آغاز عالم سے ہی کسی کی حکومت تسلیم نہیں کی۔ وہ ہمیشہ آزادی کی آب و ہوا میں پلے اور پروان چڑھے۔ جس وقت سارا عالم قیصر و کسریٰ کا غلام بنا ہوا تھا، عرب اس وقت بھی اپنی بے سروسامانی کے باوجود کسی کے محکوم نہ تھے۔ خودداری اور جرأت کا یہ حال تھا کہ عرب کا ادنیٰ فقیر بات کرتے وقت کسی بڑے سے بڑے بادشاہ سے بھی مرعوب نہ ہوتا تھا۔

حق گوئی | دروغ گوئی کا عیب ان کی سوسائٹی اور قومی زندگی میں ناقابل برداشت تھا۔ جو بات دل میں ہوتی وہی زبان پر آتی۔ جس بات کو حق سمجھتے اس کے اظہار میں کسی سے نہ دبتے۔

ذہانت | حافظہ کے قوی اور بلا کے ذہین تھے۔ بڑے بڑے قصیدوں کو ایک ہی دفعہ سن کر یاد کر لیتے۔ ان کی اس خصوصیت کی بدولت احادیث و واقعات کا ذخیرہ پوری

ذمہ داری اور حفاظت سے ایک سینہ سے دوسرے کو منتقل ہوتا رہا۔ سینکڑوں اصحاب ایسے تھے جنہیں لاکھوں احادیث حرف بحرف یاد تھیں۔

غیرت وحمیت | غیرت وحمیت کا یہ حال تھا کہ اپنے قبیلہ کی ادنیٰ سی بے حرمتی کو بھی برداشت نہ کرتے۔ ان کے آپس کے لڑائی جھگڑے اکثر اسی وجہ سے ہوتے تھے۔ اگر کوئی قتل ہو جاتا تو مقتول کا وارث قاتل سے یا اس کے قبیلہ سے انتقام لینا اپنا فرض سمجھتا۔

شعر گوئی | شعر گوئی کا عام رواج تھا۔ زبان دانی اور خوش بیانی میں ان کو وہ کمال حاصل تھا کہ اپنے سوا دوسروں کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے۔ شاعر اپنے اپنے قبیلوں کے حسب ونسب پر فخر کرتے۔ اور ان کو انتقام اور جنگ کے لئے اُبھارتے۔ عورتیں جوشیلے گیتوں سے مردوں کو غیرت دلاتیں۔

وفاداری | وفاداری اور ایفائے عہد ان کا ممتاز وصف تھا۔ ہمسایوں اور پناہ گزینوں کی امداد کے لئے جان تک لڑا دیتے۔ زبان کے ایسے پکے کہ جس بات پر اڑ جاتے، اس کو کبھی نہ چھوڑتے۔

مہمان نوازی | مہمان نواز اور فیاض ایسے کہ مہمان کے لئے اُونٹ، دنبہ، بکری جو کچھ ہوتا، ذبح کرتے۔ خود بھوکے رہتے مگر مہمان کا بھوکا رہنا گوارا نہ کرتے۔ مال ودولت کو ہیچ سمجھتے۔ جوا، شراب، اور فضول اور فخر کی باتوں پر بے دریغ خرچ کرتے۔ اسلام نے اس کو فضول خرچی اور اسراف کا رُخ خیرات وصدقات اور زکوٰۃ کی طرف پھیر دیا۔

الحاصل

انسانیت کے ان پسندیدہ اوصاف میں عرب دنیا بھر میں مخصوص تھے۔ مگر جہل ونادانی کی وجہ سے وہ بے محل صرف ہو رہے تھے۔ لیکن جب ان کا رُخ مخلوق سے خالق کی طرف پھر گیا اور وہ اپنے فطری اوصاف کے ساتھ دینِ حق کی دعوت لے کر اُٹھے تو دنیا کی کوئی قوم ان کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکی۔ صحرا نشینوں کی اس جماعت نے

قیصر و کسریٰ کی منظم اور تربیت یافتہ فوجوں کے منہ موڑ دیئے ــــــــ تہوّر کا یہ عالم تھا کہ مٹھی بھر جماعت لاکھوں سے بھڑ جاتی۔ الغرض کوئی پہاڑ ان کے سیلِ رواں کو روک نہ سکا اور کوئی سمندر ان کے راستوں میں حائل نہ ہو سکا۔ جو سامنے آیا، خس و خاشاک کی طرح بہ گیا اور وہ توحید کا علم لئے ہوئے بحر و بر اور دشت و جبل میں زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے پھیل گئے ؎

دشت تو دشت تھے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے۔ بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں۔ کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

آخری نبی کی آمد اور دعوتِ عام

(۱) قدیم زمانے میں ذرائع آمد و رفت نہ ہونے کی وجہ سے قوموں میں باہمی میل جول اور آمد و رفت کا رواج نہ تھا۔ ان کی ضروریات اور وقتی تقاضے بھی محدود اور ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں کسی دعوت کی تبلیغ ممکن نہ تھی۔ اس لئے پہلی نبوتیں خاص زمانہ کے لئے مخصوص ہوتی تھیں اور ہر قوم کے لئے جُدا جُدا پیغمبر آتے تھے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، ساری دنیا گمراہی میں مبتلا تھی۔ توحید کی روشنی مفقود ہو چکی تھی۔ پہلے انبیاء کی تعلیم اور عملی زندگی محفوظ نہیں تھی۔ ساری دنیا آسمانی ہدایت کی محتاج تھی۔ اس لئے اب ایسے نبی کی ضرورت تھی جس کی تعلیم سے ساری دنیا مستفید ہو، اور وہ ہر زمانہ کی ضرورتوں اور تقاضوں کو اس طرح پورا کرے کہ پھر کسی جدید نبوّت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے کچھ عرصہ پہلے عربوں نے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بعض ممالک کے ساتھ اپنے تجارتی تعلّقات قائم کر لئے تھے۔ گویا اب یہ قوم کسی تحریک اور دعوت کی آواز اس وقت کی متمدّن اور مہذّب دنیا میں پہنچانے

کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ اگرچہ عرب کے لوگ افعال و اعمال کے لحاظ سے فی الحال اچھے نہ تھے مگر حق تعالیٰ نے ان کی فطرت میں غیرت و حمیت جیسے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کا جوہر ودیعت کر رکھا تھا، اور خاندانِ قریش ان اوصاف کے لحاظ سے عرب بھر میں ممتاز تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی رہنمائی کے لئے قریش کے بہترین گھرانہ بنی ہاشم کو منتخب فرمایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے مشہور شہر مکہ معظمہ میں پیدا فرما کر منصبِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

خلاصہ

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور پیغمبر کی پیروی کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب اور نجات کا ذریعہ ہے۔ پیغمبر کی نافرمانی اور مخالفت کا انجام ہلاکت و بربادی ہے۔ پہلی قوموں کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے تمام دنیا کفر و شرک میں مبتلا اور توحید کی روشنی سے محروم تھی۔

(۳) اخلاقی پستی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ شراب، جوا، بدکاری، سودخواری، دختر کشی وغیرہ برائیاں عام پائی جاتی تھیں۔

(۴) معاشرہ یہاں تک بگڑ گیا تھا کہ کسی کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔

(۵) کسی پیغمبر کی تعلیم اور وقائع زندگی قطعیت کے ساتھ محفوظ نہ تھے ساری دنیا آسمانی ہدایت کی محتاج تھی۔

(۶) پہلی نبوتیں خاص قوم اور خاص زمانہ کے لئے ہوتی تھیں۔ اس لئے ہر نبی کے بعد دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی۔

⑦ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپکی دعوت ہر کہ ومہ، شاہ وگدا، امیر وغریب، ادنیٰ واعلیٰ، کالے گورے غرضیکہ دنیا بھر کے ہر ملک اور ہر زمانہ کے لئے کافی اور شافی ہے۔

⑧ عربوں کی پیشانی پر محکومی اور غلامی کا داغ نہیں تھا۔ ان کی فطرت میں شجاعت، خودداری، غیرت وحمیت، وفاداری، مہمان نوازی، حق گوئی، آزادی اور سادگی وغیرہ انسانیت کے پسندیدہ اوصاف موجود تھے۔

قریش ان اوصاف میں عرب کے سب قبائل سے ممتاز تھے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے معزز اور مطہر گھرانے بنو ہاشم میں پیدا فرمایا۔

مکہ معظمہ

خدا کی رضا ہر چیز پر مقدم ہے حضرت ابراہیم علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مشہور پیغمبر ہیں۔ چھیاسی برس کی عمر میں آپ کے ہاں حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام پیدا ہوئے۔ جن کے چہرے پر بچپن سے ہی آثارِ رشد وہدایت نمایاں تھے۔ اس لئے آپ کو اپنے اکلوتے بیٹے سے خاص محبّت تھی۔ مگر آپ کی پہلی بیوی حضرت سارہ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کے لئے ہاجرہ کا یہ عزّ و شرف رنج وملال[ع] کا موجب ہوا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے اصرار کیا کہ ہاجرہ اور اس کے بچّے کو کسی دور دراز جنگل میں چھوڑ دیا جائے، تاکہ وہ میری نظروں سے اوجھل رہیں۔ آپ اس بارہ میں حکمِ خداوندی کا انتظار کرنے لگے۔ (اسلام۔ مؤلفہ حضرت میرٹھیؒ)۔

ع دیکھو قصص القرآن صفحہ ۲۲۶ جلد ا۔

اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ مکہ معظمہ اور ملکِ عرب کو حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی اولاد سے آباد کرے اور دنیا کی آخری قیادت اور رہنمائی آپ کی اولاد کو عطا فرمائے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو حکم ہوا کہ بی بی سارہ کی مرضی کے مطابق[1] اسمٰعیل اور اس کی والدہ کو بہت جلد کسی ویرانہ میں چھوڑ آؤ۔ چنانچہ آپ نے بیوی اور بچّے کی محبّت کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر قربان کر دیا اور تعمیلِ حکم کے لئے تیّار ہو گئے۔ بی بی ہاجرہ اور شیر خوار بچّے کو ایک دور دراز سنسان جنگل میں لا بٹھایا۔ یہی بے آب وگیاہ اور چٹیل میدان وہ جگہ ہے جو روزِ ازل سے ہدایت کا مخصوص سرچشمہ اور بیت اللہ کے نام سے نامزد ہے۔

اللہ کی بے چون وچرا اطاعت اور اس کی رضا کیلئے ہجرت | یہ جنگل ایسا تھا جہاں کوسوں پانی کا نام ونشان نہ تھا اور نہ ہی کوئی جاندار نظر آتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ان دونوں کو وہاں چھوڑا۔ اور ان کے پاس کچھ کھجوریں اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔ واپس ہونے لگے تو بیوی نے شوہر کا دامن پکڑ لیا اور پوچھا کہ ہم کو تنہا کس پر چھوڑے جا رہے ہو۔ فرمایا۔ ہاجرہ! مَیں تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اور جو کچھ کر رہا ہوں اسی کے حکم سے کر رہا ہوں۔ سبحان اللہ! اتنا سُننا تھا کہ بی بی ہاجرہ کا دل مطمئن ہو گیا اور انہیں اپنی حفاظت اور سلامتی کا کامل یقین ہو گیا اور یہ کہہ کر کہ اب اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کریں گے، اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ کے سپرد کر دیا اور اس کے حکم کے سامنے بِلا عذر گردن جُھکا دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے واپسی پر آسمان کی جانب نظر اُٹھا کر دُعا

---

[1] حضرت سارہ کو بی بی ہاجرہ کی طرف سے جو کشیدگی ہوئی وہ بشریت کے تقاضے کے سبب تھی۔ جو عام طور پر ایک عورت کو اپنی سوکن سے ہونی چاہیئے۔ اور اس میں قریب قریب بشری قوّت عاجز ہے۔ انبیاء کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ (اسلام۔ مؤلفہ حضرت میرٹھیؒ)

مانگی کہ اے اللہ میں اپنے نورِ نظر کو تیرے حکم سے تیرے محترم گھر کے قریب اس ریگستان میں جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں، تنہا چھوڑے جاتا ہوں۔ ان بیکسوں کا تو ہی والی اور حافظ ہے۔ تو اپنے فضل و کرم سے بعض لوگوں کے دل ادھر متوجہ کر دے۔ اور ہر قسم کے پھلوں سے ان کو روزی نصیب فرما۔ تاکہ یہ اطمینانِ قلب سے تیری عبادت اور شکر گذاری میں لگے رہیں۔

اللہ کے بھروسہ پر تدبیر کرنا چند دنوں کے بعد جب پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں اور بی بی ہاجرہ کی چھاتیوں سے دودھ بھی خشک ہو گیا تو پیاس کی شدت اور بھوک کی بے تابی سے بچہ پلٹیاں کھانے لگا اور اس کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ ماں سے بچے کے تڑپنے اور ایڑیاں رگڑنے کی کیفیت دیکھی نہ گئی۔ بے چین ہو گئیں، اور بے تاب ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اپنی حفاظت کا پورا پورا یقین تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کامل بھروسہ تھا، اس لئے مایوس نہیں ہوئیں بلکہ اپنے بچاؤ کی تدبیریں کرنے لگیں اور قریب کے پہاڑ کوہِ صفا پر جا چڑھیں کہ شاید کوئی راہ چلتا مسافر دکھائی دے اور بچے کی جان بچانے کے لئے اس سے کچھ پانی مل جائے مگر افسوس نہ کہیں پانی ملا اور نہ ہی کوئی آدمی نظر آیا۔ بے قرار ماں کو اتنا صبر کہاں کہ تڑپتے ہوئے بچے کو اتنی دیر اکیلا چھوڑ دے۔ اس کے دیکھنے کو نیچے اتریں، اور ایک نظر ڈالنے کے بعد جب وادی کے نشیب میں پہنچیں جہاں سے بچہ نظر نہ آتا تھا تو اس نشیب کو دوڑ کر[1] طے کرتی ہوئی پانی کی تلاش میں آگے نکل گئیں اور مروہ پر جا چڑھیں لیکن جب وہاں بھی میدان صاف پایا اور کچھ نظر نہ آیا تو پھر نیچے اتریں اور بچے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے پریشانی کے عالم میں پہلے کی طرح نشیب کو دوڑ کر طے کرتی ہوئی صفا پر جا چڑھیں۔ اسی طرح کے جوش اور بے چینی نے بی بی ہاجرہ کو سات بار

---

[1] بہشتی زیور

صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا پر چڑھایا۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہو چکی، اور ساری تدبیر اور سعی ختم ہو گئی، صرف اللہ کی ذات کا سہارا اور اُمید باقی رہ گئی تو رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑیوں کے نیچے سے پانی کا چشمہ اُبل کر بہنے لگا۔

آبِ زمزم | بی بی ہاجرہ جب ساتویں دفعہ مروہ پر چڑھیں تو انہیں بچے کے پاس سے ایک آواز سُنائی دی[1]۔ ادھر متوجہ ہوئیں اور دیکھنے کے لئے نیچے اُتریں تو اسمٰعیل علیہ السلام کے پاؤں تلے شیریں پانی کا صاف و شفاف چشمہ بہتا دیکھ کر حیران رہ گئیں اور خدا کا شکر بجا لائیں۔ سچ ہے جو خدا کا ہو گیا خدا اس کا ہو گیا۔ پھر بچے کو پانی پلایا اور خود پیا اور جلدی سے اس کے گرد مینڈ بنانا شروع کر دیا۔ یہی متبرک پانی زم زم کہلاتا ہے جو غذا کا کام دینے کے علاوہ ہر دکھ کی دعا اور ہر مرض کی شفا ہے[2]۔

بی بی ہاجرہ کا بچے کی جان بچانے کی کوشش کرنا درحقیقت بیت اللہ کی آبادی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ پاک سے دنیا کو منوّر کرنے کا ذریعہ تھا۔ شاید اسی لئے یہ ادا اللہ تعالٰی کے ہاں اتنی مقبول ہوئی کہ صفا اور مروہ کی سعی کو عبادت قرار دے کر تا قیامت ان کی اس سنّت کو زندہ اور برقرار رکھا گیا۔

مکّہ کی آبادی اور ہجرت کا ثمرہ | اب حضرت ہاجرہ کو معاش کی طرف سے گونہ بے فکری[3] ہو گئی۔ اتفاق زمانہ سے یمن میں سخت قحط پڑا۔ اس وجہ سے قبیلہ بنو جرہم

---

[1] فرشتہ نے آپ کو بشارت دی کہ بچّہ کی ہلاکت کا خوف نہ کرو، یہاں بیت اللہ ہے۔ یہ بچّہ اور اس کا والد اس کی تعمیر کریں گے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالٰی کے حکم سے حضرت اسمٰعیل کے پاؤں کے نیچے پر مارا تو وہاں پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔

[2] آبِ زمزم قبلہ رو کھڑے ہو کر پینا چاہیئے اور یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَاءٍ

[3] آبِ زم زم میں غذائیت پائی جاتی ہے۔

کے لوگ تلاشِ معاش کے لئے نکلے اور ان کا ادھر سے گذر ہوا۔ یہ یمن کے رہنے والے تھے
اور عموماً تجارت کی غرض سے اسی راستے آیا جایا کرتے تھے۔ انہوں نے فضا میں کچھ پرندے
منڈلاتے ہوئے دیکھے تو متعجب ہوئے کہ یہاں کوسوں پانی کا نام ونشان نہ تھا چنانچہ
ایک شخص اس ٹوہ میں یہاں آیا، اور جنگل میں اس نو پیدا چشمہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔
اس نے واپس آکر ہمراہیوں سے ماجرا بیان کیا۔ تو اہلِ قافلہ کو بھی اس چشمہ کے دیکھنے کی
خواہش پیدا ہوئی۔ موقعہ پر آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک خدا رسیدہ عورت بچے کو لئے
پانی کے کنارے بیٹھی ہے۔ سمجھ گئے کہ یہ عورت کوئی اللہ کی پیاری اور مقبول بندی ہے،
جس کی خاطر اس خشک اور پتھریلی زمین سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا ہے۔

ان لوگوں نے حضرت ہاجرہ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی آپ کے پاس
آباد ہو جائیں۔ وہ تنہا تھیں اور انس کا کوئی سامان خود چاہتی تھیں۔ اس لئے انہیں
اجازت دے دی۔ اور فرمایا کہ پانی پر تمہارا مالکانہ حق نہیں ہوگا۔ انہوں نے اس شرط
کو بخوشی قبول کر لیا اور حضرت ہاجرہ اور بچے کی سیادت اور قیادت کو تسلیم کرنے کا اقرار
کیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ان کی آمد پر حضرت ہاجرہ بہت خوش ہوئیں۔ اس
طرح ان لوگوں کے کئی گھر یہاں بس گئے[1]۔ اور اس ریگستان میں خیموں کا ایک شہر آباد
ہو گیا جو اب مکہ معظمہ کے نام سے عرب کا ایک مشہور شہر اور متبرک مقام ہے۔

جب حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام پندرہ[2] برس کے ہوئے تو حضرت ہاجرہ انتقال
فرما گئیں۔ اور آپ نے اپنے والد محترم کے پاس شام چلے جانے کا قصد کیا۔ لیکن بنو جرہم
نے باہم مشورہ کر کے آپ کو اس ارادہ سے روکا اور آپ کا نکاح خاندانِ عمالقہ میں عمارہ
بنت سعد کے ساتھ کر دیا۔ (سیرت الکبریٰ)۔

کچھ دنوں بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام مکہ معظمہ تشریف لائے۔ حضرت اسمٰعیل

---

[1] عرب قدیم زمانہ میں مکانات کی بجائے خیموں میں رہائش اختیار کیا کرتے تھے۔ [2] سیرت الکبریٰ۔

علیہ السلام کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ گھر میں ایک بی بی تھی۔ اس سے پوچھا کہ کس طرح گذر ہوتا ہے۔ کہنے لگی کہ مصیبت میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تمہارے خاوند آئیں تو اُن سے میرا اسلام کہنا اور یہ کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دو۔ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر آئے تو سب حال معلوم ہوا۔ آپ نے بیوی سے فرمایا کہ وہ میرے والد تھے اور چوکھٹ تو ہے۔ وہ یوں کہہ گئے ہیں کہ میں تجھ کو چھوڑ دوں۔ چنانچہ آپ نے اُن بیوی کو حضرت خلیل اللہ کی مرضی کے موافق نہ ہونے کے باعث، طلاق دے کر و علیٰ بنت مضاض سے شادی کر لی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے تو یہ بی بی گھر میں تھیں۔ انہوں نے بڑی خاطر کی۔ آپ نے ان سے بھی گذران کا حال پوچھا انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے، بہت آرام میں ہیں۔ آپ نے اُن کے لئے دعا کی، اور فرمایا کہ جب تمہارے شوہر آئیں تو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو قائم رکھیں۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو آپ کے بعد جب یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے بی بی صاحبہ سے فرمایا کہ یہ میرے باپ تھے۔ وہ یوں کہہ گئے ہیں کہ میں تجھے اپنے پاس رکھوں (بہشتی زیور)۔

فائدہ: پہلی بیوی کو ناشکری کا پھل کیا ملا کہ ایک نبی ناراض ہوئے، دوسرے نبی نے اپنے پاس سے الگ کر دیا۔ اور دوسری بیوی کو صبر و شکر کا پھل یہ ملا کہ ایک نبی نے دعا دی، دوسرے نبی کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا۔ (از بہشتی زیور)

قبیلہ جرہم کے لوگ حسب شرائط آپ کی اطاعت کرتے رہے، اور اپنے مال میں سے آپ کو سالانہ نذرانہ دیتے رہے[1]۔ اس طرح آپ اس قوم کے سردار اور رئیس بن گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی والدہ ماجدہ کو راحت و آرام کی زندگی، بے مشقت روزی اور مکہ معظمہ کی سرداری عطا فرمائی۔ (اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ)

---

[1] اسلام۔ مؤلفہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی

اسباق واشارات

(۱) اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائیدِ غیبی حاصل کرنے کے لئے اللہ کی رضا کو ہر چیز پر مقدم رکھو اور سب سے منہ موڑ کر دل وجان سے اسی کی عبادت اور اطاعت کرو۔

(۲) مؤمن کو کسی حال میں مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہمیشہ اس کی قدرت کاملہ پر پورا پورا بھروسہ اور یقین رکھنا چاہیئے۔ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (سورہ یوسف آیۃ ۸۷)

(۳) تدبیر اور کوشش سے کام لو۔ مگر اللہ تعالیٰ پر نظر رکھو۔ اپنا یقین مخلوق سے ہٹا کر خالق پر جماؤ۔

(۴) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن جھکا دیتے اور اسی پر توکّل رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح سے ان کی حفاظت فرماتے ہیں اور انہیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتے، اور بے سروسامانی کی حالت میں بھی ان کی مدد فرماتے ہیں، اور ان کو دین و دنیا کی عزّت و سربلندی عطا فرماتے ہیں۔

قُربانی

ہر نیک عمل جسے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنایا جائے، قربانی کہلاتا ہے۔ جانور کا ذبیحہ ہو یا عام صدقہ وخیرات۔ اللہ کی راہ میں جان کی بازی لگانا، مال خرچ کرنا، وطن چھوڑنا، مخلوق کی خدمت اور بھلائی کرنا، سب قربانی میں داخل ہے۔ لیکن عرف عام میں یہ لفظ جانور کے ذبیحہ کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔

جانور کی قربانی اگرچہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے چلی آرہی ہے۔ لیکن

شریعتِ محمدیہ میں ابراہیمی یادگار کی حیثیت سے قربانی کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے سورۂ صافات میں کچھ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

قربانی کا سبق آموز واقعہ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نو برس کے ہو چکے اور باپ کے ساتھ چل پھر کر اُن کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ایک خواب دیکھا کہ میں اپنے پیارے بیٹے اسمٰعیل کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہا ہوں۔ نبی کا خواب وحی اور امرِ الٰہی ہوتا ہے۔ اس لئے آپ اللہ کے اس حکم کو پورا کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ مکہ آئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو ساتھ لیا اور باہر چلے گئے۔ فرمایا۔ جانِ پدر! میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ بتاؤ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حکمِ خداوندی کے بعد خلیل اللہ کو تعمیلِ حکم کے لئے کسی مشورہ کی ضرورت نہ تھی۔ محض بیٹے کے عزم و ہمّت اور اطاعتِ خداوندی کے جذبہ کا امتحان مقصود تھا۔ جس طرح خلیل اللہ کے لئے یہ حکم انتہائی سخت امتحان تھا، اسی طرح صاحبزادہ کے لئے بھی جان کی بازی لگا دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مگر یہاں تو اللہ کے ارادے کو اپنا ارادہ اس کی رضا کو اپنی رضا بنا لیا تھا۔ اس لئے سُنتے ہی عرض کیا۔ ابا جان! اس میں مشورہ کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کو جو حکم ہوا ہے کر گذریئے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ اس کی رضا کے لئے ایک کیا، سو جان بھی ہو تو حاضر ہے ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

البتہ اتنی گذارش ہے کہ میرے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ دیں تاکہ خون کے چھینٹے آپ پر نہ پڑیں۔ اور مجھے منہ کے بل لٹائیں کہ شفقتِ پدری تعمیلِ حکم میں مانع نہ ہو۔ میری والدہ کو میرا اسلام کہیں۔ اور تسلّی کے لئے میرا خون آلود کرتہ ان کو دے دیں ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی　　سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

غرضیکہ دونوں باپ بیٹا تعمیلِ حکم کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں شیطان نے تین مقامات[1] پر اپنا داؤ چلانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر عزم ابراہیمی کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ گئی۔ آپ کے سنگریزوں نے ابلیس کے دامِ فریب کو تار تار کر دیا۔

جب دونوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں اور تعمیلِ حکم کے لئے تیار ہو گئے تو دس ذی الحجہ کو منیٰ کے مقام پر جہاں ہر سال حاجی لوگ ابراہیمی یاد تازہ کرنے کے لئے قربانی کے جانور ذبح کرتے ہیں، خلیل اللہ نے اکلوتے بیٹے کو منہ کے بل لٹا کر بسم اللہ کہہ کر اِدھر اس کے گلے پر چھری چلا دی اُدھر عالمِ قدس میں شور برپا ہوا۔ جبرائیلؑ بے اختیار پکار اُٹھے۔ اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر۔ فوراً ہی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے جوشِ مسرت سے جواب دیا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر۔ اور معاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ یہی مقدس اور پُرجوش کلمات کا مجموعہ سنّتِ ابراہیمی ہو کر اب تک عیدالاضحیٰ میں بار بار پکارا جاتا ہے اور تا یوم القیام پکارا جائے گا (اسلام عاشقی)۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر چند کوشش کی۔ مگر چھری ایسی کند اور بے کار ہو گئی کہ اسمٰعیل علیہ السلام کا بال تک نہ کاٹ سکی۔ چھری دستے کے اندر اور دستہ حلق پر رہ گیا[2]۔ جب دیکھا کہ چھری کام نہیں کرتی تو اسے گدی پر رکھ کر زور سے چلایا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو اسمٰعیل علیہ السلام کی جان لینا منظور نہ تھا۔ بلکہ اپنے بندوں کی آزمائش مقصود تھی۔ آواز آئی کہ اے ابراہیم! بس کیجئے۔ آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ اطاعت اور فرمانبرداری کا حق ادا کر دیا۔ ہم اسی طرح اپنے بندوں کو

---

[1] ان تین مقامات کو جمرہ عقبہ، جمرہ وسطیٰ اور جمرہ اولیٰ کہتے ہیں۔ اور ابراہیمی سنت کی یاد میں تینوں جمروں پر کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ [2] اشیاء کے خواص اور اثرات ذاتی نہیں، عطائی ہیں۔ ان کا اثر کرنا نہ کرنا اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔

آزما کر ان کے درجات بلند کرتے ہیں۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بحکمِ خداوندی ایک دنبہ[1] لاکر پیش کیا جو حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کا فدیہ ہو کر خلیل اللہ کے ہاتھوں ذبح ہوا۔ اور امّتِ محمدیہ میں اسی جذبۂ اطاعت اور جان نثاری کے ساتھ جانور کی قربانی کو اولاد کی قربانی کا بدل اور سنّتِ ابراہیمی قرار دیا گیا[2]۔

اسوۂ ابراہیمی اور اس کا ثمرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمہ تن اپنے آپکو اللہ کے سپرد کر دیا اور اس کی رضا کے لئے اپنا سب کچھ قربان کیا۔ ساری مخلوق سے منہ موڑا۔ اور صرف اسی ایک سے رشتہ جوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کئی باتوں میں آزمایا آگ میں ڈالے گئے تو فرشتوں کی مدد کو ٹھکرا دیا۔ اور فرمایا۔ وہ علیم و خبیر ہے، میں اس کی تجویز پر راضی ہوں۔ دین کی حفاظت کے لئے عزیز و اقارب اور وطن کو چھوڑا بیوی اور بچّے کی محبّت پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کیا، بچّے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تو فوراً تعمیل حکم کے لئے تیار ہو گئے۔ جب ہر طرح کی آزمائش میں پورے اُترے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کی امامت اور پیشوائی کا منصب عطا فرمایا۔

قربانی کی حقیقت جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ جانوروں کی قربانی، اولاد کی قربانی کا بدل ہے۔ جو ابراہیمی سنّت اور یادگار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے جانوروں کی قیمت صدقہ کرنے یا کسی نیک کام میں لگانے سے فریضۂ قربانی ادا نہیں ہوتا۔ جیسے روزہ کی جگہ نماز یا نماز کے بدلہ روزہ کافی نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے تو ایک نماز کا فریضہ اس سے ادا نہیں ہوتا۔ اسی طرح

---

[1] یہ دنبہ وہ قربانی کا دنبہ ہے جو ہابیل نے قابیل کے مقابلے میں اللہ کے نام کی نذر و نیاز بنا کر پہاڑ پر چڑھایا تھا۔ اور وہ مقبول ہو کر جنّت میں اٹھا لیا گیا تھا (اسلام۔ مؤلفہ حضرت مولانا عاشق الٰہی رح)۔

[2] جس طرح صفا و مروہ کی سعی حضرت ہاجرہ کی عملی یادگار ہے اسی طرح تینوں جمروں پر کنکریاں مارنا اور جانور کی قربانی کرنا بھی ابراہیمی عمل کی یادگار اور عبادت ہے۔

صدقہ خیرات خواہ کتنا بھی کرے، اس سے فریضۂ قربانی ادا نہیں ہوگا (تاریخ قربانی ص۱۸)
قربانی کا حکم عام ہے۔ حاجیوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ہر سال ہر ملک اور خطے میں جانور
کی قربانی کرنا صاحب استطاعت مسلمان کے فریضہ میں داخل ہے۔

قربانی کا نتیجہ اور ثمرات

(۱) قربانی اصل زندگی ہے اور کامیابی کا راز ہے۔
(۲) اس سے عمل میں جان پڑتی ہے اور ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔
(۳) قوموں کے عروج و زوال، عزت و ذلت، زندگی اور موت کا راز قربانی
میں مضمر ہے۔
(۴) تمدن اور معاشرت کی جان ہے۔
(۵) اللہ کی مخلوق سے ہمدردی اور خیرخواہی کرنا قربانی کے جذبہ پر موقوف ہے۔
(۶) بلند کرداری کا زینہ ہے۔
(۷) انسانیت کا کمال ہے۔
(۸) دنیا میں عزت و سربلندی اور آخرت میں سرخروئی کا موجب ہے۔

خانہ کعبہ

بیت اللہ خانہ کعبہ دنیا کے تمام مسلمانوں کا مقدس مقام ہے۔ عرب کے مشہور
شہر مکہ معظمہ میں واقع ہے۔ اسے بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر کہتے ہیں۔ اس سے خدا کے
رہنے کا گھر مراد نہیں۔ اس کی ذات تو جسم اور مکان سے پاک ہے۔ بلکہ اس سے مراد
وہ گھر ہے جو اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے مخصوص اور نامزد کیا گیا ہے۔ اور یہ

دنیا میں پہلا گھر ہے۔

بیت اللہ کی تعمیر جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السّلام کو زمین پر اُتارا، تو حضرت جبرائیل علیہ السّلام نے بحکمِ الٰہی کعبہ کا نشان متعیّن کیا اور فرشتوں نے اس کی بنیادوں کو بھرا۔ اور بیت المعمور کو آسمان سے اتار کر بیت اللہ کی بنیادوں پر رکھ دیا۔ اور حکم ہوا کہ آدم علیہ السّلام اور ان کی اولاد اس کے گرد طواف کریں اور اس کی طرف نماز گذاریں۔ (تفسیر عزیزی پارہ الٓمّ)۔

جب حضرت نوح علیہ السّلام کے زمانہ میں طوفان آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اٹھا لیا اور اس کی جگہ صرف ایک بلند ٹیلہ رہ گیا۔ لوگ اس جگہ کا اکرام و احترام اور تعظیم کرتے رہے۔ حتّٰی کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اس کی تعمیر کا حکم ہوا۔ آپ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی مدد سے ٹیلے کو کھود کر پہلی بنیادوں پر اس کی تعمیر شروع کی جب دیواریں ذرا اُونچی ہوگئیں تو حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے ایک بہت بڑا پتھر لا کر دیوار کے ساتھ رکھ دیا۔ جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بیت اللہ کو تعمیر کیا۔ کعبہ کی یہ تعمیر بہت سادہ تھی۔ نہ چھت تھی نہ کواڑ۔ پھر تبّع حمیری نے دروازے کے کواڑ، زنجیر اور قفل بنوائے اور قصی بن کلاب نے جب اپنے زمانہ میں نئے سرے سے تعمیر کی تو کھجور کے تختوں کی چھت ڈالی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قریش نے حطیم کا حصّہ چھوڑ کر اس کو بنایا۔ اور دروازہ کو زمین سے بہت بلند کیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے کعبہ کی تعمیر کی اور حطیم کو کعبہ میں داخل کیا۔ مگر حجاج نے اپنے زمانہ میں حطیم کی طرف کی دیواریں گرا کر قریش کی بنیادوں پر تعمیر کی اور حطیم کو باہر چھوڑ دیا۔ پھر ۱۰۴۰ھ[1] میں سلطان مراد خان ابن احمد خان ترکی نے اس کی تجدید کی، اور آج تک وہی عمارت حجاج کی بنیادوں پر قائم ہے۔ (تفسیر عزیزی)۔

مقامِ ابراہیم یہ پتھر بیت اللہ سے چند قدم کے فاصلہ پر ایک مکان میں محفوظ ہے۔

[1] حاشیہ بر صفحۂ آئندہ۔

—— جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر کعبہ کی تعمیر کی ہے۔ اس کو مقامِ ابراہیمؑ کہتے ہیں۔ طواف کے بعد اس کے قریب دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے۔

حجرِ اسود یہ عجیب رنگ کا جنتی پتھر ہے جو کعبہ کے جنوب مشرقی گوشہ میں چُنا ہوا ہے یہاں سے طواف شروع کیا جاتا ہے اور طواف کے وقت اس کا بوسہ لیا جاتا ہے۔

اعلان جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر سے فارغ ہوئے تو حکمِ الٰہی آپ نے دنیا کے تمام لوگوں کو پکارا۔ خدا جانے اس ابراہیمی آواز میں کیا قدرتی اثر تھا کہ اس وقت کے تمام لوگوں اور قیامت تک آنے والی سب روحوں نے اسے سُنا اور جن کے لئے حج کرنا مقدر ہو چکا تھا وہ اپنے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے پیٹوں میں لبیک پکار اُٹھے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی وفات اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس چلے گئے اور حضرتِ اسمٰعیل علیہ السلام کعبہ کے متولی بن کر اپنا وقت عبادتِ الٰہی میں گذارنے لگے۔ آپ قوم عمالقہ، جرہم اور اہلِ یمن کی طرف مبعوث ہوئے۔ ایک سو تیس برس کی عمر میں اپنے صاحبزادہ کو کعبہ کا متولی بنا کر اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے اور حطیم میں اپنی والدہ ماجدہ کے پاس دفن ہوئے۔

کعبہ کی تولیت سب سے پہلے کعبہ کے پاس قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی اس قبیلہ کے ایک ممتاز شخص مضاض بن عمرو کی لڑکی سے ہو گئی جس سے بارہ لڑکے پیدا ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد حسبِ وصیت آپ کے صاحبزادہ قیدار کعبہ کے متولی ہوتے۔ اور ان کے مرنے کے بعد مضاض نے اس منصب پر قبضہ کر لیا۔ بنو اسمٰعیل نے قرابت کا پاس و لحاظ کر کے مزاحمت کرنا مناسب نہ سمجھا اور کعبہ کی تولیت خاندان اسمٰعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آگئی۔ کچھ عرصہ بعد

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ؎ ساتویں آسمان پر خانہ کعبہ کے ٹھیک محاذات میں فرشتوں کا کعبہ ہے۔ اس کو بیت المعمور کہتے ہیں (از حاشیہ قرآن مجید مترجم حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ)۔

قبیلہ خزاعہ نے کعبہ پر قبضہ کر لیا اور مدت تک یہ منصب اس خاندان میں چلا آیا۔ جب قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو انہوں نے اپنا آبائی حق حاصل کر لیا۔ اس طرح کعبہ کی تولیت پھر خاندانِ بنو اسمٰعیل میں منتقل ہو گئی، اور مستقل طور پر اسی خاندان میں چلی آئی۔

فضائل

(۱) کعبہ دربارِ خداوندی کا نمونہ ہے۔

(۲) ہدایت کا مرکز ہے۔

(۳) یہاں ہر وقت اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا رہتا ہے، اور ایک سو بیس رحمتیں ہر وقت نازل ہوتی ہیں۔

(۴) دنیا کی بقا کعبہ کی بقا پر منحصر ہے۔

(۵) یہاں کی ایک نیکی کا ثواب لاکھ نیکی کے برابر ہے۔ اور ایک نماز کا ثواب لاکھ نماز کے برابر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب

آپؐ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے آباد اجداد اور امّہات آدم علیہ السلام تک سب کے سب شریف اور پاک دامن تھے۔ کفار نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ نے بحالتِ کفر ہرقل شاہِ روم کے سامنے آپ کے عالی نسب ہونے کا اقرار کیا۔

نبی اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ ہوتا ہے۔ اللہ کی ذات علیم و خبیر اور تمام عیبوں سے پاک

ہے۔ پھر اس کی پسند اور انتخاب میں کسی قسم کی بُرائی اور خامی کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لئے تمام انبیاء جملہ صفات میں مخلوق سے بالا اور حسب ونسب میں ممتاز ہوتے ہیں ان کے سلسلۂ نسب میں کسی کا دامن بدکاری کے عیب سے داغدار نہیں ہوتا۔

آپ نسب میں سب سے بہتر اور حسب میں سب سے برتر تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

(۱) مَیں شروع سے لے کر ہمیشہ انسانوں کے بہتر سے بہتر طبقہ میں گذرتا رہا ہوں۔ یہاں تک کہ جس طبقہ میں پیدا ہوا ہوں وہ سب سے بہتر طبقہ ہے (ترجمان السنہ بحوالہ بخاری)۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قبیلہ کنانہ کو انتخاب فرمایا پھر کنانہ میں سے قریش کو انتخاب فرمایا، اور قریش میں سے قبیلہ بنو ہاشم کو۔ پھر قبیلہ بنو ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا (مسلم)۔

(۳) مَیں بلحاظ نسب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطّلب ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق بنائی تو مجھ کو اپنی سب سے بہتر مخلوق میں پیدا فرمایا۔ اس کے بعد اس کے دو فرقے بنائے۔ تو جو اُن میں بہتر تھا مجھ کو اس میں پیدا فرمایا۔ اس طرح پھر اُن کے خاندان بنائے اور ان کے خاندانوں میں جو بہتر تھا مجھ کو اس میں پیدا فرمایا۔ حتیٰ کہ پھر ان میں مختلف گھرانے بنائے اور ان گھرانوں میں جو سب سے بہتر تھا مجھ کو اس میں پیدا فرمایا۔ تو مَیں تم سب میں اپنے نسب اور اپنے گھرانے کے لحاظ سے بہتر ہوں۔ (ترجمان السنہ بحوالہ ترمذی)۔

(۴) حضرت جبرائیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مَیں دنیا کے مشرق و مغرب میں پھرا مگر بنو ہاشم سے افضل کوئی خاندان نہیں دیکھا۔ (خاتم الانبیاء)۔

؎ آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

آپؐ کے والد کا نام عبداللہ، دادا کا نام عبدالمطلب، پردادا کا نام ہاشم اور ان کے والد کا نام عبدمناف[1] ہے۔ آپؐ کے آبا و اجداد کو ملک و قوم کے اندر ہمیشہ بالا تری اور قبولیت حاصل رہی۔ وہ افعال و کردار میں ممتاز اور اخلاق و عادات میں یکتائے زمانہ تھے۔ اقوالِ حضراتِ صحابہؓ سے پایا جاتا ہے کہ ان میں بہت سے حضرات تو ملّتِ ابراہیمی پر تھے مگر باقی کے سب بزرگ بھی سلیم الطبع اور بلند کردار تھے۔

آپؐ کے آبا و اجداد کے مختصر حالات[2]

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد حسبِ وصیت ان کے بیٹے قیدار بیت اللہ کے متولی ہوئے۔ ان کے مرنے کے بعد مضاض بن جرہمی نے کعبہ کی تولیت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ بنو اسمٰعیل قرابت کے پاس و لحاظ سے خاموش رہے اور کعبہ کی تولیت ان کے ہاتھ سے نکل کر قبیلہ جرہم کے ہاتھ آگئی۔ کچھ عرصہ بعد ان میں ایک ایسا ظالم حاکم پیدا ہوا جس کے ظلم و ستم سے تنگ آکر قبائلِ عرب ہر طرف سے مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کو قتل کرنے اور وہاں سے نکالنے کے درپے ہو گئے۔ قبیلہ جرہم کو مجبوراً مکّہ چھوڑ کر یمن کی طرف بھاگنا پڑا۔ اور انہوں نے جاتے ہوئے حجرِ اسود کو اُکھاڑ کر کہیں دفن کر دیا۔

---

[1] عبدمناف سے اوپر کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ بلا اختلاف صحیح ہے۔ اوپر سے کئی واسطوں سے عدنان کا سلسلہ حضرت براہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ (ماخوذ از سیرت المصطفیٰ و سیرت الکبریٰ)۔ نسبِ مادری: حضرت آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ۔ چھٹی پشت پر آپ کے دونوں سلسلے مل جاتے ہیں (سیرت المصطفیٰ)۔ [2] انتخاب از سیرت المصطفیٰ جلد اول)۔

اور کعبہ کا سب مال و اسباب چاہِ زمزم میں ڈال کر اس کو مٹی سے بھر کر بے نشان کر دیا۔ بنو جرہم کے جانے کے بعد مضر کی اولاد کو حجرِ اسود کی تلاش ہوئی۔ بنو خزاعہ کو کسی طرح اس کا علم ہو گیا تھا مگر انہوں نے اس شرط سے پتہ بتایا کہ ان کو بیت اللہ کا متولی بنایا جائے۔ بنو مضر نے اس کو منظور کر لیا۔ گویا اب کعبہ کی تولیت بنو خزاعہ کے ہاتھ آ گئی اور مدت تک وہی اس کے متولی رہے۔ مگر باقی انتظامی امور کے مالک بنو مضر تھے۔ جب قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو انہوں نے اپنا آبائی حق حاصل کر لیا۔ اس طرح کعبہ کی تولیت پھر خاندانِ اسمٰعیل میں منتقل ہو گئی، اور مستقل طور پر اسی خاندان میں چلی آئی۔

عدنان: قیدار بن اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ ملتِ ابراہیمی پر تھے۔

معد: یہ بہادر اور جنگ جو تھے۔ تمام عمر بنی اسرائیل سے جنگ اور مقابلہ میں گذری اور ہر لڑائی میں مظفر و منصور رہے۔

نزار: نزار کے معنی قلیل کے ہیں۔ یہ چونکہ اپنے زمانہ میں یکتا تھے، ان کی مثال کم ملتی تھی۔ اس لئے نزار ان کا نام ہو گیا۔

مُضَر: ان کا اصل نام عمرو تھا۔ ابو الیاس کنیت تھی۔ مضر اُن کا لقب تھا۔ نہایت خوش الحان تھے۔ چلتے وقت اونٹوں پر حُدی پڑھنا انہی کی ایجاد ہے۔ حضرت عبد اللہ بن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مضر کو بُرا مت کہو، وہ مسلمان تھے۔

الیاس: بیت اللہ کی طرف ہدی بھیجنے کی سنّت سب سے پہلے الیاس بن مضر نے جاری کی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی صلب یعنی پشت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ حج سنا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ الیاس کو بُرا مت کہو وہ مومن تھے۔

مُدرِکہ: ان کا نام عمرو تھا۔ اور مدرکہ ان کا لقب تھا۔ چونکہ انہوں نے ہر قسم کی عزّت و رفعت کو پایا اس لئے مدرکہ ان کا لقب ہوا۔

خُزَیمہ: ابنِ عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ خزیمہ کا ملّتِ ابراہیمی پہ انتقال ہوا۔

کنانہ: عرب میں بڑے جلیل القدر سمجھے جاتے تھے۔ ان کے علم و فضل کی وجہ سے دُور دراز سے لوگ مستقل ان کی زیارت کے لیے سفر کرکے آتے تھے۔

نضر: نضارت کے معنی رونق اور تازگی کے ہیں۔ حُسن و جمال کی وجہ سے لوگ ان کو نضر کہنے لگے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی نسل میں نضر بن کنانہ نامور گذرے ہیں۔ انہوں نے تمام دوسرے قبائل کو مغلوب کرکے اپنی سیادت کا سکہ جمالیا تھا اور اس بنا پر قریش کے لقب سے ملقب ہوئے۔ مگر بعض محققین کا خیال ہے کہ قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا اور انہی کی اولاد قریش ہے۔

مالک: مالک عرب کے بڑے سرداروں میں سے تھے۔

فہر: فہر نام، قریش لقب۔ انہی کی اولاد کو قریش کہتے ہیں جیسا کہ اُوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ بنو نضر میں سے فہر کے سوا کسی کا سلسلہ نہیں چلا۔ یہی وجہ ہے کہ بنو فہر ہی کو قریش کہتے ہیں۔ قریش مدبّر، دُور اندیش اور قوتِ جسمانی میں بے نظیر تھے کعبہ کی نگرانی اور خدمت کی سعادت اس خاندان کو حاصل تھی۔ جس کی وجہ سے تمام عرب پر ان کا مذہبی اقتدار اور سکّہ بیٹھا ہوا تھا۔

قریش کی وجہ تسمیہ قریش ایک بحری جانور کا نام ہے جو اپنی قوت کی وجہ سے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے۔ وہ جس جانور کو چاہتا ہے کھالیتا ہے مگر اس کو کوئی نہیں کھاسکتا۔ اسی طرح قریش بھی اپنی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے سب پر غالب رہتے، اور کسی سے مغلوب نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہوئے۔

کعبؔ : سب سے پہلے جمعہ کے دن جمع ہونے کا طریقہ کعب بن لوی نے جاری کیا۔ یہ جمعہ کے دن لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھتے۔ اوّل خدا کی حمد و ثنا بیان کرتے کہ آسمان و زمین اور چاند سورج یہ سب چیزیں خدا ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ پھر پند و نصائح کرتے، صلہ رحمی کی ترغیب دیتے، اور یہ فرماتے کہ میری اولاد میں ایک نبی ہونے والے ہیں۔ اگر تم ان کا زمانہ پاؤ تو ضرور ان کا اتباع کرو۔

مُرّہؔ : جو شخص شجاع اور بہادر ہوتا اور اپنے دشمنوں کیلئے تلخ ہوتا، عرب اس کو مُرّہ کہا کرتے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت طلحہؓ بھی انہیں کی اولاد سے ہیں۔

کلابؔ : ان کا نام حکیم یا عروہ یا مہذب تھا۔ یہ شکار کے بہت شائق تھے شکاری کتے جمع رکھتے تھے اس لئے ان کا نام ہی کلاب پڑ گیا۔

قصیؔ : نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی نے بڑا اقتدار حاصل کیا اور کئی کارنامے نمایاں سرانجام دیئے۔

(۱) کعبہ کی تولیت جو بنو اسمٰعیل کے ہاتھ سے نکل کر بنو خزاعہ کے قبضہ میں چلی گئی تھی، دوبارہ حاصل کی، اور اس وقت سے کعبہ کی تولیت مستقل طور پر خاندان قریش میں چلی آرہی ہے۔

(۲) دارالندوہ کے نام سے ایک مجلسِ مشاورت قائم کی جس میں تمام اہم اُمور کے متعلق مشورے ہوتے تھے۔

(۳) قریش کے متفرق قبائل کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس آباد کیا۔

(۴) سقایہ اور رفادہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے اور کھانا کھلانے کی خدمت جو خدامِ حرم کا سب سے بڑا منصب ہے انہی نے قائم کیا۔ بیت اللہ کی دربانی اور مسجدِ حرام کی خدمت، پانی پلانے اور کھانا کھلانے کی خدمت، دارالندوہ کا اہتمام اور علم برداری کے مناصب اور تمام مہم خدمتوں کے ذمہ دار صرف قصی تھے۔ ان کے بعد

یہ مناصب اور عہدے مختلف قبائل پر تقسیم ہوئے۔ ان کے علاوہ قریش کے اور بھی منصب تھے۔ مثلاً بیت اللہ کی حفاظت اور تعمیر و مرمت، سفارت اور لڑائی کے وقت خیموں کا انتظام کرنا۔ زمانہ جنگ میں گھوڑوں اور سواروں کا انتظام کرنا۔ قبائل کی باہمی مناقشات رفع کرنے کے لئے دیت اور تاوان ادا کرنے کا انتظام، اموالِ موقوفہ اور نذر و نیاز، محکمہ فال وغیرہ۔

عبدمناف: قصی کے بعد قریش کی ریاست عبدمناف نے حاصل کی اور انہی کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خاندان ہے۔ عبدمناف بہت حسین و جمیل تھے۔ لوگوں کو تقویٰ اور صلہ رحمی کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے تھے۔

ہاشم: عبدمناف کے بعد ہاشم ان کے جانشین ہوئے۔ ان کا دسترخوان بہت وسیع تھا۔ ان کی بخشش کا دروازہ ہر خاص و عام کے لئے کھلا تھا۔ نہایت حسین و جمیل تھے۔ انہوں نے تجارت کو بہت ترقی دی۔ تجارت کے لئے موسمِ گرما میں شام کی طرف اور موسمِ سرما میں یمن کی طرف قافلہ روانہ کرنے کا دستور سب سے پہلے انہوں نے جاری کیا۔ روم اور یمن کی حکومت سے قریش کے کاروانِ تجارت کی حمایت اور حفاظت کا فرمان حاصل کیا۔ مختلف قبائل میں دورہ کرکے اُن سے معاہدہ کیا کہ قریش کے تجارتی قافلہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے اس کے عوض ہم تمہاری ضرورت کی چیزیں بہم پہنچایا کریں گے۔ باوجود عرب میں لوٹ مار عام ہونے کے ہاشم کی اس حُسنِ تدبیر سے قریش کا تجارتی قافلہ ہر طرح محفوظ رہتا تھا۔ ہاشم کا یہ اقتدار اور جود و کرم، امیہ بن عبدشمس[1] کو بہت گراں اور شاق گذرا۔ اُس نے کوشش کی کہ اسی طرح لوگوں کی خدمت کرے مگر باوجود دولت و ثروت کے ہاشم کا مقابلہ نہ کرسکا۔ بنی ہاشم سے بنی اُمیہ کی عداوت کا سلسلہ اوّل یہیں

---

[1] ہاشم اور عبدشمس دونوں عبدمناف کے بیٹے ہیں۔

سے شروع ہوا۔

عبد المطّلب | عبد المطلب تمام قریش میں سب سے زیادہ حسین وجمیل اور سب سے زیادہ قوی اور جسیم، سب سے زیادہ بردبار اور حلیم اور سب سے زیادہ سخی اور کریم، اور سب سے زیادہ شر اور فتنہ سے دُور بھاگنے والے قریش کے مسلّم سردار تھے۔

عبد المطّلب کا جود وکرم اپنے باپ ہاشم سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ انہوں نے شراب کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا۔ جب رمضان کا مہینہ آتا تو خاص طور سے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلاتے۔ غارِ حرا میں سب سے پہلے خلوت وعزلت آپ نے ہی کی۔

چاہِ زمزم کی کھدائی | پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قبیلہ جرہم کے لوگ مکّہ سے جاتے وقت چاہِ زمزم کو بند کر کے زمین کے برابر کر گئے تھے اور وہ مدّت سے بے نشان چلا آ رہا تھا۔ جب مکّہ کی حکومت اور سرداری عبد المطلب کے قبضہ میں آئی اور مشیّتِ ایزدی کو چاہِ زمزم کا ظاہر کرنا منظور ہوا تو عبد المطلب کو رویائے صالحہ کے ذریعہ اس کے کھودنے کا حکم ہوا۔ اور اس جگہ کے نشانات اور علامات خواب میں بتلائے گئے۔ آپ نے اپنے خواب کا قریش سے ذکر کیا۔ مگر انہوں نے زمزم کی کھدائی میں آپ کا ساتھ نہ دیا۔ تو آپ نے اپنے اکلوتے بیٹے حارث کی مدد سے از سرِ نو نشان کے مطابق کھودنا شروع کیا۔ تین دن کی کھدائی کے بعد چاہِ زمزم کی مَن ظاہر ہوئی۔ آپ نے فرطِ مسرّت سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا یہی اسمٰعیل علیہ السّلام کا کنواں ہے۔

عبد المطلب کی نذر | چاہِ زمزم کی کھدائی میں آپ کے اکلوتے بیٹے حارث کے سوا کسی نے آپ کا ساتھ نہ دیا تو آپ نے قریش کی بے رُخی اور بے اعتنائی سے متاثر ہو کر یہ نذر مانی کہ اگر حق تعالیٰ مجھ کو دس بیٹے عطا فرمائے جو جوان ہو کر میرے دست و بازو بنیں تو میں ان میں سے ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔

حضرتِ عبد اللہ کی قربانی | جب اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ تمنّا اور آرزو پوری کی،

اور دس بیٹے عطا فرمائے تو ایک رات خانہ کعبہ کے سامنے سو رہے تھے کہ خواب میں دیکھا، کوئی یوں کہہ رہا ہے۔ "اے عبدالمطلب! اس نذر کو پورا کیجئے جو آپ نے اس گھر کے مالک کے لئے مانی تھی"۔

خواب سے بیدار ہوئے تو سب بیٹوں کو بُلا کر حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔ بیٹوں نے مؤدبانہ عرض کیا کہ ابا جان! ہم سب اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔ آپ جس کو چاہیں اللہ کے نام پر قربان کریں۔ آپ نے سب بیٹوں کے نام قرعہ ڈالا تو اتفاق سے سب سے زیادہ پیارے اور چابیتے بیٹے عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ عبدالمطلب سنّتِ ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے ایفائے وعدہ کے لئے آمادہ ہو گئے اور حضرت عبداللہ نے بھی اپنے جد امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی پیروی کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لئے سر تسلیم خم کر دیا۔ مگر قریش مانع آئے۔ خصوصاً حضرت عبداللہ کے ننھیالی رشتہ داروں بنی مخزوم نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ ہم ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ بہنوں نے جب سُنا تو رونا شروع کر دیا اور کہا کہ دس اونٹ ذبح کر دیجئے اور ہمارے بھائی کو چھوڑ دیجئے۔ آخر کار ایک کاہنہ کے مشورہ سے دس اونٹ اور عبداللہ کے نام قرعہ ڈالا گیا۔ مگر قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ پھر دس دس اونٹ بڑھاتے گئے حتیٰ کہ سَو اونٹوں اور حضرت عبداللہ کے نام قرعہ ڈالا تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔

عبدالمطلب نے اطمینان کے لئے دوسری پھر تیسری مرتبہ قرعہ اندازی کرائی۔ ہر مرتبہ قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے صفا اور مروہ کے درمیان سَو اونٹوں کی قربانی کر کے مساکین اور فقراء میں تقسیم کی، اور حضرت عبداللہ کو لے کر فرحاں و شاداں گھر واپس ہوئے۔

اس وقت سے ایک آدمی کی دیت بجائے دس اونٹوں کے سَو اونٹ مقرر ہوئی اور اسلام نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔ البتہ اونٹوں کے میسر نہ ہونے کی صورت میں

دس ہزار درہم مقرر ہوئے۔

عبدالمطلب کے اخلاق و اوصاف عبدالمطلب اپنی اولاد کو برائی سے روکتے اور حُسنِ اخلاق کی ترغیب دیتے۔ شراب، زنا، دختر کشی اور طوافِ برہنہ سے لوگوں کو منع کرتے۔ نذر کے پورا کرنے کی تاکید کرتے۔ محرم عورتوں سے نکاح کرنے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکتے۔ چوروں کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے۔ غرضیکہ جن باتوں کا یہ لوگوں کو حکم کرتے تھے ان میں سے اکثر کی تصدیق اور تاکید قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔ کئی مہینے غارِ حرا میں رہے۔ مہمان نوازی اور سخاوت میں اپنی مثل نہیں رکھتے تھے۔ ان کا دسترخوان بہت وسیع تھا۔ ان کی فیاضی انسانوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں تھی بلکہ چرند و پرند بھی اس سے متمتع ہوتے تھے۔ اور ماہِ رمضان میں مساکین اور فقراء کو کھانا کھلاتے تھے۔

حضرت عبداللہ کی شادی حضرت عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ اور معلوم ہوا کہ قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ ہے۔ قریش کے تمام خاندان میں ممتاز، نیک سیرت اور مقبول صورت لڑکی ہے جو اس وقت اپنے چچا وہب کی زیرِ تربیت ہے عبدالمطلب نے انہیں عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ انہوں نے بخوشی منظور کیا اور عقد ہو گیا۔

حضرت عبداللہ کی پاک دامنی حضرت عبداللہ قریش میں سب سے زیادہ حسین و جمیل نوجوان تھے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اور رئیس حضرت عبداللہ کے عقدِ نکاح میں اپنی بیٹیاں دینے کے آرزومند تھے۔ اور سینکڑوں حسین سے حسین اور مال دار عورتیں حضرت عبداللہ کی خواستگار تھیں۔ مگر توفیقِ ایزدی نے اس ابتلاء و آزمائش میں آپ کے دامنِ عصمت پر کوئی دھبہ نہیں آنے دیا۔ عبدالمطلب جب حضرت عبداللہ کو نکاح کے واسطے لئے جا رہے تھے تو راستہ میں فاطمہ بنتِ مُر ایک

یہودی عورت پر گزر ہوا۔ یہ کاہنہ تھی۔ اس نے علم کہانت سے حضرت عبداللہ کی پیشانی پر نورِ نبوّت کا ادراک کر لیا، اور چاہا کہ یہ نور میری طرف منتقل ہو جائے۔ ان کو اپنی طرف بلایا اور سو اونٹوں کی پیش کش کی۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ آدمی اپنی عزّت آبرو اور دین کی پوری حفاظت کرتا ہے، مجھے حرام طریقوں سے پرہیز ہے۔ واپسی پر اس عورت نے کہا کہ میں کوئی بدکار عورت نہیں۔ تمہارے چہرے پر نورِ نبوّت دیکھ کر چاہا تھا، کہ یہ نور میری طرف منتقل ہو جائے مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہو۔

حضرت عبداللہ کا سفرِ آخرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی والدہ ماجدہ کے پیٹ میں تھے کہ آپ کے والد بزرگوار حضرت عبداللہ بغرض تجارت قافلہ کے ہمراہ شام گئے۔ واپسی پر بیماری کی وجہ سے مدینہ منوّرہ قیام فرمایا۔ عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ وہ مدینہ پہنچے تو حضرت عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا چونکہ یہ خاندان میں سب سے زیادہ محبوب تھے اس لئے تمام خاندان کو اس حادثہ سے سخت صدمہ ہوا۔ حضرت عبداللہ نے پانچ اونٹ، کچھ بکریاں اور ایک باندی جس کی کنیت ام ایمن اور نام برکت تھا، ترکہ میں چھوڑیں۔

اصحابِ فیل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت تو انبیائے سابقین شروع سے ہی دیتے چلے آرہے تھے۔ مگر جب آپ کی تشریف آوری کا وقت قریب آیا تو بہت سے عجائبات اور حیرت انگیز واقعات کا ظہور ہونے لگا۔ انہی میں سے اصحابِ فیل کی ہلاکت و بربادی ایک عبرت ناک واقعہ ہے جو آپکی غیبی بشارات میں سے ایک بشارت ہے۔

بیت اللہ کے انہدام کی ناپاک کوشش حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے

یمن کے علاقہ میں ابرہہ نامی ایک حاکم تھا۔ اُس نے دیکھا کہ عرب کے لوگ کعبے کا ادب کرتے اور اُسے متبرک سمجھتے ہیں اور دُور دراز سے اس کی زیارت کو آتے اور نذریں چڑھاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ اس نے اپنے دارالخلافہ صنعا میں جو یمن کا مشہور شہر ہے، ایک عالی شان گرجا تعمیر کیا، اور کعبہ کی بجائے لوگوں کو اس کی تعظیم کرنے پر مجبور کیا۔ عربوں کو اس کی یہ حرکت ناگوار گذری۔ کسی نے غصّہ میں آکر اس کے گرجا کو بول و براز اور نجاست سے خراب کر دیا۔ اتفاق سے اسی رات مکّہ والوں کا ایک قافلہ شب باشی کے لئے اس گرجا کے نیچے ٹھہرا۔ اہلِ قافلہ نے آگ سلگا رکھی تھی۔ ہوا کا جھونکا جو آیا تو آگ اُڑ کر گرجا میں جا لگی، اور تھوڑی دیر میں وہ عمارت راکھ کا ڈھیر بن گئی۔

ابرہہ کی مکّہ پر چڑھائی ابرہہ سخت برہم ہوا۔ بہت سا لشکر اور ہاتھی لے کر کعبہ کو گرانے کے ارادہ سے مکّہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں عرب کے جس قبیلہ نے مزاحمت کی، اس کو تہ تیغ کرتا ہوا مکّہ کے قریب وادیِ محسّر میں آ ٹھہرا اور اپنے ایک افسر کو مکّہ کی طرف بھیجا۔ اس نے وہاں خُوب لُوٹ گھسوٹ کی اور آتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطّلب کے دو سو[۲] اونٹ بھی پکڑ لایا۔ عبدالمطّلب اس وقت مکّہ کے سردار اور کعبہ کے متولی تھے۔ وہ ابرہہ کے پاس گئے۔ ابرہہ نے آپ کے شایانِ شان آپ کا استقبال کیا اور آپ کی عظمت و ہیبت سے مرعوب ہو کر تخت سے نیچے اُتر آیا اور آپ کو اپنے ساتھ بٹھایا۔ اثنائے گفتگو میں آپ نے اپنے اونٹوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ اس نے متعجّب ہو کر کہا کہ آپ نے اپنے اونٹوں کی واپسی کو پسند کیا مگر بیت اللہ کی حفاظت کے متعلّق ذکر تک نہیں کیا حالانکہ وہ آپ کی متبرک عبادت گاہ ہے، اور مَیں اسے گرانے کے لئے آیا ہوں۔ عبدالمطّلب نے جواب دیا کہ مَیں تو اونٹوں کا مالک ہوں۔ کعبہ کا مالک خدا ہے، وہ خود اپنے گھر کو

بچائے گا۔ ابرہہ مسکرایا اور کچھ سکوت کے بعد اونٹوں کی واپسی کا حکم دے دیا۔

عبدالمطّلب کا بارگاہِ خداوندی میں گڑگڑانا

عبدالمطّلب مکّہ واپس ہوئے اور تمام اونٹوں کو اللہ کی نذر کر دیا اور اہلِ مکّہ کو کہا کہ لوگو! پہاڑ کے غاروں اور جنگل کی وادیوں میں پناہ لو اور اپنا بچاؤ کرو۔ کعبہ جس کا گھر ہے وہ خود اس کو بچائے گا۔ لوگ مکّہ سے باہر جا چھپے۔ عبدالمطّلب نے چند قریشیوں کو ہمراہ لے کر کعبہ کے دروازہ کا کنڈا جا پکڑا، اور گڑگڑا کر بارگاہِ خداوندی میں کعبہ کی حفاظت اور اپنے بچاؤ کی دعائیں مانگنا شروع کیں کہ اے میرے پروردگار اس لشکر کے مقابلہ کی مجھے کسی سے اُمید نہیں۔ بارِ الہا! تُو اپنے گھر کو بچالے۔ بندہ اپنے مکان کی حفاظت کرتا ہے تُو اپنے مکان کی حفاظت فرما۔ اس گھر کا دشمن تیری مخالفت پر آمادہ ہے تُو اسے باز رکھ اور ہماری مدد فرما۔"

دُعا سے فارغ ہو کر عبدالمطّلب بھی ہمراہیوں سمیت پہاڑ پر چڑھ گئے۔

حملہ آوروں کا عبرت ناک انجام

اگلے دن ابرہہ نے لشکر کو روانگی کا حکم دیا تو اس کا جنگی ہاتھی "محمود" گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ اِدھر اُدھر کرتے تو دوڑتا اور کعبہ کا رُخ کرتے تو بیٹھ جاتا۔ ہرچند کوشش کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اتنے میں اللہ تعالٰی نے جدّہ کی طرف سے سبز اور زرد رنگ کے حقیر اور چھوٹے چھوٹے جانوروں کو جنہیں ابابیل کہتے ہیں، بھیج دیا۔ اور ان کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں۔ جانوروں نے یہ کنکریاں برسانی شروع کیں۔ خدا کی قدرت، وہ عذاب کی کنکریاں گولی کا کام دیتی تھیں جس پر گرتیں اسے ختم کر کے رکھ دیتیں۔ بہت سے لوگ تو اس طرح ہلاک ہو گئے۔ باقی ماندہ چیچک میں مبتلا ہوئے۔ ابرہہ بھی چیچک کا شکار ہوا۔ اس کے بدن سے پیپ اور لہو بہنے لگا اور اس کے اعضاء کٹ کٹ کر گرنے لگے سینہ پھٹ گیا اور دل باہر نکل آیا۔ اس طرح اللہ کے گھر کو فنا کرنے والے ذلّت و خواری

کے ساتھ خود فنا کے گھاٹ اُتر گئے اور سارا لشکر تباہ و برباد ہوگیا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط[1]

اصحابِ فیل کی بربادی کا قصّہ قرآن مجید کی سورہ فیل میں مذکور ہے اور اس واقعہ کو عرب میں اس درجہ شہرت حاصل تھی کہ تمام واقعات اسی تاریخ سے شمار کئے جانے لگے۔ قریش باوجود قرآن پاک کا انکار کرنے کے اصحابِ فیل کے واقعہ کی تکذیب نہیں کر سکے۔

اسباق و اشارات

① اصحابِ فیل کی ہلاکت و بربادی کا عبرت ناک واقعہ آپ کی غیبی بشارات میں سے ایک بشارت اور آپ کی آمد آمد کا اعلان تھا۔

② اصحابِ فیل اہلِ کتاب اور عیسائی تھے، اور اہلِ مکّہ مشرک اور بُت پرست تھے۔ اس لئے اصحابِ فیل کو مذہبی حیثیت سے اہلِ مکّہ پر ایک طرح کی برتری حاصل تھی۔ مگر ان کی بربادی اور ہلاکت سے "قریش کی نصرت منظور نہیں تھی بلکہ بیت اللہ کی معجزانہ حفاظت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہارِ شرف اور آپ کی تشریف آوری کی بشارت مقصود تھی۔

③ قریش کی یہ غیبی نصرت اور حمایت فقط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کی بدولت تھی۔ اصحابِ فیل کی ہلاکت اور بربادی تو درحقیقت آپکا ایک ارہاص" تھا۔ اور فتح مکہ کے وقت بیت اللہ میں آپ کا فاتحانہ داخلہ آپ کا معجزہ تھا

ف: نبی کی بعثت سے پہلے اس کی سچائی اور صداقت کے لئے منجانب اللہ ایسے اُمور کا ظاہر ہونا ارہاص کہلاتا ہے۔

④ جس نے اللہ تعالیٰ کے شعائر کی بے حُرمتی کی وہ ذلیل و خوار ہوا۔

[1] الحمد للہ۔ پروردگار عالم نے ظالموں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔

⑤ اللہ تعالیٰ اپنی ادنیٰ ترین مخلوق کو مسلط کر کے بڑے سے بڑے سرکش اور جبّار کو فنا کے گھاٹ اُتار دیتا ہے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور ظالم کیفرِ کردار کو پہنچیں۔

⑥ قبولیت بارگاہِ خداوندی سے مظلوم اور مضطر کی دعا کا استقبال کرتی ہے۔

سہ بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن — اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

⑦ بعض اوقات حیوانات وقوع سے پہلے عذاب کا ادراک کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ "محمود" نامی ہاتھی کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

غیبی بشارات

خواب میں مستقبل کے واقعات کا انکشاف قرآن مجید کی الہامی زبان پکار رہی ہے کہ گیارہ بھائیوں کا اپنے والدین کی معیّت میں یوسف علیہ السّلام کے سامنے جھکنا، مصر کے شاہی باورچی کا سولی پانا، اور مصر کے سرسبز اور شاداب مُلک میں مسلسل سات سال قحط پڑنا ایسے واقعات ہیں جو ایک مدت پہلے خواب میں دیکھے گئے۔

"ایسا ہوا ہے اور ہوتا رہتا ہے، صرف نیند میں ہی نہیں بلکہ بیداری میں بھی ایسا ہوتا ہے۔"

بیداری میں مستقبل کے واقعات کا انکشاف مدینہ میں جب کہ اپنی حفاظت کے لئے خندق کھودی جا رہی تھی، پتھر کی چٹان سے پیدا ہونے والی چمک اور روشنی میں شام وایران اور یمن وغیرہ ممالک اور ان کے محلات دیکھے گئے۔ ان کی کنجیاں حاصل کی گئیں اور ان کے مفتوح ہونے کی بشارت ان الفاظ میں سُنا دی گئی کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ملک شام، ملک فارس، ملک یمن عطا فرمایا۔ حالانکہ برسوں بعد اس کا وقوع عمل میں آیا۔ یہ سب کا سب بیداری میں دیکھا اور دکھایا گیا۔ مگر ایسی باتیں سب نہیں

دیکھتے۔ اس نے دیکھا جو ایسی باتیں دیکھا کرتے ہیں۔

ملائکہ کو دیکھنا اور ان سے ہم کلامی قرآنِ حکیم کی لسانِ صدق تصدیق کر رہی ہے کہ حضرت مریم علیہا السّلام اور زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا فرشتوں کو دیکھنا اور ان سے ہم کلام ہونا ایک امرِ واقعہ ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ انبیا علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے علاوہ بعض اور مقدّس ہستیاں بھی غیبی مخلوق اور فرشتوں کو دیکھنے اور ان سے ہم کلام ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں تو پھر خواب میں آئندہ ہونے والے واقعات کا دیکھ لینا کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔

روحِ انسانی ہونے والے اکثر واقعات کو بہت پہلے کھلی آنکھوں مشاہدہ کر لیتی ہے۔ چنانچہ مصر کے قحط کو ایک بادشاہ اس کے وقوع سے پہلے دیکھ سکتا ہے اور ایک مجرم اپنے سولی پا جانے کا تماشہ بحالتِ خواب دیکھ سکتا ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے عجائبات اور غیبی بشارات کا خواب یا بیداری میں دیکھا جانا کونسی تعجّب اور اچنبھے کی بات ہے۔

بشارات آپ کی تشریف آوری کے متعلّق، جملہ واقعات کا بیان کرنا تو ممکن نہیں البتہ بعض عجائبات اور بشارات کا تاریخی حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تک جتنے نبی مبعوث ہوئے، سب کے سب اپنے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارتیں اپنی اپنی اُمّت کو دیتے رہے۔ آپ کی بعثت کے متعلّق حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دُعا اور حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام کی بشارت صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ مؤرخین نے بھی اس سلسلہ میں تمام انبیاء کی بشارتوں کو بالعموم اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام، حضرت الیسع علیہ السّلام، حضرت یحییٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی بشارتوں اور پیش گوئیوں کو بالخصوص تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۴) کتب سابقہ آپ کے ذکر سے بھری ہیں۔ تحریف کی تمام تر کوششوں کے باوجود آپ کی بشارات اور علامات کا تذکرہ ان میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ آپ کا آبائی وطن، ہجرت کا مقام، آپ کا اسمِ گرامی اور مجمل حلیہ حتیٰ کہ آپ کے خاص اصحاب اور آپ کی اُمّت کی صفات بھی اس تفصیل سے بیان میں آچکی ہیں کہ آپ کے ظہور سے قبل ایک طبقہ کو آپ کی آمد آمد کا انتظار تھا۔ یہود دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کے وسیلہ سے فتح و نصرت کی دعائیں[1] مانگتے تھے۔

رہبان و احبار آپ کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ غرضیکہ آپ کی آمد کے اثرات سے ایک عالم چشم براہ تھا۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ ہم توراۃ میں یہ لکھا ہوا دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے برگزیدہ رسول ہیں۔ زبان دراز نہیں، سخت دل نہیں، بازاروں میں شور مچانے والے نہیں، بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے بلکہ عفو و درگذر فرماتے ہیں۔ ان کی جائے پیدائش مکّہ مکرّمہ اور ہجرت کی جگہ مدینہ طیبہ اور ان کا ملک شام تک ہوگا۔ ان کی اُمّت نرمی سختی میں ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کی ثنا کرنے والی ہوگی۔ خدا کی تعریف کرے گی۔ ہر جگہ خدا کی حمد اور ہر بلندی پہ تکبیر کہے گی۔ نماز کے اوقات کے لئے آفتاب کے تغیرات کا انتظار کرے گی۔ وقت آنے پہ فوراً نماز ادا کرے گی۔ نصف پنڈلی تک تہبند باندھے گی۔ وضو کرے گی اور ان کا مؤذن فضائے آسمان میں اعلان کرے گا۔ جہاد میں اور نماز میں ان کی صفیں یکساں ہوں گی۔ رات کے وقت ان کی تلاوت کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے مشابہ ہوگی۔ غرضیکہ کتب سابقہ میں آپ کا تعارف مجاز و استعارہ کے رنگ میں

---

[1] وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا۔ (بقرہ۔ آیۃ ۸۹)۔
دیکھئے اسی آیت کا تفسیری حاشیہ از شیخ الہندؒ۔

نہ تھا بلکہ آپ کا نام، آپ کی صفات، آپ کی جائے پیدائش، آپ کا مقامِ ہجرت، آپ کی اُمّت کی امتیازی صفات اور ان کے تعارف کا بھی پورا پورا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض احبار و ملوک کے پاس آپ کی تصویر بھی موجود تھی جن کا ثبوت متعدد روایات سے ملتا ہے۔ (ترجمان السنہ ج ۴ ص۱۲۱)۔

(۳) تورات میں مذکور ہے۔ "اے موسیٰ! بنی اسرائیل سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی بھائیوں کی اولاد سے آخری زمانہ میں آپ ہی جیسا ایک نبی مبعوث کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا، وہ انہیں پہنچائے گا"۔ (بائیبل کتاب استثنا۔ باب ۱۸)۔

نوٹ: حضرت موسیٰ کے بعد جو بھی نبی آیا، وہ بنی اسرائیل سے تھا جن کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السّلام ہوئے ہیں۔ پس ان کے برادران سے آنے والا نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں۔ کیونکہ آپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں جو بنی اسرائیل کے جدّ اعلیٰ حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے بھائی ہیں۔

"وہ رب کوہِ سینا سے آیا۔ پھر ساعیر پر چمکا۔ پھر وہی فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہوگا۔ اس کے ساتھ ہزاروں پاکیزہ ہستیاں ہوں گی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں آگ کا شعلہ ہوگا۔ وہ مخلوق کی محبوب ترین ہستی ہوگی۔ تمام پاک باز و پارسا اس کے قبضہ میں ہوں گے۔ جو اس کے پیروں کے قریب ہوں گے اور اس کی تعلیمات کو قبول کریں گے"۔

یہ موسیٰ علیہ السّلام کی آخری وصیت تھی۔ کوہ سینا سے موسیٰ علیہ السّلام کے ذریعہ اور ساعیر سے (جو فلسطین کا ایک پہاڑ ہے) عیسیٰ علیہ السّلام کے ذریعہ توحید کی روشنی ہوئی۔ اب صرف کوہ فاران سے اس کا ظہور باقی ہے۔ اس سے مراد مکّہ مکرّمہ ہے۔ ہزاروں پاکباز ہستیوں سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ آگ کے شعلہ سے اسلامی شریعت مراد ہے کیونکہ اس نے مشرکوں کو جلا ڈالا (بحوالہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص۷۸)۔

④ **الیسع علیہ السلام کی پیشین گوئی** اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا - میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے - میں نے اپنی روح اس پر رکھی - وہ نہ چلائے گا، نہ اپنی صدا بلند کرے گا - نہ اپنی آواز بازاروں میں سنائے گا - وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا کہ وہ دائم رہے - وہ شریعت کو بزرگی دے گا - اور اُسے عزّت بخشے گا - بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے - پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے - وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے - وہ جنگ کے لئے بُلائے گا، اور اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا - (یسعیاہ - باب ۴۲) -

ف : آپ قیدار بن اسمٰعیل علیہ السّلام کی نسل سے ہیں - قیدار کے دیہات مکّہ معظمہ اور اس کے مضافات ہیں - سلع مدینہ کا پہاڑ ہے - آپ کی ہجرت کے وقت خواتینِ کوہِ سلع اور گھروں کی چھتوں پر آپ کے خیر مقدم کے گیت گا رہی تھیں -

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کی زبانِ مبارک سے کبھی فحش لفظ نہ نکلتا تھا - نہ آپ بازار میں چلّاتے اور نہ آواز بلند کرتے تھے - نہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے لیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے اور درگذر فرماتے تھے - (ترمذی)

⑤ **حضرت مسیح علیہ السّلام کی بشارتیں** ◉ قرآن پاک میں ہے :

یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (سورہ صف)	جبکہ عیسیٰ ابنِ مریمؑ نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے جو پہلے توراۃ (آچکی) ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام (مبارک) احمد ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کے اندر صدہا علمائے یہود اور نصاریٰ موجود تھے۔ اور اس بشارت کی ان کے مجمعوں میں برابر تلاوت ہوتی رہی مگر کسی کو اس پیشین گوئی کے انکار کا حوصلہ نہ ہوا۔

"اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میری وصیتوں کو یاد رکھو۔ میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا فارقلیط عطا فرمائے جو ابد تک تمہارا ساتھی رہے۔ (انجیل یوحنا۔ باب ۱۴۔ آیت ۱۵-۱۷)۔

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط[1] تمہارے پاس نہ آئیگا لیکن اگر میں جاؤنگا تو اسے تمہارے پاس بھیج دونگا۔ وہ تمہیں حق و صداقت کی تمام باتیں بتائیگا کیونکہ یہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا بلکہ جو کچھ اپنے خدا سے سُنے گا وہی بیان کریگا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میری عظمت بیان کریگا۔ (انجیل یوحنا۔ باب ۱۶۔ آیت ۷-۱۴)۔

الحاصل: تورات اور انجیل کی بیان کردہ تصریحات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ بحیرا راہب نے کتب مقدسہ کی معلومات کی بنا پر آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور آپ کے رسول ہونے کی اطلاع دی۔

ویدوں میں (جو صحف ابراہیم ہوں یا نہ ہوں) ایک عبداللہ و آمنہ کے بیٹے کی بشارت موجود ہے۔ گوتم بدھ نے بھی مرتے وقت اپنے چیلوں کو ایک برگزیدہ نبی کے انتظار کا حکم دیا۔ (رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۲۱۵)

(۶) ایک مکاشفہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماں کے پیٹ میں آئے تو قریش کے مویشیوں اور چارپایوں نے ایک دوسرے کو بشارت دی کہ آج کی رات دنیا کا سردار ماں کے پیٹ میں آگیا اور بیابان کے جانور ادھر سے اُدھر بھاگتے پھرتے تھے اور ایک دوسرے کو مژدہ سُناتے تھے۔

[1] فارقلیط عبرانی یا سریانی لفظ ہے۔ جس کے معنی ٹھیک محمد یا احمد کے ہیں۔

"حیوانات کی گفتگو اگر بطورِ عادت و فطرت نقل کی جائے تو بیشک قابلِ تعجّب ہے۔ لیکن اگر بطریقِ معجزہ منقول ہو، تو اس پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں"۔

آگ ابراہیمؑ کو پہچانتی ہے، اور رودِ نیل موسیٰ کلیم کو جانتی ہے، دریا کی مچھلی اپنے اندر یونسؑ نبی کی معرفت رکھتی ہے تو اے عقل کے پرستارو! پھر چارپاؤں اور جانوروں نے ابراہیمؑ کی دعا[1] اور موسیٰؑ کی آرزو[2] کو پہچانا تو آپ اس سے کیوں گھبراتے ہیں۔

تُو ندیدی گہے سلیماں را   چہ شناسی زبانِ مرغاں را

جس ذاتِ قدسی کا ظہور میدانِ حشر میں سب سے پہلے ہوگا اور جو سب سے پہلے جنّت کے دروازہ کو کھٹکھٹائے اور کھولے گا، جس کی زبان شفاعت کے لئے سب سے پہلے کُھلے گی، جس کے ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا، جس کے جھنڈے تلے تمام انبیاء اور اولادِ آدم ہوگی، اور جو اس وقت کلام کریں گے جس وقت کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی۔ خدا کے نزدیک جن کا مقام اتنا بلند ہوگا جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔ تو پھر جس کی سطوت و عظمت اور شان و شکوہ کا آنے والے غیب میں یہ حال ہو ــــــ پھر کیا ہوا اگر گذرنے والے غیب میں کسی نے اس کے مرتبے کی جھلک خواب میں یا بیداری میں دیکھی۔ طلوعِ آفتاب سے پہلے افق پر روشنی کے آثار نمایاں طور پر نظر آیا ہی کرتے ہیں۔ اس لئے آفتابِ نبوّت کے طلوع سے پہلے آپؐ کی تشریف آوری کے اعلان اور آپ کے اظہارِ شرف کی خاطر ایسے واقعات کا ظہور یقینی اور لازمی امر ہے۔ (بشارتِ عظمیٰ از مولانا محمد زکریا صاحب قدوسیؒ بحوالہ

---

[1] و [2] ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور موسیٰ علیہ السلام کی آرزو سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت دعا کی تھی رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولًا مِّنۡهُمۡ۔ اے اللہ انہی میں سے ایک رسول بھیج۔

"الصّدیق" ربیع الاوّل ۱۳۸۱ھ)۔

ظہورِ قدسی

جس کی آمد کی بشارت آدم علیہ السّلام سے لے کر عیسٰی علیہ السّلام تک تمام انبیاء علیہم السّلام دیتے چلے آئے۔ جس کی شہرت ہر دور میں رہی، جس کے ذکر سے کتبِ سماویہ لبریز ہیں، عرشِ عظیم پر جس کی عظمت و برتری کا چرچا ہے، جس کی آمد کی پیش گوئیاں ہو رہی ہیں، دشمن کے مقابلہ میں جس کے توسّل سے دعائیں مانگی جا رہی ہیں، راہب و احبار جس کی تلاش میں سرگرداں ہیں، جس کے تذکروں سے عالمِ تکوین گونج رہا ہے، جس کی آمد کا انتظار ہے۔ وقت آگیا کہ وہ ذاتِ گرامی عالمِ اجسام میں ظہور فرما کر دنیا کو اپنے نورِ ہدایت سے سرفراز فرمائے ؎

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا　　دُعائے خلیل و نویدِ مسیحا

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپؐ کے نور[1] کو پیدا فرمایا۔ اور عالمِ ارواح ہی میں آپ کو منصبِ نبوّت سے سرفراز فرمایا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

(۱) مَیں انسانوں میں بلحاظ پیدائش پہلا ہوں اور باعتبار بعثت سب انبیاء میں پچھلا۔

(۲) مَیں خدا کے نزدیک اس وقت خاتم النّبیّین مقرر ہو چکا تھا، جب کہ حضرت آدم علیہ السّلام پانی اور مٹی میں تھے۔ (ترجمان السنہ ج ۱ ص ۳۸۲)

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ بلند فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السّلام نے آپ کا اسمِ مبارک عرش پر لکھا دیکھا۔ (نشر الطیب)

---

[1] نورِ محمدی سے رُوحِ محمدی مراد ہے۔

ولادتِ باسعادت

آپ بارہ ربیع الاوّل[1] بروز دوشنبہ مطابق اپریل ۵۷۱ء مکّہ مکرّمہ میں صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ جب آپ ماں کے پیٹ میں تھے تو آپ کی والدہ کو دوسری عورتوں کی طرح کسی قسم کی تکلیف اور گرانی نہیں ہوئی اور حالتِ حمل میں وہ عجائبات نظر آئے جس سے حیرت ہوتی تھی۔ یہ چلتی تھیں تو قدموں کے نیچے سخت پتھر نرم ہو جاتے تھے۔ نورانی ابر دُھوپ کے وقت سر پر سایہ کرتے اور کنوئیں سے پانی پیتے وقت پانی خود بخود اُبل کر مُن کے کنارے آ لگتا۔ آپ کو خواب میں بشارت دی گئی کہ آپ کے پیٹ میں جو بچّہ ہے وہ نبیوں کا سردار ہے۔ اس کا نام محمّد رکھنا۔

آپ پاک وصاف، ناف بریدہ اور مختون[2] پیدا ہوئے۔ جسم اطہر پر کسی قسم کی آلائش اور گندگی نہ تھی۔ نہایت نظیف اور پاک وصاف تھے۔ یہ دیکھ کر عبدالمطلب کو بہت تعجّب ہوا۔ اور فرمایا کہ میرے بیٹے کی بڑی شان ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت کے واقعات کے لئے صحیحین کے درجہ کی روایات کا مطالبہ کرنا نہایت بے انصافی اور حقیقت کو نظر انداز کرنا ہے کیونکہ ایسے موقعہ پر اس قسم کے واقعات تو ہمیشہ عام شہرت کی بنا پر ہی منقول ہوا کرتے ہیں اور قبول بھی کئے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے پیدائشی مختون ہونے کی

---

[1] آپ کی پیدائش واقعہ فیل کے پچاس یا پچپن روز بعد حضرت آدم علیہ السلام سے چھ ہزار ایک سو تیرہ برس بعد ہوئی۔ (اسلام) - ولادت باسعادت کی تاریخ میں مشہور قول یہی ہے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاوّل کو پیدا ہوئے۔ لیکن جمہور محدثین اور مورخین کے نزدیک راجح اور مختار قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۸ ربیع الاوّل کو پیدا ہوئے (سیرت المصطفٰی)۔

[2] ختنہ کے بارہ میں ایک قول یہ ہے کہ آپ کے جدامجد عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں روز آپ کا ختنہ کرایا۔ ان دونوں قولوں میں یوں تطبیق بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختون ہی پیدا ہوئے لیکن ختنہ کی تکمیل اور تتمیم عبدالمطلب نے کی۔ (سیرت المصطفٰی)۔

شہرت اس درجہ ہے کہ آپ کی اُمّت میں جو بچہ بھی اس صفت کا پیدا ہوتا ہے اس کو رسولیہ کہا جاتا ہے۔ اور ناف بریدہ ہونا تو آپ ہی کی خصوصیت ہے کیونکہ آج تک کسی ناف بریدہ بچے کا پیدا ہونا ثابت نہیں۔ یہ آپ کے فضل و شرف اور پاکیزگی کی بیّن دلیل ہے۔ (ترجمان السنۃ ج ۴ ص۱۳۳)۔

ولادت کے برکات وعجائبات ① آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت کے وقت عثمان بن ابی العاص کی والدہ حضرت آمنہ کے پاس تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ اس وقت سارا گھر منوّر ہوگیا، اور اس کی تمام چیزیں روشن ہوگئیں ستارے جُھکے آرہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اب زمین پر آکر گریں گے۔

آپ کی والدہ ماجدہ نے ولادتِ باسعادت کے وقت ایک نُور دیکھا جس سے شہر بصریٰ اور شام کے محل روشن ہوگئے۔

قبیلہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل آپ کا حلیہ مبارک اور آپ کی سب علامات بیان کیا کرتے حتیٰ کہ جب سُرخ ستارے کا طلوع ہوا تو انہوں نے خبر دی کہ یہ اسی رسول کے ظہور کی علامت ہے۔ جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ آپ کا اسم مبارک احمد ہے، اور آپ کی ہجرت کا شہر یثرب ہے۔ (ترجمان السنہ ج ۴)۔

② آپ کی پیدائش پر جب آپ کی والدہ نے آپ کو دیکھا تو سجدہ میں پڑا ہوا پایا۔ آپ کی انگلی آسمان کی جانب اُٹھی ہوئی تھی۔ آپ کے چہرہ سے نور کی شعاعیں پھُوٹ رہی تھیں۔ آپ کے بدن سے خوشبو کی لپٹیں آرہی تھیں اور آپ کی زبان پر لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ تھا۔ (اسلام مصنّفہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ)۔

③ ایک یہودی تجارت کی غرض سے مکّہ میں رہتا تھا جس رات آپ پیدا

ہوئے۔ اُس نے قریش سے کہا کہ آج دنیا کی آخری اُمت کا نبی پیدا ہوا ہے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان علامتِ نبوّت ہے۔ قریش کو اس کے طفیل ایسی عظمت و شوکت نصیب ہوگی جس کا دنیا بھر میں چرچا ہوگا۔ (ترجمان السنہ ج ۴ صفحہ ۱۲)، و (سیرت المصطفیٰ ج-۱)۔

(۴) اسی رات ایوانِ کسریٰ میں زلزلہ آیا۔ اس کے چودہ کنگرے گر پڑے، اور بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ طاقتور اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچے لئے جا رہے ہیں، اور دجلہ کو پار کرکے تمام ملک میں پھیل گئے ہیں۔ آنکھ کھلی تو طبیعت پریشان تھی دربار منعقد کیا۔ اراکینِ سلطنت کو اس حادثہ کی اطلاع دی۔ اتنے میں خبر پہنچی کہ فارس کے آتش کدہ کی وہ آگ جو ہزار سال سے روشن تھی دفعۃً سرد پڑ گئی اور دریائے ساوہ خشک ہوگیا۔ یہ سُن کر کسریٰ کی پریشانی میں اور اضافہ ہوا۔ مذہبی پیشوا کو تعبیرِ خواب کے لئے بُلایا۔ اس نے عرض کیا کہ معلوم ہوتا ہے، عرب میں کوئی عظیم الشان حادثہ رونما ہوا ہے۔ نوشیرواں شاہِ ایران کی اس جواب سے تسلی نہ ہوئی۔ ملک عرب کے ایک مسیحی فرمانروا نعمان بن منذر کے نام فرمان جاری کیا کہ کسی مشہور عالم کو ہمارے پاس بھیج دو۔ اُس نے اپنے مذہبی پیشوا عبدالمسیح کو بھیج دیا۔ کسریٰ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی شخص بغیر پوچھے ازخود میرے سوال کا جواب دے۔ اس نے کہا۔ ایسا علم تو میرے ماموں سطیح کے سوا کسی کو نہیں۔ چنانچہ شاہی اجازت سے سطیح کے پاس پہنچا۔ سطیح نے اس کے آنے کا مقصد بیان کرکے کہا کہ اللہ کا برگزیدہ آخری نبی پیدا ہوگیا ہے۔ عنقریب فارس کا ملک اس کے قبضہ میں آئے گا اور کسریٰ کے چودہ جانشینوں کے بعد موجودہ سلطنت کا خاتمہ ہوجائے گا۔ (اسلام)۔

"لوگوں کو اس پر حیرت ہے کہ سلاطین کے تخت تو بعد میں اوندھے ہوئے پھر پہلے اس کا مشاہدہ کیونکر ہوا۔ حالانکہ عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ ایسے ہی جیسے یوسف صدیقؑ

نے اپنے ماں باپ اور بھائیوں کو مدّت پہلے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ اور جیسے کئی سال پہلے شاہِ مصر کو قحط کا مشاہدہ ہو گیا۔ دنیا نے بہت جلد دیکھ لیا کہ اس خاندان کے چودہ بادشاہوں کے تخت یکے بعد دیگرے اوندھے ہو گئے، اور ملک فارس پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔"

الحاصل وہ تمام واقعات جن کا ظہور بعض بعض نفوس کو ایامِ ولادت، زمانۂ حمل و رضاعت، طفولیت اور جوانی میں ہوا، ان کو تاریخی حیثیت سے جان لینے کے بعد اگر ایک طرف واقعہ کا علم ہوتا ہے تو دوسری طرف دل کی روشنی بڑھتی اور ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں شگفتگی اور حلاوت پیدا ہوتی ہے۔ (بشارات مصطفیٰ ۔ از مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی)۔

فوائد

① جس طرح دن نکلتا ہے اور اس سے پہلے روشنی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، اسی طرح آپ کی تشریف آوری کے وقت طرح طرح کے عجائبات اور انوار و برکات کا ظہور کوئی اچنبھے کی بات نہیں بلکہ یقینی اور لازمی امر ہے۔

② آپ کی پیدائش کی برکت سے انوارِ الٰہیہ کا زمین کی طرف متوجہ ہونا، ستاروں کا جُھک پڑنا، گھر کا منور ہونا، کفر و گمراہی کے مٹنے کی بشارت ہے۔

③ روم کے محلات کا نظر آنا، ایوانِ کسریٰ کا لرزنا، آتش کدہ فارس کا سرد پڑنا، یہ سب کفر و شرک کے مٹنے کے علاوہ روم و فارس کی سلطنتوں کے خاتمہ کی علامت اور بشارت ہے۔

④ جمعہ یا رمضان یا کسی اور متبرک دن میں اگر آپ کی پیدائش ہوتی تو شاید یہ بات کہی جاتی کہ آپ کو دن اور مہینہ سے برکت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالےٰ

نے آپ کو ایسے مہینہ اور دن میں پیدا فرمایا کہ آپ کی برکت سے اس مہینہ اور دن کو شرافت اور فضیلت حاصل ہوئی۔

اسمائے مبارکہ[1]

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے چند نام ہیں۔ میں محمّد ہوں، احمد ہوں، اور ماحی ہوں۔ وہ ماحی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو محو کرے گا۔ اور حاشر ہوں وہ حاشر جس کے بعد قیامت میں اور لوگوں کا حشر ہو گا۔ اور عاقب ہوں، عاقب اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو (متفق علیہ)۔

نام سے کسی شخصیت کا تعارف مقصود ہوتا ہے۔ خواہ اس نام کی کوئی حقیقت اور اثر اس میں نہ پایا جاتا ہو۔ جیسے مشفق ماں اپنے ایک سیاہ فام بچے کا نام کافور اور غبی سے غبی کا نام ذکی رکھ لیتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ بے حقیقت ہوتا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے اسمائے مبارکہ سے محض ان کی ذات کا تعارف ہی مقصود نہیں ہوتا بلکہ وہ ان تمام اوصاف کے ترجمان ہوتے ہیں جو دستِ قدرت نے روزِ ازل سے ان میں ودیعت رکھے ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نام کسی نہ کسی صفت کا جلوہ گاہ ہے۔ آپ کے اسمائے مبارکہ آپ کے صفاتِ پسندیدہ کا وہ آئینہ ہیں جس سے آپ کے کمالات کی تصاویر اور اخلاقِ عظیمہ کا نقشہ پورا پورا سامنے آجاتا ہے۔

---

[1] اسمائے مبارکہ کا بیان ترجمان السنہ ج۔ ۱ ص ۴۵۱ سے ماخوذ ہے۔

نوٹ: داداے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ماں نے خواب میں ایک فرشتے سے بشارت پاکر احمد رکھا۔ (رحمۃ للعالمین ج۔ ۱ ص ۴۱)۔

یوں تو آپؐ کے بہت سے اسمارِ مبارکہ ہیں، مگر محمد واحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ جس طرح آپ کی ذاتِ مبارک بے نظیر تھی، اسی طرح آپ کے یہ اسمارِ مبارکہ بھی بے مثل تھے ـــــ آپ سے پہلے کسی کے ذہن میں ان ناموں کا خیال تک نہیں گذرا۔ جب آپ کی ولادت کا زمانہ قریب آیا اور کاہنوں منجموں اور اہلِ کتاب نے نام لے لے کر آپ کی آمد آمد کی بشارتیں دیں تو بعض لوگوں نے اسی امید پر اپنی اولاد کا نام محمد اور احمد رکھنا شروع کیا جن کی تعداد چھ سے پندرہ تک بیان کی جاتی ہے مگر مشیت ربانیہ اور حکمتِ الٰہیہ نے ایسا انتظام کیا کہ ان میں سے کسی نے بھی دعوائے نبوّت نہیں کیا۔

محمّد وہ ہے جس کی اتنی تعریف کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے۔ اس حیثیت سے درحقیقت آپ کی ذات ہی اس نام کی مستحق ہے کیونکہ وہ خالق سے مخلوق تک اور انبیاء علیہم السلام سے لے کر جنّ و ملک تک، حیوانات سے لے کر جمادات تک، غرض ہر ذی رُوح اور غیر ذی رُوح سب ہی نے آپ کی تعریفیں کیں اور آج بھی کئی کروڑ انسانوں کی زبانیں دن میں نامعلوم کتنی بار آپ کی تعریف کے لئے متحرک رہتی ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ازل سے ابد تک جس مبارک ہستی کی سب سے زیادہ اور سب سے بہتر تعریف کی گئی ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہستی ہے۔

احمد وہ ہے جو اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ جس قدر خداوند تعالیٰ کی تعریف آپ نے کی ہے اتنی کسی بشر نے نہیں کی۔ اور اسی طرح اپنی اُمّت کو بھی موقعہ بموقعہ خدا کی اتنی حمد سکھائی کہ کتبِ سابقہ میں اس اُمّت کا لقب حمّادون پڑ گیا۔ یعنی خدا کی بہت تعریف کرنے والے۔

حافظ سہیلیؒ لکھتے ہیں کہ محمّد وہ ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے۔ اور احمد وہ ہے

جو سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک نام واقعہ کے مطابق ہیں۔ یعنی آپ احمد[1] بھی ہیں اور محمد بھی، لیکن پہلے آپ احمد ہیں، پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ آپ نے پہلے خدا کی تعریف کی، اس لئے آپ احمد ہوئے۔ نبوّت سے سرفرازی کے بعد مخلوق نے آپ کی تعریف کی۔ اس لئے بعد میں محمد ہوئے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ محشر میں پہلے آپ خدا کی تعریف کریں گے اس لئے آپ احمد ہوں گے پھر شفاعت کے بعد مخلوق آپ کی تعریف کریگی اسلئے بعد میں آپ محمد ہونگے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

غرض پہلے آپ احمد ہیں پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے جب آپ کے نام کی بشارت سُنائی تو اسمِ احمد ہی سے سُنائی، اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے سامنے جب اُمّتِ محمّدیہ کے کمالات کا ذکر آیا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ —

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّۃِ اَحْمَدَ (اے اللہ تُو مجھے اُمّتِ احمد میں بنادے)۔

الحاصل

(۱) حمد کو ہر پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی خصوصیت ہے اسی بنا پر سورہ الحمد خاص کر آپ کو ہی عطا ہوئی۔

(۲) آپ ہی کی اُمّت کا لقب حمّادون ہوا۔

(۳) محشر میں لوائے حمد بھی آپ کے ہی ہاتھوں میں ہوگا۔

(۴) آپ کے ہی مخصوص مقام کا نام محمود ہے۔

(۵) آپ کی شریعت میں کھانے کے بعد، پینے کے بعد، دُعا کے بعد، سفر سے واپسی کے بعد، غرض بہت سے مختلف مواقع پر خدا کی حمد سکھائی گئی ہے۔ جتنی خدا کی

---

[1] احمد اسم تفضیل بمعنی اسم فاعل ہے، سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ محمّد اسم مفعول ہے جس کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے۔

تعریف فضائے عالم میں آپ کے ذریعہ گونجی، کیا کبھی کسی اور کے ذریعہ گونجی؟ اور جتنی کثرت کے ساتھ خدا کی غیر متناہی مخلوق نے آپ کی تعریفیں کیں، اتنی کسی اور شخصیت کی کی ہیں؟

پس ہر اعتبار سے حمد کی جتنی خصوصیت آپ کی ذات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے، اتنی کسی اور کی ذات کے ساتھ نہیں ہوتی۔ اس لئے احمد و محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نام پانے کے لئے بھی آپ ہی کی ذات منتخب ہونی چاہیئے تھی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ

شیر خوارگی

یتیمی دنیا کے ہادی اور معلّم کی پرورش عام بچّوں کی پرورش کی طرح ظاہری اسباب کی محتاج نہیں تھی۔ چونکہ آپ کی پرورش آغوشِ رحمت میں ہونے والی تھی اس لئے پرورش کے ظاہری اسباب یکے بعد دیگرے ختم کر دیئے گئے۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ ذات قدسی صفات کسی دوسرے کی نگرانی میں پرورش پا رہی ہے۔ والد کا سایہ، والدہ ماجدہ کا سایہ اور دادا کا سایہ، آخر میں عم بزرگوار کا سایہ، یہ سب سائے اُٹھے۔ اور آخر میں پھر اسی ایک ذات پاک کا سایہ رہ گیا، جس نے شروع سے براہِ راست اپنی تربیت میں لے رکھا تھا۔

(۱) آپ ماں کے پیٹ میں تھے کہ آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کے والد ماجد کو تجارت کے لئے ملک شام کی طرف بھیجا۔ جو واپسی پر مدینہ منوّرہ میں بیمار ہو کر انتقال فرما گئے۔ اس طرح پیدائش سے پہلے ہی والد کا سایہ آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔

(۲) آپ کی عمر چھ سال کے قریب تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے دنیا سے رحلت

فرمائی اور آپ آغوشِ مادر سے محروم ہوگئے۔

(۳) والدہ کے انتقال کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو اپنے دامنِ شفقت میں لے لیا۔ مگر آپ نے ابھی عمر کی آٹھ بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ وہ بھی آپ کو چھوڑ کر چلتے بنے۔ اب آپ اپنے حقیقی چچا ابوطالب کے پاس رہنے لگے۔

(۴) ان حالات میں آپ صابر و شاکر اور پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہے۔

(۵) یتیمی کے باعث آپ کی ظاہری تعلیم و تربیت نہیں ہوئی۔ جس سے ہر انسان کے لئے یہ سمجھنا آسان ہوگیا کہ انواع و اقسام کے جو علوم آپ سے ظاہر ہوئے ان کا سرچشمہ وحی الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست   کتب خانہ چند ملت بشست

"رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے یتیم ہیں کہ باوجود اُمّی ہونے کے انہوں نے بہت سے مذاہب کو منسوخ کر دیا۔"

آپ کی انّا (۱) ثُوَیبہ: سب سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ نے چند روز آپ کو دودھ پلایا۔ پھر کچھ دن تک آپ کے چچا ابولہب کی کنیز ثُوَیبہ آپ کو دودھ پلاتی رہی جس کو آپ کی پیدائش کی خوشی میں آپ کے چچا ابولہب نے آزاد کر دیا تھا۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ثُوَیبہ کا بہت اکرام فرماتے تھے۔ ہجرت کے بعد بھی مدینہ منورہ سے آپ ثُوَیبہ کے لئے کبھی کبھی ہدیہ بھیجتے۔ جب مکّہ مکرّمہ فتح ہوا تو آپ نے ثُوَیبہ اور ان کے بیٹے کے متعلق دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔

حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابولہب کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا۔ اور حال پوچھا تو اُس نے کہا کہ عذابِ شدید میں مبتلا ہوں مگر دوشنبہ کو ثُوَیبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے سرِ انگشت کی مقدار پانی پلایا جاتا ہے۔ اس سے ایک گونہ عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے (سیرت المصطفیٰ ج۔ا ص۵۵)۔

(۲) حلیمہ سعدیہ: ثویبہ کے بعد آپ کو دودھ پلانے کی سعادت حلیمہ سعدیہ کو نصیب ہوئی۔ عرب میں دستور تھا کہ شریف لوگ اپنے شیر خوار بچوں کو دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ دیہات کی کھلی فضا اور خوش گوار آب و ہوا میں بچوں کی صحت اچھی رہے اور خالص عربی زبان سیکھ جائیں۔ خدا کو منظور تھا کہ اس کا پیارا رسول فصاحت میں بھی بے نظیر ہو۔ اس لئے قبیلہ بنو سعد میں جن کی خوش بیانی عرب میں مسلّم تھی، آپ کی تربیت و نشو و نما کا انتظام کر دیا۔

اسی دستور کے مطابق گاؤں کی عورتیں شیر خوار بچّے لینے کے لئے مکّہ جایا کرتی تھیں۔ حلیمہ بھی بنی سعد کی عورتوں کے ساتھ اس غرض کے لئے مکّہ آئیں۔ اس وقت ان کی گود میں ایک بچّہ تھا مگر فقر و فاقہ کی وجہ سے اتنا دودھ نہ تھا کہ وہ سیر ہو سکے۔ رات بھر روتا اور بلبلاتا۔ ان کے پاس ایک اُونٹنی تھی مگر اس سے بھی ایک قطرہ دودھ نہ نکلتا۔ ایک لاغر اور دُبلی سواری تھی جو دوسری سواریوں کے ساتھ نہ چل سکتی تھی۔ ہمراہی بھی اس سے تنگ آرہے تھے۔ خدا خدا کر کے سفر ختم ہوا، اور مکّہ پہنچے۔ یتیم ہونے کی وجہ سے کسی عورت نے آپ کو قبول نہ کیا۔ صرف حلیمہ باقی رہ گئیں، جن کو دودھ کی کمی کی وجہ سے کوئی بچّہ نہ ملا۔ حلیمہ نے اپنے شوہر سے مشورہ کیا کہ خالی ہاتھ جانا تو اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ اس یتیم بچّے کو لے چلیں۔ شوہر نے کہا کہ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے لئے خیر و برکت[۱] کا سبب بنائے۔ اسی برکت کی اُمّید پر حلیمہ آپ کو لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ مچ ان پر برکتوں کا دروازہ کھول دیا۔

آپ جب حلیمہ کی آغوش میں آئے تو ان کی چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں اور اتنا

---

[۱] برکت اس خیر اور بھلائی کا نام ہے جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو، اور اس میں اسبابِ ظاہرہ کو دخل نہ ہو۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۱۔ ص ۵۷)۔

دودھ تھا کہ آپ نے اور آپ کے رضاعی بھائی نے سیر ہو کر پیا اور آرام سے سو گئے۔ ادھر اونٹنی کو دیکھا تو اس کے تھن بھی دودھ سے بھرے ہوئے تھے۔ حلیمہ اور اس کے شوہر نے خوب سیر ہو کر پیا، اور اس رات اطمینان کی نیند سوئے۔ صبح ہوئی تو شوہر نے حلیمہ سے کہا کہ تم تو بڑا مبارک بچّہ لائی ہو۔

قافلہ مکّہ سے روانہ ہوا۔ حلیمہ بھی آپ کو لے کر سوار ہوئیں، اور اس کی وہی دُبلی پتلی سواری جس کو چابک مار مار کر ہنکایا جاتا تھا، اب اتنی تیز رفتار ہے، کہ کوئی سواری اس کی گرد کو نہیں پہنچتی۔ ہمراہی عورتیں بھی حیران ہیں کہ اس کو کیا ہو گیا۔ آج تو اس کی شان ہی اور ہے۔ کیوں نہ ہو، اس وقت وہ نبی کی سواری بنی ہوئی جا رہی ہے۔ دوسری سواریاں اس کی برابری کیسے کر سکتی ہیں۔ غرض حلیمہ تمام عورتوں سے پہلے گھر پہنچ گئیں۔ حضور گھر میں داخل ہوئے تو یہاں بھی خیر و برکت کا ظہور ہوا۔ ان دنوں قبیلہ بنو سعد میں قحط کی وجہ سے لوگوں کے جانوروں سے ایک قطرہ دودھ دستیاب نہ ہوتا۔ مگر حلیمہ کی بکریاں چراگاہ سے شام کے وقت دودھ سے بھری ہوئی آتیں۔

جب دو سال پورے ہو گئے تو آپ کا دودھ چھڑایا گیا، اور حلیمہ آپ کو لے کر مکّہ آئیں۔ مگر آپ کی خیر و برکات کی وجہ سے آپ کو چھوڑنے کو جی نہ چاہتا تھا اس لئے آپ کی والدہ ماجدہ سے درخواست کی کہ آپ اپنے نورِ نظر کو چند روز میرے ہی پاس چھوڑ دیں۔ ان دنوں مکّہ میں وبا تھی۔ آپ کی والدہ نے حلیمہ کے اصرار اور وبا کے اندیشہ سے ان کی درخواست منظور فرما کر اجازت دے دی کہ کچھ عرصہ اپنے پاس رکھ لو۔ حلیمہ آپ کو لے کر گھر آ گئیں۔ کچھ مدّت بعد آپ حلیمہ سے اجازت لے کر اپنے رضاعی بھائیوں کے ہمراہ بکریاں چرانے جنگل جانے لگے۔

ایّامِ شیر خوارگی کی بعض خصوصیّات (۱) آپ نے کبھی بستر یا کپڑے پر بول و براز

نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ وقت مقررہ پر قضائے حاجت فرماتے۔

(۲) آپ کا نشو و نما دوسرے بچوں کی طرح نہ تھا۔ بلکہ جو بالیدگی بالعموم دوسرے بچوں کو ایک ماہ میں میسر آتی، وہ آپ کو ایک دن ہی میں حاصل ہو جاتی نشو و نما کی یہ فضیلت قرآن پاک کے اس بیان سے بہت ملتی جلتی ہے جو حضرت مریم علیہم السلام کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ وَاَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ط (ترجمان السنہ ج ۴)۔

(۳) جس وقت آپ نے بولنا شروع کیا تو کوئی چیز بسم اللہ کے بغیر ہاتھ میں نہ لی۔

(۴) آپ پاؤں چلنے لگے تو کبھی بچوں کے ساتھ کھیل میں مشغول نہیں ہوئے لڑکوں کو کھیلتے دیکھتے مگر خود علیحدہ رہتے۔

(۵) آپ نے کبھی بائیں پستان کا دودھ نہیں پیا۔ کیونکہ پہلے دن سے آپ کو دائیں پستان کا دودھ لگایا گیا تھا، اور دائیں جانب حلیمہ کے بچے کے لئے تھی۔

سُبْحَانَ اللّٰه ! اللہ کے پیارے رسولؐ نے تقریباً ایک ماہ کی عمر میں عدل و انصاف اور مساوات، ادائے حقوق اور پابندئ حدود کا عملی نمونہ پیش کر کے ثابت کر دیا کہ نبی پنگھوڑے میں بھی عادل ہوتا ہے۔ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔

(۶) آپ کا گہوارہ فرشتوں کی جنبش دینے سے ہلا کرتا تھا۔ (نشر الطیب)

(۷) آپ کا ستر کبھی برہنہ[1] نہ ہوتا۔ اگر کپڑا اتفاقاً اُٹھ جاتا تو فرشتے فوراً ستر چھپا دیتے۔ (نشر الطیب)

(۸) جب آپ کا دودھ چھڑایا گیا تو اس وقت آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً

---

[1] حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ اگر کبھی آپ کا ستر کھل جاتا تو آپ فریاد و زاری کرتے اور مضطرب رہتے، جب تک میں آپ کو ڈھک نہ دیتی۔ لہٰذا اگر تنہائی میں حق تعالیٰ شانہٗ نے ملائکہ کے ذریعہ برہنگی سے محفوظ رکھا ہو تو اس میں کوئی تعجب نہیں۔

وَّ اَصِیْلًا ط (نشر الطیب)

اسباق و اشارات

① آپ کی شیر خوارگی کی زندگی بھی بچوں کی ماؤں کے لئے نمونہ کی زندگی ہے۔ ان کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اپنے بچوں کو پاک صاف رکھیں۔

② ان کی صحت کا پورا خیال رکھیں، اور اچھی آب و ہوا میں ان کی پرورش کا انتظام کریں۔

③ بول و براز وقت مقررہ پر کرائیں۔ مقررہ اوقات پر کھانے کی عادت ڈالیں تاکہ ان میں باقاعدگی اور وقت کی پابندی جیسی پسندیدہ عادات پیدا ہوں۔

کوشش کریں کہ بچے کے بولنے کی ابتداء اللہ کے اسمِ پاک سے ہو۔

بچوں کو ہر کام بسم اللہ سے شروع کرنے کی عادت ڈالیں۔

عام بچوں کے ہمراہ فضول کھیل کود میں مشغول نہ ہونے دیں۔

بچوں کو تعلیم دیں کہ وہ کسی کی حق تلفی نہ کریں، اور دوسروں کی چیزوں کا لالچ اور حرص نہ کریں۔

شقِ صدر

ہر شخص کے دل میں خونِ سیاہ کا ایک نقطہ پیدا کیا گیا ہے جس کے ذریعہ شیطان آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالتا اور گناہ کی ترغیب دیتا ہے۔ مگر قدرت کو یہ منظور ہے کہ نبیوں کے سردار کا قالب بھی تمام دوسرے انسانوں سے علیحدہ اور ممتاز رہے۔ اس لئے سب سے مقدس فرشتے کے ذریعہ اس فاسد مادہ سے آپ کے آئینہ قلب کو

پاک کر کے اسے صفا اور مجلّا کر دیا۔

چار سال کی عمر میں آپ ایک روز اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے اور آپ کو پکڑ کر زمین پر چت لٹایا۔ سینہ چاک کیا اور قلبِ مبارک چیر کر اس میں سے خونِ بستہ کا ایک ٹکڑا نکال دیا، جو بنی آدم میں پشت در پشت چلا آتا ہے، اور درحقیقت گناہ کی وہی اصل اور بنیاد ہے۔ اور یہ کہا کہ آپ میں یہ تھا شیطان کا حصّہ[1] جس کو میں نے نکال کر پھینک دیا ہے۔ اور پھر آپ کے قلبِ مبارک کو ایک سونے کے طشت میں رکھ کر آبِ زمزم سے دھویا۔ پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ کر سی دیا اور دونوں شانوں کے درمیان ایک مُہر لگا دی۔

عبداللہ دوڑتا ہوا آیا۔ اور خبر دی کہ ہمارے قریشی بھائی کا دو سفید کپڑوں والوں[2] نے سینہ چاک کر دیا۔ حلیمہ اور اس کا شوہر گھبرا کر جنگل کو بھاگے، اور دیکھا کہ آپ ایک جگہ کھڑے ہیں اور آپ کے چہرہ کا رنگ فق ہے۔ حلیمہ نے آپ کو سینہ سے لگایا اور پوچھا کہ بیٹا کیا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ دو شخص سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے اور مجھ کو لٹایا اور پیٹ چاک کر کے اس میں کچھ ڈھونڈ کر نکالا۔ معلوم نہیں کیا تھا۔ حلیمہ اور اس کا شوہر آپ کو گھر لے آئے۔ اور شوہر نے کہا کہ حلیمہ اس لڑکے کو آسیب کا اثر ہوا ہے۔ قبل اس کے کہ اس کا زیادہ اثر ہو، اس کو مکّہ پہنچا دو۔

حلیمہ آپؐ کو لے کر مکّہ آئیں۔ آپؐ کی والدہ نے پوچھا۔ تُو تو اس کو رکھنا چاہتی تھی، پھر کیوں لے آئی۔ حلیمہ نے کہا۔ اب آپ خدا کے فضل سے ہوشیار ہو گئے، اور میں اپنی خدمت کر چکی۔ خدا جانے کیا اتّفاق ہوتا، اس لئے لائی ہوں۔ انہوں نے فرمایا۔ یہ بات نہیں، سچ بتلا؟ حلیمہ نے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ کی والدہ نے کہا۔

---

[1] ترجمان السنہ ج۔۳ صؔ ۳۶۸۔ [2] حضرت جبرائیل اور میکائیل (سیرت المصطفیٰ۔ ج۔۳ صؔ ۳۶۸)۔

کیا تجھ کو ان پر شیطان کے اثر کا اندیشہ ہوا۔ حلیمہ نے کہا۔ ہاں۔ فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ واللہ شیطان کا ان پر کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ میرے بیٹے کی بہت بڑی شان ہے۔ ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔

آپ کے دادا عبد المطلب نے حلیمہ سعدیہ کو خدمت گذاری کے صلہ میں ایک ہزار اونٹ اور پچاس رطل سونا بطور انعام[1] عطا فرمایا۔ اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ اب آپ اپنی والدہ محترمہ کے پاس اُمِ ایمن کی پرداخت میں رہے جو آپ کے والد کی لونڈی تھیں۔ ان کا نام برکت اور کنیت اُمِ ایمن تھی یہ آپؐ کے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حبالۂ نکاح میں آئی تھیں اور ان سے حضرت اسامہؓ تولد ہوئے۔

شقِ صدر کے اسرار شقِ صدر کا واقعہ آپ کو چار دفعہ پیش آیا۔

(۱) زمانۂ طفولیت میں جب کہ آپ کی عمر چار سال کی تھی، اللہ کے سب سے مقدّس فرشتے نے عملِ جراحی کے ذریعہ آپ کے قلبِ مبارک کو معصیت کے مادے سے پاک کر دیا، تاکہ استعدادِ ملکوتیہ نکھری رہے۔

(۲) دس سال کی عمر میں تاکہ قلبِ مبارک لہو ولعب سے پاک ہو جائے۔

(۳) بعثت کیوقت تاکہ قلبِ مبارک وحی کے اسرار اور عُلومِ الہٰیہ کا تحمّل کر سکے۔

(۴) معراج کے وقت تاکہ قلبِ مبارک عالمِ بالا کی سیر اور تجلّیاتِ ربانیہ کے مشاہدہ اور کلام کا تحمّل کر سکے۔ (سیرت المصطفیٰ۔ ج ۱ ص۶۵)

شقِ صدر کی حقیقت شقِ صدر سے حقیقۃً سینہ کا چاک کرنا اور قلبِ مبارک کا نکالنا وغیرہ ہی مراد ہے، جیسا کہ روایات میں ذکر کیا گیا ہے۔ شقِ صدر سے شرحِ صدر کے معنی مراد لینا (جو ایک خاص قسم کا علم ہے) صریح غلطی ہے شقِ صدر حضور صلی اللہ

---

[1] اسلام ص۳۰

علیہ وسلّم کے خاص الخاص معجزات میں سے ہے۔ اور شرح صدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ سے لے کر اب تک بھی علماء صالحین کو شرح صدر ہوتا رہا ہے۔ شقِ صدر کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ صحابۂ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک پر سیون یعنی سلائی کا نشان اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے (اقتباس از سیرت المصطفیٰ ج۔ا ص۶۴)۔

فائدہ: جس طرح سب سے مقدّس فرشتے نے عملِ جراحی کے ذریعہ آپ کے قلبِ مبارک کی تطہیر فرمائی، اسی طرح اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر ذکر اور مجاہدہ کے ذریعہ قلب کا تزکیہ کرنا اور خواہشاتِ نفسانی کو دبانا روحانی علاج کیلئے از بس ضروری ہے۔

مُہرِ نبوّت

شقِ صدر کے بعد آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مُہر لگائی گئی تاکہ علم و حکمت کا وہ نُور جو آپ کے سینۂ مبارک میں بھر دیا گیا ہے، محفوظ رہے اور ضائع نہ ہونے پائے۔ جس طرح شقِ صدر سے آپ کا قلبِ مبارک شیطانی اثر سے پاک کر دیا گیا، اسی طرح دونوں شانوں کے درمیان قلب کے مقابل بائیں جانب ایک مہر لگا دی گئی تاکہ قلب مبارک شیطانی وسوسوں سے بھی محفوظ رہے کیونکہ شیطان اسی جگہ سے وسوسہ ڈالتا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے حق جلّ شانُہٗ سے درخواست کی کہ ربّ العٰلمین مجھ کو شیطان کے وسوسہ کا راستہ دکھلا کہ وہ کس راہ سے آکر آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ تو من جانب اللہ دونوں شانوں کے درمیانی جگہ جو قلب کے مقابل بائیں جانب ہے دکھلائی گئی کہ شیطان اس راہ سے

آتا ہے اور جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح قلب مبارک کا اندرونی حصہ شقِ صدر کے ذریعہ مادّہ شیطان سے پاک کر دیا گیا، اسی طرح پُشت کی جانب مُہر لگا کر باہر سے بھی شیطان کی آمد کا راستہ بند کر دیا گیا۔ (سیرت المصطفیٰ ج۔۱ ص۶۳)۔

نبی کی اطاعت باعثِ نجات اور اس کی نافرمانی ہلاکت کا موجب ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کی ذات میں معجزہ سے بڑھ کر ایک ایسی کھلی اور صاف علامت رکھ دی جس سے ہر شخص آسانی سے سچے اور جھوٹے نبی کو پہچان سکے۔ اس امتیازی نشان کو مُہرِ نبوّت[1] کہتے ہیں۔ علمائے یہود و نصاریٰ اسی علامت سے آپ کو جانتے پہچانتے تھے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی صداقت کے دوسرے نشان دیکھنے کے باوجود مہرِ نبوّت کو بوسہ دیا اور آپ کی رسالت کی شہادت دی (سیرت الکبریٰ ج۔۱ ص۲۲۵)۔

بعض کہتے ہیں مہرِ نبوّت ابتدائے ولادت سے تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شقِ صدر کے بعد لگائی گئی۔ پہلا قول زیادہ صحیح اور راجح ہے۔ جیسا کہ بعض روایات سے صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش ہی مہرِ نبوّت سے ہوئی۔ اور عجب نہیں کہ جن روایات میں شقِ صدر کے بعد مُہرِ نبوّت کا لگانا مذکور ہے وہ سابق مُہرِ نبوّت کی تجدید اور اعادہ ہو۔ (سیرت المصطفیٰ ج۔۱ ص۶۹)۔

آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات

آپ کی عُمر کا چھٹا سال تھا کہ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ہمراہ لے کر اپنے قبیلہ

---

[1] مہرِ نبوّت علاماتِ نبوّت میں سے ایک علامت ہے۔ تمام انبیاءؑ اس کے حامل تھے۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ انبیاءؑ میں ایک ایسی علامت موجود رہے جس سے (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

بنی نجار میں ملنے کے لئے مدینہ گئیں - اُمِ ایمن بھی ہمراہ تھیں - ایک ماہ کے قیام کے بعد گھر واپس آ رہی تھیں کہ راستہ میں بیمار ہو کر مکّہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابوا میں انتقال فرما گئیں - وہاں سے اُمِ ایمن آپ کو مکّہ لے آئیں - اور اب آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کی پرورش اپنے ذمہ لے لی - اس طرح آپ کو والدین کے کنارِ عاطفت میں جو بچپن کیلئے ایک بڑی نعمت ہے، تربیت پانے کا اتّفاق نہ ہوا آپ کی یتیمی کی زندگی بھی صبر و استقلال اور حلم و بردباری کی مثالی زندگی ہے -

عبد المطلب کی کفالت

عبد المطلب آپ کو ہمیشہ ساتھ رکھتے اور تمام اولاد سے زیادہ عزیز جانتے جب تک آپ تشریف نہ لاتے دستر خوان نہ بچھایا جاتا - آپ خلوت اور جلوت کے تمام اوقات میں ان کے پاس پہنچ جاتے اور بے تامّل ان کی مسند پر جا بیٹھتے - عبد المطلب کے لئے کعبہ کے سائے میں فرش بچھایا جاتا تھا، کسی کی مجال نہ تھی کہ اس پر قدم رکھ سکے، حتیٰ کہ ان کی اولاد بھی اس فرش کے ارد گرد کنارے بیٹھتی مگر آپ آتے تو بے تکلف مسند پر بیٹھ جاتے - آپ کے چچا آپ کو مسند سے ہٹانا چاہتے، مگر عبد المطلب کمال شفقت سے فرماتے کہ میرے اس بیٹے کو کچھ نہ کہو - واللہ! اس کی شان بہت بڑی ہے - پھر آپ کو اپنے قریب بٹھاتے، آپ کو دیکھتے اور خوش ہوتے - (سیرت المصطفیٰ - ج ۱ صٓ بحوالہ ابنِ ہشام) -

آپ جس کام کے لئے جاتے اس میں کامیاب ہوتے - ایک دفعہ عبد المطلب نے آپ کو گم شدہ اونٹ کی تلاش میں بھیجا - جب آپ کو دیر ہو گئی تو بے چین ہو گئے - کچھ دیر کے بعد آپ اونٹ لے کر واپس آئے تو عبد المطلب نے آپ کو گلے

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) نبی اور غیر نبی کے درمیان تمیز ہو سکے (سیرت الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲۵) -

لگایا، اور کہا کہ بیٹا میں تمہاری وجہ سے بے حد پریشان تھا۔ اب کبھی تم کو اپنے سے جُدا نہ ہونے دوں گا۔ (سیرت المصطفیٰ)۔

ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا تو عبدالمطلب نے آپ کے توسل سے بارش کی دُعا کی۔ اتنی بارش ہوئی کہ پہلے سالوں کی کمی بھی پوری ہو گئی۔ ایک دفعہ آپ کی آنکھیں کچھ جوش کر آئیں۔ عبدالمطلب آپ کو ایک راہب کے پاس لائے جو اپنے گرجا میں دروازہ بند کر کے بیٹھا تھا۔ عبدالمطلب نے دستک دے کر اس کو پکارا لیکن راہب نے جواب تک نہ دیا۔ چند منٹ ہی گذرے تھے کہ کلیسہ کو سخت زلزلہ آیا، اور راہب گھبرا کر بدحواسی کے عالم میں جھٹ دروازہ کھول کر باہر آ کھڑا ہوا۔ عبدالمطلب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے کیا اور آنکھوں کا علاج چاہا۔ راہب سمجھ چکا تھا کہ کلیسا کا لرز اُٹھنا میرے ایک ذی رُتبہ حاجت مند شخص کے بُلانے پر بھی باہر نہ آنے کی وجہ سے تھا۔ اسی وقت راہب نے غسل کیا اور اندر سے ایک پاک صحیفہ نکالا۔ اس کو پڑھنا شروع کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدیم پیشین گوئیاں آپ کے چہرہ مُہرہ سے مطابق کرنے کے بعد عبدالمطلب سے کہنے لگا کہ اے عبدالمطلب یہ لڑکا پیغمبر آخر الزماں ہونے والا ہے۔ اگر میں گرجا سے ذرا دیر اور نہ نکلتا تو یقیناً یہ مجھ پر گر جاتا۔ میں اللہ کے رسول کا کیا علاج کر سکتا ہوں۔ جاؤ انہیں کا لعاب دہن آنکھوں کو لگا دو اور ہمیشہ اس ہونہار کی خبر گیری باعثِ عزت سمجھو۔ عبدالمطلب آئے اور آپ کا لعاب دہن ہی آپ کی دُکھتی آنکھوں کو لگایا۔ معاً شفا ہو گئی (اسلام مصنفہ حضرت میر محمدؐ)۔

آپؐ کو اپنے دادا کے پاس پرورش پاتے ابھی دو ہی سال گذرے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ مرتے وقت عبدالمطلب نے آپ کو ابوطالب کے سپرد کیا اور وصیت کی کہ:

"اے ابوطالب یہ دُرِ یتیم نہیں جانتا کہ باپ کی آغوش کا کیا لُطف اور ماں کی گود اور تربیت کا کیا مزہ ہوتا ہے۔ کمال محبت اور شفقت سے اس کی حفاظت

اور پرورش کرنا۔"

یہ کہہ کر عبدالمطلب نے آہِ سرد بھری اور اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کی۔ جب عبدالمطلب کا جنازہ اُٹھا تو آپؐ پیچھے پیچھے فرطِ محبت سے روتے ہوئے جارہے تھے۔

ابوطالب کی کفالت

عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کی ظاہری تربیت و پرورش کی سعادت آپ کے بے حد شفیق چچا ابوطالب کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے زندگی بھر آپ کی حمایت و نصرت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ابوطالب آپ کو تمام اولاد سے زیادہ چاہتے تھے۔ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے اور اپنے پاس سلاتے۔

ابوطالب کے گھر والے جب حضورؐ کے ساتھ کھانا کھاتے تو سب سیر ہو جاتے اور کھانا بچ جاتا۔ اکیلے کھاتے تو کسی کا پیٹ نہ بھرتا۔ ابوطالب کثیر العیال اور تنگ دست تھے۔ جب آپ کی خیر و برکت شب و روز دیکھنے میں آئی تو ابوطالب نے یہ انتظام کر دیا کہ جب تک آپ تشریف نہ لائیں، کوئی کھانا نہ کھائے۔ آپ آتے تو سب مل کر کھاتے۔

اس طرح اگرچہ آپ بظاہر ابوطالب کی کفالت میں تھے مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذاتِ گرامی کو ابوطالب کے گھر والوں کی روزی کا کفیل بنا دیا۔ اور جب آپ ذرا بڑے ہوئے تو گلہ بانی اور تجارت کر کے ابوطالب کے کنبہ کی پرورش کی خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر حضرت علیؓ کو اپنی تربیت اور پرورش میں لے کر اور حضرت جعفر کو حضرت عبّاس کے سپرد کر کے ابوطالب کے خانگی بار کو ہلکا کیا۔ بس کسی کو کیا خبر کہ کون کس کا کفیل تھا۔

ایک دفعہ مکّہ میں قحط سالی تھی۔ لوگوں نے ابوطالب سے بارش کے لئے دعا کی درخواست کی، تو انہوں نے آپ کو ساتھ لیا اور کعبہ کی دیواروں کے ساتھ کھڑا کر کے کہا، کہ بارش

کے لئے دعا کرو۔ آپ نے اُنگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ ہر طرف سے بادل امنڈ آئے، بارش ہونے لگی اور قحط سالی دُور ہوئی۔

اخلاقی اسباق

(۱) مِل کر کھانا کھانا سنّت اور باعثِ برکت ہے۔

(۲) اپنے مربّی کے حق الخدمت کو انجام دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر عمل کرنا ہے۔

(۳) انبیاء، اولیاء اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسّل سے دعا مانگنا اقرب اِلی القبولیت ہے۔

زمانۂ بچپن کے عادات و خصائل

نبیؑ کی ذات اور اس کی ایک ایک ادا اُمّت کے لئے مرضیاتِ الٰہیہ کا نمونہ ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہے اس طرح اس کا نمونہ بھی ہر قسم کے عیب و نقائص سے مبرّا ہونا چاہیئے۔ لہٰذا تمام پسندیدہ صفات نبی کی ذات میں جمع کر دی جاتی ہیں، اور ناپسندیدہ صفات سے اسے پاک و صاف رکھا جاتا ہے۔ قدرت ان کے اعمال و افعال اور عادات و اخلاق کی حفاظت فرماتی ہے۔ ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا۔ ان کا ہر عمل نیکی شمار ہوتا ہے وہ صورت اور سیرت کے علاوہ جسمانی خواص میں بھی عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ شروع سے اخیر تک ان کی ساری زندگی پاکیزہ اور قابلِ اتّباع ہوتی ہے چنانچہ آپ کے حالات شروع سے ہی ایسے رہے ہیں کہ مخالفین نے بھی آپ کے غیر معمولی

انسان ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ (انتخاب از ترجمان السنہ ج-۳)۔

آپؐ عہدِ طفولیت سے ہی ممتاز صورت، ممتاز سیرت، لہو ولعب سے مجتنب، اخلاقِ حسنہ سے آراستہ پیراستہ اور اخلاقِ رذیلہ سے پاک وصاف تھے۔

(۱) آپ دوسرے بچوں کی طرح کھانے کے حریص نہیں تھے۔ معمولی مقدار سے زیادہ نہیں کھاتے تھے۔ آپ کے چچازاد بھائی خوب سیر ہو کر کھاتے مگر جب صبح کو بیدار ہوتے تو پراگندہ بال اور آلودہ چشم نظر آتے لیکن آپ، بیداری کے بعد تر و تازہ اور مسرور دکھائی دیتے۔ (از سیرت المصطفٰی)۔

(۲) حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کی نبوت کی سب سے پہلی علامت جو لوگوں کے مشاہدہ میں آئی، یہ تھی کہ آپ بچپن سے ہی برہنگی سے پرہیز کرتے تھے کبھی کسی نے آپ کو برہنہ نہیں دیکھا۔

(۳) ابو طالب کا بیان ہے کہ: ا: مَیں نے آپ کو بچپن سے ہی کبھی جھوٹ بولتے یا کسی کی غیبت کرتے نہیں دیکھا۔

ب: آپ لہو ولعب سے مجتنب تھے۔ کبھی بچوّں کے ساتھ کھیل میں مشغول نہیں ہوئے۔

ج: آپ کھانا شروع کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الْاَحَدْ کہا کرتے۔ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہتے۔

د: آپ کو شروع ہی سے شب بیداری اور عبادت گذاری کی عادت تھی۔ بسا اوقات رات کو میری آنکھ کھلتی تو آپ کو بستر پر نہ پاتا۔ اور بہت دفعہ رات گذرنے پر آپ کی زبان سے اس قسم کی باتیں سُناکرتا جو مجھے محوِ حیرت کر دیتیں۔

اخلاقی اسباق

(۱) برہنگی سے پرہیز کرنا اور شرم وحیا کا اختیار کرنا انسانیت کا جُزو ہے۔

(۲) کھانے میں اعتدال ضروری ہے اور زیادہ کھانا ناپسندیدہ فعل ہے۔

(۳) علی الصبح بیدار ہونا اور یادِ الٰہی میں مشغول ہونا صالحین کا شیوہ ہے۔

(۴) بدن اور لباس کو پاک وصاف رکھنا بہت سے رُوحانی اور جسمانی فوائد کا حامل ہے۔

شام کا پہلا سفر

جب آپ کی عمر کچھ اُوپر بارہ برس کی ہوئی تو آپ کے چچا ابوطالب نے تجارت کی غرض سے شام کے سفر کا ارادہ کیا اور آپ کو بھی ہمراہ لیا۔ جب شام کی سرحد پر پہنچے تو شہر بصریٰ کے قریب جسے اب حوران[1] کہتے ہیں، قافلہ نے پڑاؤ کیا اور وہاں بحیرا نامی راہب سے ملاقات ہوئی۔

بحیرا کا بیان یہ نصرانی درویش پرانی کتابوں کا بڑا عالم اور صاحبِ کشف و کرامات تھا۔ آسمانی کتابوں میں نبی آخر الزماں کی جو نشانیاں لکھی ہوئی تھیں، جب اس نے وہ سب علامتیں ہو بہو آپ کے اندر پائیں تو کہا:

"یہ تو سید العالمین ہیں اور سارے جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

سرداران قریش نے راہب سے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا۔ تو اس نے کہا کہ جس وقت آپ لوگ اس گھاٹی سے نکلے تو کوئی شجر اور حجر ایسا باقی نہ رہا جو ان کی طرف نہ جھک گیا ہو۔ جمادات اور نباتات نبی کے علاوہ کسی اور کے لئے اس طرح سرنگوں نہیں ہوا کرتے۔ اس کے علاوہ میں آپ کو خاص علامت مُہرِ نبوّت سے بھی پہچانتا

---

[1] بحوالہ سیرت الکبریٰ ج ۱۔

ہوں۔ راہب یہ کہہ کر واپس ہو گیا اور فقط آپ کی وجہ سے تمام قافلے کے لئے کھانا تیار کرایا۔ جب کھانے کے لئے سب حاضر ہوئے تو آپ موجود نہ تھے۔ اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے۔ آپ کو بلایا گیا۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو ایک ابر آپ پر سایہ کئے ہوئے تھا۔ لوگ آپ کے آنے سے پہلے ایک درخت کے سائے کے نیچے بیٹھ چکے تھے۔ اب کوئی جگہ سایہ کی باقی نہ رہی تھی۔ آپ ایک جانب کو بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ہی درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا[1]۔

واپسی یہ سب عجائبات اور خوارق دیکھ کر بحیرا نے آپ کے چچا ابو طالب سے کہا کہ تمہارا یہ بھتیجا وہی آخر الزماں پیغمبر ہے جس کی خبر توریت و انجیل وغیرہ آسمانی کتابوں میں درج ہے۔ شام کے رہنے والے یہودی دیکھ لیں گے تو ان کی صفات اور علامات سے پہچان کر ان کو قتل کر ڈالیں گے۔ اس کی خوب حفاظت کرو۔ اور شام کی طرف نہ لے جاؤ۔ ابو طالب نے اپنا تجارتی مال بصریٰ ہی میں فروخت کر دیا اور مکہ معظمہ واپس آ گئے۔ (اسلام مصنفہ حضرت میر محیؒ)

تبصرہ یہود آپ کی بعثت سے پہلے آپ کے ذریعہ کفار پر فتح پانے کی آرزو کیا کرتے اور آپ کی آمد آمد کے منتظر تھے۔ اس لئے ان کی طرف سے کسی قسم کے خطرے کا ہونا بعید از قیاس ہے۔ لیکن آپ کے مبعوث ہونے کے بعد ان علامات کی بنا پر جو کتب سابقہ میں مذکور ہیں۔ پہچان کر حسد کی بنا پر منکر ہو بیٹھے اور دشمنی پر کمر باندھ لی۔ کیا تعجب ہے کہ راہب کو نورِ بصیرت سے یہودیوں کی اس عداوت کا قبل از وقت انکشاف ہو گیا ہو۔ اور اس نے بطور خیر خواہی آپ کے چچا ابو طالب کو یہ مشورہ دیا ہو کہ آپ ان کو ملک شام میں نہ لے جائیں۔ واللہ اعلم

ابو طالب کا بصریٰ میں مال فروخت کر کے واپس ہونا راہب کے مشورے سے نہیں

---

[1] منتخب از ترجمان السنہ و سیرت المصطفیٰ۔

بلکہ اپنے کسی پروگرام اور منصوبہ کے تحت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر راہب کے مشورہ سے متاثر ہو کر ہوتا تو پھر دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شام کے سفر کا مشورہ ہرگز نہ دیتے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی برکت سے ان کو یہیں توقع سے زیادہ منافع مل گیا ہو اور آگے جانے کی ضرورت ہی نہ رہی ہو۔ واللہ اعلم

اسباق و نتائج

(۱) اس روایت میں اہلِ کتاب کی زبان سے آپکی نبوت کی شہادت ملتی ہے۔

(۲) درخت اور پتھر کا سجدہ کرنا بھی کتبِ سابقہ کی رُو سے علاماتِ نبوت ہی سے ہے۔

(۳) مُہرِ نبوت آپ کی علاماتِ نبوت میں سے ایک خاص علامت ہے جس کے ذریعے اہلِ کتاب آپ کو پہچانتے تھے۔

(۴) درختوں اور پتھروں کا سجدہ کرنا اور بادل کا آپ کے سر پر سایہ کرنا ایسے اُمور نہیں جو آپ کے معاملہ میں موجبِ حیرت ہوں، جبکہ حیوانات کا سجدہ اور پتھروں کا سلام کرنا، دستِ مبارک میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، کھجور کے خشک پودے میں خوشہ کا آجانا، اور دو درختوں کا آکر باہم مل جانا پھر آپ کے حکم سے جُدا جُدا اپنی جگہ چلے جانا۔ آپ کے معجزوں میں سے ہے جو مستند طریقوں سے ثابت ہے۔

ظاہر ہے کہ جس کے اشارے پر چاند دو ٹکڑے ہو سکتا ہے اس کے لئے درخت کی شاخوں کا جُھک جانا یا بادل کا بحکمِ الٰہی اس واقعہ میں آپ کے سر پر سایہ کرنا اور آپ کے ساتھ چلنا کیا بعید ہو سکتا ہے۔ پھر جب کہ میدانِ تیہ میں بادلوں کا سایہ فگن رہنا قرآن کریم میں موجود ہے، اس کے بعد بادل کے ایک ٹکڑے کا آپ پر سایہ کرنا کونسی بیرون از قیاس بات ہے۔ مگر جو نفوس یہاں متردد ہیں، وہ کچھ اسی ایک واقعہ میں نہیں، بلکہ

معجزات اور خوارق کا سارا باب ان کی مادی عقول کے لئے ایک پہاڑ بنا ہوا ہے۔ (انتخاب از ترجمان السنہ ج-۳ ص۱۹۱)۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۝

"اور جس کو اللہ ہی نورِ (ہدایت) نہ دے، اس کو (کہیں سے بھی) نور نہیں (میسّر ہو سکتا)"۔

گلہ بانی

بارہ برس کی عمر میں آپ کے چچا نے آپ کو بکریاں چرانے کا کام سپرد کیا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے بھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں میں بھی اہلِ مکہ کی بکریاں چند قراط پر چرایا کرتا تھا۔ (سیرت المصطفیٰ)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور وہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے، وہ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اور میں مبعوث ہوا تو میں بھی جیاد میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (سیرت الکبریٰ)

بعض لوگوں کا یہ خیال کہ بکریاں چرا کر اُجرت لینا نبوت کے شایاں نہیں، درست نہیں ہے۔ البتہ دعوت الی اللہ اور دین کی تبلیغ و اشاعت کے کام پر نبی کا اُجرت اور مالی معاوضہ لینا بے شک منصبِ نبوت کے شایانِ شان نہیں لیکن کسبِ معاش کے لئے اُجرت اور معاوضہ پر کام کرنا، یہ ہرگز شانِ نبوت کے خلاف نہیں، بلکہ کسب و اکتساب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور عمل ہے[1]

[1] سیرت المصطفیٰ۔

بھیڑ بکریوں کا چرانا دوسرے جانوروں کی نسبت مشکل ہے ۔ بکریوں کی عادت ہے کہ گلہ میں سے کچھ ایک طرف کو نکل جاتی ہیں تو کچھ دوسری طرف کو ڈورتی ہیں ۔ چرواہا کبھی ادھر سے گھیر کر لاتا ہے کبھی اُدھر سے ۔ اور اسے ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتی ہے کہ کوئی بھیڑ بکری گلہ سے علیحدہ ہو کر بھیڑیئے کا شکار نہ ہو جائے ۔ اسی فکر میں صبح سے شام تک ان کے پیچھے پیچھے سرگرداں رہتا ہے ۔

یہی حال نبی کا اُمّت کے ساتھ ہوتا ہے ۔ وہ رات دن اُمّت کی اصلاح اور نجات کی فکر میں رہتا ہے ۔ مگر اُمّت کے لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگتے پھرتے ہیں اور شیطان ہر وقت آدمی کو گمراہ کر کے ہلاک کرنے کی تاک میں ہے ۔ پیغمبرؑ کمال شفقت اور محبت سے لوگوں کو پکار پکار کر اپنی طرف بلاتا ہے ۔ شیطان کے پنجے سے بچانے اور عذابِ آخرت سے نجات دلانے کی کوشش کرتا ہے ۔ لوگوں کی اس بے رُخی اور لاپرواہی سے جو تکلیف پہنچتی ہے، اسے صبر و تحمل سے برداشت کرتا ہے، اور کسی وقت بھی دعوت و تبلیغ سے اکتاتا اور گھبراتا نہیں ۔ جس طرح بھیڑیں درندوں کے حملے سے بے خبر رہتی ہیں، اسی طرح اُمّت کے لوگ نفس اور شیطان کے حملوں سے بے فکر ہوتے ہیں ۔ لیکن انبیاءؑ کو ہر وقت ان کی اصلاح و فلاح کی فکر لگی رہتی ہے ۔ (انتخاب از سیرت المصطفیٰ)

اشارات

(۱) حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بکریاں چرانا، اُمّت کی گلہ بانی کا دیباچہ اور پیش خیمہ ہے ۔

(۲) کسب و اکتساب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سُنّت اور عمل ہے، اور توکّل ان کا حال ہے ۔

(۲) کسی چھوٹے سے چھوٹے کام اور پیشہ کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے۔

حرب الفجار

اہلِ عرب چار مہینوں ذیقعدہ، ذی الحج، محرّم اور رجب کو حرمت والے مہینے مانتے تھے، اور ان میں لڑائی کرنا حرام سمجھتے تھے۔ یہ لڑائی ان مہینوں میں ہوئی۔ (سیرت الکبریٰ)۔ یہ جنگ قبیلہ بنو قیس اور قریش کے درمیان ہوئی۔ اوّل قیس قریش پر غالب آئے، بعد میں قریش قیس پر غالب آئے۔ بالآخر صلح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔ بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس لڑائی میں اپنے چچاؤں کے اصرار سے شریک ہوئے، مگر قتال نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ یہ جنگ ان مہینوں میں پیش آئی جن میں جنگ کرنا فسق و فجور اور ناجائز و حرام تھا۔ علاوہ ازیں لڑنے والے سب کے سب کافر تھے۔ مومن کو قتل و قتال اور جنگ و جدال کا حکم فقط اس لئے دیا گیا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اسی کا بول بالا ہو۔ (سیرت المصطفیٰ)۔

نوٹ: قدرت نبی کے اعمال و افعال کی حفاظت فرماتی ہے اس لئے نبی سے زندگی بھر، خواہ وہ زمانۂ نبوّت سے پہلے کی ہو یا بعد کی، کبھی کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا۔

حلفُ الفضول

نُورِ اسلام کی ضیا پاشی سے پہلے حرمِ کعبہ میں ایسی حرکات کا ارتکاب ہوتا تھا جس کو سن کر ایک شریف اور حسّاس آدمی کا دل لرز جاتا تھا۔ لُوٹ مار کی ہر طرف گرم بازاری تھی۔ بیکس مسافر اور مفلوک الحال لوگ ستائے جاتے تھے کسی کی دادرسی نہ ہوتی اور کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ تھا۔ حرب الفجار کے بعد عاص بن

وائل نے ایک پردیسی مسافر سے کچھ مال خریدا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس نے قیمت وصول کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی، اور قریش میں سے کسی نے اس کی دادخواہی نہ کی۔ عاص بن وائل کا اثر و اقتدار فریاد رسی میں مانع رہا تو اُس نے کوہ قبیس پر چڑھ کر اپنی مظلومی اور بے کسی کا دکھڑا رویا۔ یہ سُن کر بعض طبیعتیں متاثر ہوئیں اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بداخلاقیوں کی اصلاح اور انسدادِ مظالم کے لئے فیصلہ کیا کہ کچھ عرصہ پہلے فضل بن فضالہ، فضل بن وداعہ اور فضل بن حارث نے قیامِ امن کے لئے جو معاہدہ حلف الفضول کے نام سے مرتب کیا تھا، اس کی از سرِ نو تجدید کی جائے۔ الغرض سب نے عبداللہ بن عدنان کے مکان پر جمع ہو کر اس معاہدہ کی تجدید کا پختہ عہد اور اس پر عمل پیرا ہونے کا اقرار کیا۔ (انتخاب از سیرت الکبریٰ ج۔ ا ص۲۴۸)۔

شرائط معاہدہ اس معاہدہ میں شامل ہونیوالے اراکین مندرجہ ذیل عہد و اقرار کرتے تھے۔

(۱) ہم ملک سے بدامنی دُور کریں گے۔ (۲) ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔
(۳) ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔ (۴) ہم زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے۔ (رحمۃٌ للعالمین)

اس کے بعد حلف اُٹھانے والے عاص بن وائل کے پاس پہنچے اور فریادی کا مال لے کر اُسے واپس دلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس معاہدہ میں شرکت فرمائی۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ اس معاہدہ کے وقت میں بھی عبداللہ بن عدنان کے گھر حاضر تھا اس معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سُرخ رنگ کے بیش قیمت اونٹ بھی دیئے جاتے تو مَیں ہرگز قبول نہ کرتا۔ اور اگر اب زمانۂ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدہ کے لئے کسی جگہ بُلایا جاؤں، تو بھی اس کی شرکت کے لئے لبیک کہنے کے لئے تیار ہوں (سیرت الکبریٰ بحوالہ ابنِ ہشام)۔

اشارات

مخلوق کی ہمدردی و خیر خواہی اور امنِ عامہ کی قدر و منزلت شروع ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاطر نشین تھی۔

مظلوموں کی امداد اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں حصہ لینا، مال و دولت سے بہتر اور ذاتی نفع سے مقدم ہے۔

بنی نوعِ انسان کی ہمدردی اور خیر خواہی معیاری اخلاق ہیں۔ اگر ہم سچّی آزادی اور قومی سربلندی کے خواہاں ہیں تو دوسروں کی حق تلفی، ظلم و جور اور خود غرضی سے باز آئیں اور ہمیشہ کے لئے ایسے مکروہ افعال سے تائب ہوں۔

امین کا خطاب

نبی ہر قسم کی برائیوں سے پاک، اخلاقِ جمیلہ اور اوصافِ حمیدہ میں دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اس کی ساری زندگی مہد سے لحد تک پاکیزہ اعمال اور عادات کا مرقّع ہوتی ہے۔ اس کی عام صفات کی حقیقت بھی مخلوق کی عام صفات سے علیحدہ ہوتی ہے۔ تمام پسندیدہ صفات اس کی زندگی میں اتنے نمایاں ہوتے ہیں کہ وہ اپنے دورِ طفولیت ہی سے عام انسانی سطح سے انتہائی بالاتر ہوتا ہے لیکن اس کی زندگی میں سب سے نمایاں عنصر اس کی راست بازی اور دیانت داری ہوتی ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں اور عین عداوت کی حالت میں بھی ذرا لب کشائی نہیں کر سکتے۔ آپ کی زندگی ایسی پاکیزہ تھی کہ دشمن ہزار چھان بین اور تلاش و جستجو کے باوجود بھی آپ کے اخلاق و اعمال پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکے۔

اخلاقِ نبوی کی عظمت حضرات انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام زمین پر حق تعالیٰ کی مرضیات کا نمونہ اور اہلِ عالم کے لئے وہ اسوۂ حسنہ ہوتے ہیں، جن پر پوری انسانیت کی سیرت اور اخلاق کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ اخلاق کی انتہائی معراج پر فائز ہوتے ہیں۔ پھر امام الانبیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو تو لسانِ وحی نے "خلقِ عظیم" سے تعبیر فرمایا ہے جو خود انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے اخلاق کی معراج ہے جس تک کسی غیر نبی کی رسائی کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ غیر نبی کے اخلاق کو آپ کے اخلاق سے ایسی ہی نسبت ہو سکتی ہے جیسی ذرّے کو آفتاب سے۔ دونوں ایک معیار پر تُل ہی نہیں سکتے۔ حتیٰ کہ غیر نبی کی عظیم نیکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں "ذنب" کا حکم رکھتی ہے۔ جب آپ کا ذنب اس شان کا حامل ہے تو آپ کی نیکی کا جو مقام ہوگا، اس کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے جملہ اخلاق تمام انسانوں سے انتہائی ممتاز بلکہ وراء الوراء ہیں۔ اس لئے آپ سب سے زیادہ بامروّت اور سب سے زیادہ خلیق، سب سے زیادہ ہمسایوں کے خبر گیراں، سب سے زیادہ حلیم اور بُردبار، سب سے زیادہ سچّے اور امانت دار اور تمام بداخلاقیوں اور فحش باتوں سے کوسوں دُور تھے۔

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ

خطاب یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور اوصاف حمیدہ سے تمام انسان بلا امتیاز کفر و اسلام متاثر ہوئے۔ مگر ان میں نمایاں اور ممتاز دیانت و امانت اور صداقت کی صفت ہے۔ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی صداقت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر ان کی تمام زندگی کی خبروں میں ایک بھی خلاف نکل آئے، تو سارا کارخانۂ نبوّت درہم برہم ہو جاتا ہے، اور ساری عمر کی صداقت ایک غلط بیانی سے ختم ہو جاتی ہے۔ ان کو خبر دینے والا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور اس کی خبر میں ذرہ برابر بھی کذب کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ آپ کی سوانح حیات میں کوئی ایک

واقعہ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا جہاں دشمنوں نے آپ کے متعلق ادنیٰ کذب بیانی کا بھی کوئی حرف رکھا ہو۔ آپ کی صفتِ صداقت و امانت کے تاثر کا یہ عالم تھا کہ پورا عرب بیک زبان آپ کو "الامین" "الامین" پکار اُٹھا۔ حتیٰ کہ جانی دشمن بھی مخالفت کے زمانہ میں اپنی امانتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی رکھا کرتے تھے، جو ان کی طرف سے آپ کے صادق اور امین ہونے کا عملی اقرار ہے۔

آپ کے اوصافِ پسندیدہ کی شہادتیں (۱) جب آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ اچانک بارِ نبوت پڑ جانے سے گھبرا گئے اور آپ کے اس اضطراب کو دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ امانتدار ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔ یتیموں اور مسکینوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔ مہمان نواز ہیں، درماندوں کی مدد کرتے ہیں۔ خوش خصال، نیک کردار، بلند فطرت اور بلند حوصلہ ہیں۔ (سیرت الکبریٰ بحوالہ بخاری و مسلم)۔

ظاہر ہے کہ رفیقۂ حیات سے بڑھ کر انسان کے اخلاق و عادات کا کوئی رازداں نہیں ہو سکتا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پندرہ برس سے آپ کا شرفِ مصاحبت حاصل تھا۔ یہ اتنی بڑی مدت ہے کہ جس میں زوجین کے عادات و اطوار کا کوئی گوشہ ایک دوسرے پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان آپ کی صداقت اور دیانت کی نہایت وزنی شہادت ہے۔

(۲) تاجر لوگ عموماً ایفائے عہد کی میزان میں پورے نہیں اُترتے لیکن آپ نے منصبِ نبوت سے پہلے اپنے عہد کو جس خوبی سے پورا کیا، وہ اخلاق کی دنیا میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

عبداللہ بن ابی حمسا رضی اللہ عنہ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں نے بعثت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی لین دین کیا۔ میرے ذمہ کچھ باقی تھا، میں نے

عرض کیا کہ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔ مگر اتفاق سے گھر جا کر اپنا وعدہ بھول گیا۔ تین دن کے بعد یاد آیا تو یاد آتے ہی وعدہ گاہ پر پہنچا۔ آپ کو اسی مقام پر منتظر پایا۔ آپ نے کچھ بھی اظہارِ ناراضگی نہ فرمایا۔ صرف اتنا فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی میں تین روز سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

عبداللہ بن سائب فرماتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شریکِ تجارت تھا۔ جب مدینہ منورہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو پہچانتے بھی ہو۔ میں نے عرض کیا۔ کیوں نہیں، آپ تو میرے ایسے اچھے شریکِ تجارت تھے کہ نہ کسی بات کو ٹلاتے تھے اور نہ کسی بات میں جھگڑتے۔

قیس بن سائب فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بہترین شریکِ تجارت تھے۔ نہ جھگڑتے تھے نہ کسی قسم کا مناقشہ کرتے تھے (از سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۷۸)

(۳) دعوئ نبوت کے بعد جب قوم نے دشمنی پر کمر باندھ لی، تو اس وقت بھی لوگوں کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ امانتیں آپ ہی کے سپرد کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ہجرت کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسی غرض سے مکہ معظمہ چھوڑ گئے کہ لوگوں کی امانتیں واپس کی جا سکیں۔

مخالفین کی شہادتیں (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن ابوجہل نے کہا کہ ہم آپ کو تو جھوٹا نہیں کہتے کیونکہ ہم نے آپ کو کبھی غلط بیانی کرتے نہیں سُنا۔ البتہ آپ کے دعوئ رسالت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اس پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ	یہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے۔
الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار
يَجْحَدُوْنَ ○ (انعام آیۃ ۳۳)	کرتے ہیں۔

(۲) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل شاہِ روم کو اسلام کی دعوت دی،

اور والا نامہ لکھا۔ تو ان دنوں قریش کا تجارتی قافلہ روم گیا ہوا تھا۔ قیصر نے تفتیشِ حال کے لئے ان لوگوں کو بلایا اور ابوسفیان سے جو ان دنوں آپ کے خون کا پیاسا، اور جانی دشمن تھا، دریافت کیا کہ کیا دعویٰ نبوت سے پہلے اس شخص نے کبھی کوئی غلط بیانی کی اور اس کو جھوٹ بولنے کی کبھی تہمت دی گئی۔ ابوسفیان بولا کہ نہیں۔ پھر ہرقل نے دریافت کیا کہ کیا وہ کبھی عہد و پیمان کو توڑ بھی دیتے ہیں؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔ یہ سُن کر وہ بھی اس بات کے کہنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ جو انسان دوسرے انسانوں کے معاملہ میں کبھی جھوٹ نہ بولے، وہ خدا کی ذات پر جھوٹ باندھنے کے لئے تیار ہو جائے۔

(۳) مشہور مستشرق مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں کہ "نبوت سے پہلے آپکی زندگی ایسی پاکیزہ رہی ہے کہ آپ کے دامنِ اخلاق پر کوئی ادنیٰ سا دھبہ بھی نہیں۔ جوانی ہی میں آپ کو "امین" کا نہایت معزز لقب مل چکا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رحلت تک آپ کی زندگی ایسی پاک اور اہلِ خانہ سے تعلقات ایسے قابلِ تعریف تھے کہ آپ کے بدترین دشمن برابر جستجو کے باوجود کوئی نقص اور عیب نہیں نکال سکے۔" (سیرت الکبریٰ)

کفّار کا آپ کی صداقت کو تسلیم کرنا تبلیغ اسلام کا حکم ملتے ہی آپ کا کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنی پوری زندگی ساری قوم کے سامنے پیش کرنا کہ میری کتابِ زندگی کا ہر صفحہ تمہارے سامنے کھلا ہوا ہے کیا تم کسی جگہ حرف گیری کی گنجائش پاتے ہو؟

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (یونس آیۃ ۱۶)	آخر اس قرآن سے پہلے بھی تو میں تم میں اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ گذار چکا ہوں تو کیا تم یہ بات بھی نہیں سمجھتے۔
سہ کہا سب نے قول آج تک کوئی تیرا	کبھی ہم نے جھوٹا سُنا اور نہ دیکھا

ہمیں تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے — کہ بچپن سے صادق ہے تُو اور امیں ہے

الغرض کوہِ صفا کے نمائندہ اجتماع میں مشاہیرِ عرب کا یہ اقرار کہ:

"آپ کی زندگی کِذب و دروغ بافی اور خیانت سے بالکل پاک ہے۔"

اس بات کی ناقابلِ تردید شہادت ہے کہ جو عظیم انسان اپنے عام حالات میں ادنیٰ جھوٹ کو گوارا نہیں کرتا، کیا وہ اس قدر ظلم کر سکتا ہے کہ خدا پر جھوٹ بول کر یہ دعویٰ کرے کہ اللہ نے مجھے اپنا پیغمبر بنایا اور وحی اور رسالت کے لئے چُنا ہے عقل و فہم کی گواہی ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ	اور اگر یہ پیغمبر ہمارے ذمہ کوئی بات
الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ	گھڑ کر لگاتا تو اس کا داہنا ہاتھ پکڑتے
بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا	اور ہم اس کے دل کی رگ یعنی گردن
مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ (الحاقہ)	مار دیتے۔

مگر آپ تو اپنی طرف سے کچھ کہتے ہی نہیں، جو کچھ کہتے ہیں اللہ ہی کی طرف سے کہتے ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝	اور نہ وہ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝	بات بنا کر کہتے ہیں۔ ان کا فرمان تو
(النجم آیۃ ۳-۴)	صرف وحی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

شام کا دوسرا سفر

جب آپ پچیس سال کے ہوئے تو حضرت خدیجہ نے جو قریش میں ایک مالدار بی بی تھیں اور تاجروں کو اپنا مال مضاربت[1] پر دیتی رہتی تھیں۔ آپ کے صدق و امانت و حُسن معاملہ اور اخلاق کی خبر سُن کر آپ سے درخواست کی کہ اگر آپ میرا مال لے کر تجارت کی غرض سے شام جائیں تو میں آپ کو دوسروں کی نسبت دوگنا معاوضہ دوں گی۔ آپ نے قبول فرمایا۔

غرض آپ حضرت خدیجہؓ کے خاص غلام میسرہ اور ایک عزیز خزیمہ بن حکیم کی ہمراہی میں مالِ تجارت لے کر روانہ ہوئے۔ جب بصریٰ پہنچے تو بحیرا کے قائم مقام نسطورا سے ملاقات ہوئی۔ نسطورا نے آپ کے اندر وہ علامات دیکھ کر جو اہلِ کتاب کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی دوسرے شخص میں نہیں پائی جاتیں، آپ کی نبوت کی شہادت دی اور کہا کہ یہی نبی آخر الزماں ہیں۔

آپ شام سے خُوب نفع کما کر واپس ہوئے تو راستہ میں میسرہ نے دیکھا کہ جب گرمی کی شدّت ہوتی تو دو فرشتے آپ پر سایہ کرتے۔ جب آپ دوپہر کے وقت مکّہ کے اندر داخل ہوئے تو اس وقت حضرت خدیجہؓ نے اپنے بالاخانے سے دیکھا کہ آپ کے سر پر نورانی غیبی پرند سایہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ محوِ حیرت ہوگئیں۔ آپ نے آکر مالِ تجارت حضرت خدیجہؓ کے سپرد کیا۔ اس مرتبہ آپ کی برکت سے حضرت خدیجہؓ کو اس قدر نفع ہوا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا نفع نہ ہوا تھا۔ حضرت خدیجہؓ بات

---

[1] یعنی ایک کا روپیہ ہوا، اور دوسرا اس سے کام کرے اور نفع معاہدہ کے موافق بانٹ لیں۔ اگر نقصان ہو تو وہ مالک کے ذمہ ہے۔

خوش ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا معاوضہ طے کیا تھا اس سے زائد دیا۔

اسباق واشارات

(۱) ہاتھ کی کمائی بہت پسندیدہ چیز ہے۔ ارکانِ اسلام کے بعد بقدرِ ضرورت حلال مال کی طلب فرض ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی نے اس کمانے سے بہتر کبھی کوئی کھانا نہیں کمایا جو اپنے دونوں ہاتھوں کے عمل سے ہو۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کروں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت حرص کی وجہ سے مال کو طلب کرنا اور بڑھانا فرض نہیں۔ کیونکہ مال کی حرص اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی، اور اس کی کثرت گناہوں میں مبتلا کرنے والی ہے۔ پس حاجت سے زیادہ دنیا میں مشغول ہونا مضر ہے۔ ہاں اگر اس کی حرص اور کثرت دین کی خاطر ہو تو مفید بلکہ مستحسن ہے۔ ؎

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد　　　اگر دارد برائے دوست دارد

(۳) اپنا بار کسی پر ڈالنا اور دوسروں سے بلا عذرِ شرعی بھیک مانگنا کسی پیشہ کو حقیر اور کمائی کو معیوب سمجھنا سچے مسلمان کا شیوہ نہیں۔ بلکہ خود اپنے ہاتھ سے کما کر کھانا اور دوسروں کو کھلانا اور صدقہ خیرات کرنا اس کی شان کے شایاں ہے۔

(۴) رزقِ حلال میں بڑی برکت ہے اور اس کی خاص تاثیر ہے۔ ایسا مال کھانے سے نیکی کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

(۵) حدیث شریف میں آیا ہے کہ بہت سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ تجارت کرنے والے قیامت کے روز فاجر اور گناہ گار اُٹھائے جائیں گے مگر جو شخص ڈرا اور سچ بولا، اور خرید و فروخت میں گناہ نہ کیا وہ اس وبال سے بچ جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صدق و امانت، حُسنِ معاملہ اور اخلاق تجارت کے بنیادی اور معیاری اُصول ہیں۔ ان پر کاربند ہونا اور عمل کرنا دین و دنیا کی کامیابی اور سُرخروئی ہے۔ اور ایسا تاجر لوگوں کی نظروں میں محبوب اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتا ہے، لیکن ناجائز طریقے سے تجارت کرنا اور کمانا دنیا اور آخرت میں بے برکتی، پریشانی اور خُسران کا موجب ہے۔

(٦) مالِ تجارت کے علاوہ مسلمان تاجر کا حقیقی راس المال سرمایۂ تبلیغ ہوتا تھا، اور وہ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا صحیح مصداق تھا۔ جہاں اس کے قدم جاتے، وہاں کی کایا پلٹ جاتی۔ لوگ تجارتی مال کے ساتھ ساتھ اسلام کی دولت سے بھی مستفید ہوتے۔ آج بھی اگر مسلمان اسلامی اصولوں پر تجارت کرتے ہوئے، اپنے قول و عمل اور حُسنِ معاملہ سے دوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عملی دعوت دیں تو اپنے بھی غفلت سے بیدار ہوں اور دوسرے بھی اسلام کی لازوال دولت سے مالا مال ہوں اور ایک دفعہ پھر جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کا سماں اور لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کا منظر آنکھوں کے سامنے آجائے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

حضرت خدیجہؓ نے جب میسرہ سے آپ کے تمام حالاتِ سفر اور راہب کا مقولہ اور فرشتوں کا آپ کے سر پہ سایہ کرنا سُنا تو ورقہ بن نوفل سے جا کر بیان کیا۔ ورقہ نے کہا کہ اگر یہ واقعات سچے ہیں تو یقیناً آپ اس اُمّت کے نبی ہیں۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس اُمّت میں ایک نبی ہونے والے ہیں جن کا ہم کو انتظار ہے، اور ان کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت خدیجہؓ کے دل میں آپ سے نکاح کرنے کا

شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ خود حضرت خدیجہؓ نے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ نے اپنے چچا کے مشورہ سے قبول فرمایا۔

تاریخ مقررہ پر آپ اپنے چچا ابوطالب، حضرت حمزہؓ اور خاندان کے دیگر رؤسا کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت خدیجہؓ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا، ان کے چچا عمرو بن اسد نکاح کے وقت موجود تھے۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا، اور فرمایا کہ شرافت، بلند کرداری، فضیلت اور عقل میں قریش کے جس شخص سے بھی آپ کو تولا جائے تو آپ ہی بھاری رہیں گے۔ اگرچہ آپ مال میں کم ہیں لیکن مال زائل ہونے والی چیز اور عارضی شے ہے۔

نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال تھی۔ پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔ ابوطالب نے ولیمہ کیا، اور تمام سردارانِ مکہ اور اشرافِ قریش کی دعوت کی۔

آج تک جس مکان میں آپ نے قیام فرمایا، وہ آپ کا اور آپ کے چچا ابوطالب کا مشترکہ مکان تھا۔ نکاح کے بعد آپ حضرت خدیجہؓ کے مکان پر تشریف لے آئے۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنا سب کچھ آپ کی نذر کر دیا۔ آپ نے معقول انتظام سے ان کے تجارتی کاروبار کو ترقی دی۔ آپ کو بی بی خدیجہؓ سے بہت محبت تھی۔ عرب میں کئی عورتوں سے شادی کرنے کی رسم عام تھی، مگر آپ نے اس کے خلاف جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں، دوسری شادی نہیں کی۔ اس عقد سے آپ کا وقار قوم میں پہلے کی نسبت بہت بڑھ گیا۔

حضرت خدیجہؓ سے آپ کے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ صاحبزادوں کا نام قاسم اور طاہر تھا جن کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ طاہر کا اصل نام عبداللہ تھا۔ طاہر اور طیب دونوں آپ کے لقب تھے۔ چار

صاحبزادیاں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ تھیں حضرت زینبؓ سب سے بڑی اور حضرت فاطمہؓ سب سے چھوٹی تھیں۔

اسباق واشارات

(۱) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نکاح میرا طریقہ اور میری سنّت ہے۔ جو میری سنّت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں۔

(۲) ایمان کی حفاظت اور پاکدامنی کا ذریعہ ہے، راحت اور فلاحِ دارین کا سبب ہے۔

(۳) نسلِ انسانی کی بقا اس پر موقوف ہے۔

(۴) نکاح کی تقریب تکلّفات سے خالی اور نہایت سادہ ہونی چاہیئے۔

(۵) بیوگان کا نکاح ثواب اور فضیلت کی چیز ہے، اس کو بُرا سمجھنا گناہ ہے۔

تعمیرِ کعبہ

اسباب آدم علیہ السّلام جب زمین پر اُتارے گئے تو فرشتوں نے بحکمِ خداوندی بیت المعمور کو لاکر کعبہ کے مقام پر رکھا۔ لیکن طوفانِ نوح کے وقت اسے اُٹھا لیا گیا اور بیت اللہ کا نشان باقی نہ رہا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ تک یہی حالت رہی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو دوبارہ بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ہوا۔ تیسری بار بعثت نبوی سے پہلے جب آپ کی عمر شریف پینتیس سال کی تھی تو قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ خانہ کعبہ غیر مسقّف تھا۔ اس کی دیواریں چھوٹی تھیں۔ بارش کا پانی اندر آجاتا تھا۔ اور اس میں آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے اہلِ مکّہ کو ازسرِنو اس کی تعمیر کا

خیال پیدا ہوا۔ اسی اثنا میں ایک تجارتی جہاز جدہ کے کنارے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ وہاں سے لکڑی اور لوہے کا سامان حاصل کر لیا گیا۔

شرائط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ماموں ابو وہب بن عمرو کی تحریک پر یہ بات قرار پائی کہ بیت اللہ کی تعمیر میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے، وہ کسبِ حلال سے ہو۔ زنا چوری اور سود وغیرہ کا کوئی ناجائز پیسہ اس پر نہ لگایا جائے۔ اللہ تعالےٰ پاک ہے اور پاک مال ہی کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے اس کے گھر میں پاک پیسہ ہی لگاؤ اور بیت اللہ کی تعمیر کو مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا گیا۔ تاکہ کوئی قبیلہ اس شرف سے محروم نہ رہے۔

موانعات (۱) جس کوئیں کے اندر خانہ کعبہ کی نیاز اور نذریں قبولیت کی اُمید پر ڈالی جاتی تھیں، وہاں ایک زہریلا اژدہا رہتا تھا۔ جو ہر روز صبح کو کوئیں سے نکل کر کعبہ کی دیوار پر آبیٹھتا۔ اور جو کوئی اس کے پاس جاتا منہ پھاڑ کر اور پھن اُٹھا کر اس پر حملہ آور ہوتا۔ اس سے لوگوں کی ہمتیں پست ہو گئیں اور کسی نے خانہ کعبہ کے پاس جانے کا نام نہ لیا۔ اللہ کی شان ایک روز صبح کے وقت جب کہ وُہ اژدہا دیوار پر بیٹھا تھا۔ آسمان سے ایک بہت بڑا پرندہ اُترا اور اژدہے کو اپنے سخت پنجوں میں دبا کر لے اُڑا۔ اس سے لوگوں کو تسکین ہوئی اور یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کو خانہ کعبہ کا دوبارہ تعمیر کرانا منظور ہے۔

(۲) کعبہ کی عزّت و حرمت اور عظمت و احترام کے باعث کسی میں یہ ہمّت نہ تھی کہ اس کو گرانے کے لئے پہل کرے۔

تعمیر کی ابتداء آخر کار ولید بن مغیرہ یہ کہہ کر کہ اے اللہ! ہم صرف خیر اور بھلائی کی نیّت رکھتے ہیں، پھاوڑا لے کر کعبہ کی دیوار پر جا چڑھا اور اس کو شہید کرنا شروع کیا۔ باشندگانِ مکّہ رات بھر منتظر رہے کہ دیکھو ولید پر کوئی آسمانی بلا تو

نازل نہیں ہوتی۔ مگر صبح ہوتے جب دیکھا کہ ولید پھاوڑا لئے صحیح سالم کعبہ کی طرف جا رہا ہے تو سب نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس فعل سے راضی ہے اور سب کی ہمتیں بڑھ گئیں اور دل و جان سے اس کام میں شریک ہو گئے۔

آپؐ کا حُسنِ تدبیر اور تکمیلِ تعمیر جب کعبہ کی تعمیر شروع ہو گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کارِ خیر میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور اس محنتِ شاقہ سے پتھر ڈھوئے کہ کندھے چھل گئے۔ جب تعمیر یہاں تک پہنچ گئی کہ حجرِ اسود کو اپنی جگہ رکھنے کا وقت آ گیا۔ تو ہر شخص کی خواہش تھی کہ یہ پاک پتھر میرے ہاتھوں سے رکھا جائے۔ اس لئے قبائل میں پھوٹ پڑ گئی اور اختلاف نے یہاں تک طول کھینچا کہ تلواریں کھچ گئیں، اور ہر قبیلہ کو لڑ کر جان دینا آسان نظر آنے لگا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیغمبر کے ہاتھوں اس جھگڑے کا طے کرانا منظور تھا اس لئے امیہ بن مغیرہ کی رائے سے سب نے متفق ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے مسجدِ حرام کے دروازے سے داخل ہو، اس کو ثالث مان کر اس کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا جائے۔ صبح ہوئی تو لوگ حرم میں پہنچے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ سب سے پہلے آنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی لوگ پکار اٹھے کہ یہ تو امین ہیں، ہم ان کو ثالث بنانے پر راضی ہیں۔ آپ نے ایک چادر منگوا کر حجرِ اسود کو اس میں رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا سردار اس چادر کو تھام لے۔ سب نے اس فیصلہ کو پسند کیا اور مل کر چادر کو اٹھایا جب اتنی اونچی اٹھ گئی جہاں حجرِ اسود کو رکھنا تھا تو آپ آگے بڑھے اور فرمایا کہ اب آپ مجھے حجرِ اسود کو اپنے موقع پر رکھنے کے لئے وکیل[1] کر دیں۔ قریش نے بدل و جان اس فیصلہ کو قبول کیا۔ پھر آپ نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اٹھا کر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ آپ کی خوش تدبیری سے یہ جھگڑا بخوبی طے ہو گیا، اور چاروں طرف سے

---

[1] تاریخ حبیب الٰہ صلے

صدائے آفریں بلند ہوئی اور اس طرح بخیر و خوبی باہمی تنازعہ کا انسداد ہو گیا۔

حطیم | قبائل قریش نے تعمیرِ کعبہ کے لئے جس قدر سرمایہ جمع کیا تھا وہ تکمیل سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ اس لئے بیت اللہ کا کچھ حصہ جسے حطیم کہتے ہیں، بلا تعمیر چھوڑ دیا گیا۔ حجرِ اسود اور حجرِ یمانی کی دیواریں بنائے ابراہیمی پر، اور شامی اور عراقی جانب کی دیواریں غیر ابراہیمی بنیاد پر تعمیر کی گئیں اور بطریقِ احسن قریش کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ حطیم کے گرد چھوٹی سی گول دیوار بنا دی گئی۔ یہ حصہ شرعاً بیت اللہ میں داخل ہے۔

اشارات

(۱) خانہ کعبہ کی تعظیم اور عظمت از بس ضروری ہے۔ مشرکین بھی اس کی تعظیم اور احترام کرتے تھے۔

(۲) نیک کاموں میں ناجائز اور حرام مال لگانے سے پرہیز کرنا اور حلال اور پاکیزہ مال لگانا نہایت ضروری ہے۔

(۳) لوگوں کے باہمی تنازعے اور جھگڑوں کا فیصلہ حکمتِ عملی سے کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پر عمل کرنا ہے۔

(۴) بیت اللہ کی زیارت کے لئے جانا اور حج کرنا بہت اُونچا عمل ہے۔ باوجود استطاعت کے حج نہ کرنا انتہائی بدبختی ہے۔

احسان کی مکافات اور آپ کی رحمدلی و رواداری

آپ نے ہمیشہ اپنے چچا ابو طالب کے احسانات کے مکافات کی کوشش کی۔ ایک دفعہ مکّہ میں سخت قحط پڑا جس سے لوگ بلبلا اُٹھے۔ ابو طالب کا کنبہ زیادہ اور

آمدنی کم تھی۔ البتہ حضرت عباسؓ خوش حال تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے کہا کہ ابوطالب کے ایک بیٹے کو آپ متبنیٰ بنا لیجئے اور ایک کی پرورش میں اپنے ذمّہ لیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے جعفرؓ کو لے لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو اپنے پاس لے آئے۔

رحمدلی اور رواداری حارثہ یمن کے ایک معزز قبیلہ کے رہنے والے تھے۔ اُن کے بیٹے زید دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی نے زید کو خرید کر بطور تحفہ ام المؤمنین کو دے دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو حضرت خدیجہؓ سے مانگ کر آزاد کر دیا اور اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ لیکن جب زید کے باپ حارثہ کو جو بیٹے کے فراق میں روتا اور اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا تھا، پتہ چلا تو مکّہ آیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ یہ میرا نورِ نظر ہے، آپ فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے، مَیں عمر بھر احسان مند رہوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ زید کو اختیار ہے، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مَیں اس کو بخوشی اجازت دیتا ہوں اور اس کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔ اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو بھی اس کا اختیار ہے۔ زید نے کہا کہ میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ یہ سُن کر ان کے باپ نے کہا کہ زید افسوس! تم خاندان، وطن اور آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو۔ زید بولے واقعی مَیں آستانِ رحمت کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا، کیونکہ کوئی والدین اپنی اولاد کے حق میں اتنے شفیق نہیں ہوتے، جس قدر آپ مجھ پر مہربان ہیں۔ آپ زید کی اس پُرخلوص محبت و عقیدت سے بہت خوش ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کے ساتھ ساری عمر وہ برتاؤ کیا جو باپ اپنے بیٹوں سے کرتا ہے۔ اس لئے صحابہ کرامؓ میں اس غریب الوطن ناز پروردہ کا نام زید بن محمدؐ ہو گیا۔ آپ نے اپنے عمِ محترم حضرت حمزہؓ سے زید کا بھائی چارہ کرا دیا۔ باوجود

اس کے کہ اُسے کسی قسم کی خاندانی وجاہت حاصل نہ تھی، اپنے عمِ محترم کا ہمسر بنا کر آسمانِ عظمت پہ پہنچا دیا۔ پھر اپنی دو پھوپھی زاد بہنوں اور ایک عم زاد بہن اور ایک پھوپھی کی نواسی سے یکے بعد دیگرے ان کی شادیاں کرا کر جو اعزاز و اکرام فرمایا، دنیا کی تاریخ اس مساوات و رواداری کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ (سیرت الکبریٰ ج ۱ طلہ ۲۶)

حلیمہ اور اس کے گھرانے سے حُسنِ سُلوک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس سُلوک اور مروّت سے اپنے خاندانی اقربا کے ساتھ پیش آتے، ہمیشہ وہی مراعات حضرت حلیمہ اور ان کے گھر والوں کے لئے روا رکھتے۔ آپ کے حُسنِ اخلاق کا یہ عالم تھا، کہ اگر کہیں وہ لوگ مکّہ معظمہ آتے، تو آپ سے ملاقات کئے بغیر نہ جا سکتے۔ جب حاضرِ خدمت ہوتے تو ان پر محبت اور شفقت کی بے انتہا بارش ہوتی۔

اہلِ عرب کے نزدیک اپنی چادر کا کسی کے لئے بچھا دینا انتہائی اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ نزولِ وحی سے پہلے آپ کے رضاعی والد آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان کے لئے اپنی چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا۔ پھر رضاعی ماں آئیں تو آپ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا۔ اخیر میں رضاعی بھائی بھی آگئے، تو آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً حلیمہ کی مالی امداد فرماتے رہتے۔ ایک دفعہ انہوں نے مکّہ پہنچ کر اپنے افلاس اور تنگ دستی کی شکایت کی تو آپ نے حضرت خدیجہؓ کے مشورہ سے چالیس بکریوں کے پورے ریوڑ سے ان کی امداد کی حلیمہ نہایت خوش و خرّم آپ کو دعائیں دیتی ہوئی واپس ہوئیں۔

جنگِ حنین میں جب دشمن کے کئی ہزار آدمی قید کرئے گئے تو ان قیدیوں میں حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیما بھی تھیں جو آپ کو بچپن میں کھلاتی رہی تھیں۔ جب صحابہ کرامؓ نے اُن کو گرفتار کیا۔ تو کہنے لگیں کہ میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔ حضرات صحابہؓ ان کو تصدیق

کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ ان کو دیکھ کر فرطِ محبت سے آپکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ نے ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر مبارک بچھائی۔ دیر تک محبت آمیز باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جی چاہے تو مدینہ چل کر میرے پاس رہو اور چاہو تو تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیا جائے۔ انہوں نے وطن جانا منظور کیا آپ نے ان کو بہت سے اونٹ اور بکریاں عطا فرما کر ان کے گھر پہنچا دیا۔ اور شیما۔ کو رخصت کرنے کے بعد آپ نے غزوہ حنین کے تمام اسیرانِ جنگ کو بھی رہا کر دیا۔

اسباق واشارات

(۱) اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک اور مروّت سے پیش آنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور سنّت ہے۔

(۲) زید کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ مساوات اور رواداری کی بے نظیر مثال اور اس بات کا عملی نمونہ ہے کہ جو خود کھاؤ وہی غلاموں کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی اپنے غلاموں کو پہناؤ۔

(۳) بوقت ضرورت اپنے محسن کی مدد کرنا مروّت کا تقاضہ ہے۔

رسومِ جاہلیت سے بیزاری

حضرات انبیاء علیہم السلام پیدائشی طور پر ہی کفر و شرک اور ہر قسم کی برائی اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اور ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کی توحید اور معرفت سے لبریز ہوتے ہیں۔ خدا کی ذات وصفات میں ان کو کوئی شک وشبہ اور دھوکہ نہیں ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء ہی سے بت پرستی سے متنفّر اور کفر و شرک کی باتوں سے

بیزار تھے۔ آپ نے نہ کبھی بت کی پوجا کی، نہ ہی جاہلیّت کی کسی رسم میں شرکت کی۔

(۱) عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا۔ لوگ راتوں کو فارغ ہو کر جمع ہوتے، اور ایک شخص داستان شروع کرتا۔ لوگ بڑے ذوق شوق سے رات بھر سُنتے رہتے۔ بچپن میں آپ نے بھی ایک مرتبہ شریک ہونا چاہا۔ لیکن اتّفاق سے راستہ میں شادی کی کوئی تقریب تھی۔ آپ اس طرف متوجّہ ہو گئے۔ پہنچے ہی تھے کہ اس زور کی نیند آئی کہ پھر دن چڑھے ہی آنکھ کُھلی۔ دوسری دفعہ پھر آپ نے ارادہ کیا تو یہی صورت پیش آئی اور توفیقِ الٰہی نے دونوں دفعہ آپ کو محفوظ رکھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد پھر کبھی میرے دل میں اس قسم کا کوئی خیال پیدا نہیں ہوا۔ چونکہ ملکی اور وطنی عادات انسان میں خلقی عادات[1] کی طرح راسخ ہو جاتی ہیں۔ اس لئے نزولِ وحی سے قبل آپ کے قلبِ مبارک میں بتقاضائے بشریت ان کا خطرہ بھی نہ گذرتا تو قانونِ قدرت کے خلاف ہوتا۔ لیکن اگر آپ کی اس طرح تکوینی طور پر حفاظت نہ ہوتی تو عصمت کے منافی ہوتا۔ لہٰذا ارادہ کا ہونا بھی ضروری تھا، پھر حفاظت کے ایسے اسباب بھی سامنے آنے ضروری تھے۔ (ترجمان السنہ ج ۳ ص ۳۷۱)

(۲) مشرکین طواف کرتے ہوئے بتوں کو چھوتے تھے۔ ایک دفعہ زید بن حارثہؓ نے زمانۂ جاہلیّت میں آپ کے ساتھ طواف کرتے ہوئے بتوں کو چھوا۔ تو آپ نے منع فرمایا۔ حضرت زیدؓ نے اس خیال سے کہ بھلا دیکھوں تو سہی کہ ہاتھ لگانے سے کیا ہوتا ہے۔ دوسری دفعہ جب بُت کو چھوا تو آپ نے ذرا سختی سے فرمایا کہ تم باز نہیں آؤ گے؟ حضرت زید کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی بت کو ہاتھ نہیں لگایا۔
(ترجمان السنہ ج ۳ ص ۳۷۲)۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ نے کبھی کسی بُت کو پُوجا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ کیا کبھی

[1] پیدائشی عادات

آپ نے شراب پی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ میں ہمیشہ ان چیزوں کو کفر سمجھتا تھا۔ انبیاءؑ کی خلقت میں ایسی کوئی شے نہیں ہوتی جو ان کو کسی ادنیٰ سی بُرائی کی طرف مائل کر سکے۔ پھر شیطان جو شرّ کی خارجی طاقت ہے وہ بھی انکے سامنے سرنگوں ہوتی ہے اس لئے داخلی اور خارجی یعنی ظاہری و باطنی کسی جانب سے بھی ان میں شرّ کا داعیہ نہیں اُبھرتا۔ (ترجمان السنہ ج۔۳ ص۲۷۴)۔

(۴) ایّام جاہلیّت میں دوسروں کے سامنے برہنہ ہونا کوئی عیب شمار نہیں ہوتا تھا۔ مگر آپ کو یہ امر طبعًا ناگوار تھا۔ تعمیرِ کعبہ کے وقت جب آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ پتھر اُٹھا کر لا رہے تھے، اور آپ نے اپنا تہبند باندھ رکھا تھا اور اس کے سوا آپ کے جسمِ اطہر پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ تو آپ کے چچا حضرت عبّاس نے فرمایا عزیز بھتیجے اگر تم اپنا تہبند کھول کر کاندھوں پر پتھر کے نیچے رکھ لیتے تو آسانی ہو جاتی۔ ان کے فرمانے پر آپ نے تہبند کھول کر کاندھوں پر ڈال تو لیا[۱]۔ مگر اُسی وقت آپ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ آپکی آنکھیں اُوپر کو چڑھ گئیں[۲]، اور غیب سے آواز آئی کہ اے محمّد! (صلّی اللہ علیہ وسلم) ستر ڈھکو۔ وہ دن ہے کہ پھر کبھی آپ کو برہنہ نہیں دیکھا گیا اور یہ پہلی آواز تھی جو غیبی طور پر آپ کو دی گئی (ترجمان السنہ ج۔۳ ص۲۷۲)۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس غیر ارادی برہنگی پر بے ہوشی کا پردہ ڈال کر غیر مکلّف

---

[۱] سیرت الکبریٰ میں یوں لکھا ہے کہ آپ کو حضرت عبّاسؓ نے کہا کہ برادر زادے اپنا تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لو۔ مگر آپ کو برہنگی سے سخت نفرت تھی اسلئے آپنے توجّہ نہ فرمائی۔ جب حضرت عبّاسؓ نے خود چادر کا کنارہ پکڑا اور جھٹکا دے کر اس کو اُتار لیا تو آپ کے قلبِ مبارک پر اس کا یہ اثر ہوا کہ آپ برہنہ ہوتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد کبھی آپ برہنہ نہیں دیکھے گئے (سیرت الکبریٰ ج۔۱ ص۲۷)۔ [۲] آپ برہنہ ہوتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ جبتک آپ پر کپڑا نہ ڈال دیا گیا، آپ بے ہوش رہے۔

ہونے کی صورت میں آپ کی عصمت کو محفوظ فرما دیا۔ اور مشاہدہ کرا دیا کہ یہ وُہ ذات ہے جس کو ہر قسم کے ناپسندیدہ اخلاق سے تکوینی طور پہ پاک وصاف رکھا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی ہستی عام انسانوں سے بالکل علیحدہ اور ممتاز ہوتی ہے۔ معیاری اخلاق کے خلاف قدرت کو ان کا کوئی عمل گوارا نہیں ہوتا۔ قدم قدم پر ان کی حفاظت کی جاتی ہے۔

⑤ ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لا کر رکھا۔ اور اس مجلس میں زید بن عمرو بن نفیل بھی تھے۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا اور کسی بُت کے نام پر جانور ذبح کیا گیا تھا۔ آپ نے اس کے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مَیں بُتوں کے نام کا چڑھاوا اور ذبیحہ نہیں کھاتا۔ صرف وہی چیز کھاتا ہوں جس پہ اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ پھر زید بن عمرو سے کہا گیا تو انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ اور کہا کہ بکری کو اللہ نے پیدا کیا اُسی نے آسمان سے پانی برسایا اور اُس کے کھانے کے لئے اپنی زمین سے گھاس اُگایا۔ پھر تم غیر اللہ کے نام پہ کیوں ذبح کرتے ہو۔ مشرکین پہ یہ اعتراض نہایت شاق گذرا۔ (سیرت الکبریٰ ج ۔ اصلا ۲۷۴)۔

اسباق واشارات

① افسانہ گوئی اور اس قسم کی مجلس میں شرکت اللہ تعالےٰ کو پسند نہیں۔

② معیاری اخلاق کے خلاف عمل کرنا ناپسندیدہ اور غیر مہذب فعل ہے۔

③ غیر اللہ کے نام کا کھانا بالکل حرام ہے۔

توحید کی روشنی

قبل از نبوت

آفتابِ رسالت کے طلوع سے پہلے کفر و شرک کی تاریکی میں توحید کی خفیف شعاعیں پھیلنا شروع ہو گئی تھیں۔ جس طرح صبح کی روشنی آفتاب کے نور کا فیض ہے اسی طرح آپ کی بعثت سے پہلے بعض لوگوں کے دلوں میں شعاعِ توحید کی ضیا پاشی نورِ نبوت کا فیض تھا۔ چنانچہ قیس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبیداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیلؓ کے دلوں میں توحید کی روشنی جلوہ گر تھی۔ وہ بت پرستی سے متنفر دینِ حق کے متلاشی اور نبی آخرالزماں کے منتظر تھے۔

(۱) قیس بن ساعدہ: یہ اہل جاہلیت میں سب سے پہلے شخص ہیں، جو بعثتِ نبوی پر ایمان لائے۔ انہوں نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے آخری نبی کی دعوت کو قبول کرنے کی تاکید کی اور کہا کہ اگر میں اس وقت زندہ رہا تو سب سے پہلے ان کی دعوت پر لبیک کہوں گا۔

جب بکر بن وائل کا وفد مدینہ منورہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قیس بن ساعدہ کی نسبت دریافت فرمایا۔ انہوں نے گذارش کی کہ یا رسول اللہؐ! وہ سفرِ آخرت کر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا گویا میں ان کو سرخ اونٹ پر ایسی حالت میں دیکھ رہا ہوں کہ سوقِ عکاظ میں وہ اپنی قوم کو خطاب کر رہے ہیں۔ قیس کا اونٹ پر سوار ہو کر توحید کا خطبہ دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے حُسنِ کلام اور

لہ سیرت النبی ج۔ ا ص۱۹۳

پندو موعظت کی تحسین فرمانا ایسا شرف ہے جس سے کوئی دوسرا متنفس مشرف نہیں ہؤا۔ اور یہ برتری اور فضیلت ایّام جاہلیّت میں کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی۔ (سیرت الکبریٰ ج۔ ا ص ۲۷۳)

② زید بن عمرو بن نفیل : حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمِ محترم مکّہ معظّمہ کے سب سے مشہور موحد تھے۔ یہ بھی نبی آخرالزماں کی بعثت کے منتظر تھے۔ انہوں نے عامر بن ربیعہ صحابی کو وصیت کی کہ امید نہیں کہ میں اس وقت تک رہوں۔ اگر تم اس وقت تک زندہ رہو تو ان کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرنا۔ حضرت عامر بن ربیعہ کہتے ہیں کہ جب مجھے اسلام کی سعادت نصیب ہوئی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زید کا سلام پہنچایا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر ان کے لئے رحمت کی دعا کی اور فرمایا کہ میں نے زید کو جنّت میں راحت کے ساتھ دامن کشاں دیکھا ہے۔ (سیرت الکبریٰ ج۔ ا ص ۲۷۴)

حضرت عامر بن ربیعہ کا بیان ہے کہ زید بن عمرو سچے دین کے متلاشی تھے اور انہیں یہودیت، نصرانیت اور بت پرستی سے نفرت تھی۔ ایک دفعہ مجھ سے کہنے لگے۔ اے عامر! میں اپنی قوم کی راہ سے الگ ہوں۔ میں ملّتِ ابراہیمی کا پیرو ہوں۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام اور ان کے جانشین اسی قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔

③ ورقہ بن نوفل کا ذکر آگے آرہا ہے۔

عجائبات کا ظہور

جس طرح صبح کی روشنی سورج کی آمد کا پیغام لاتی اور ٹھنڈی ہوائیں بارش کا پتہ دیتی ہیں، اسی طرح جب آپ کی بعثت کا زمانہ قریب ہؤا۔ تو ایسے ایسے

واقعات کا ظہور ہوا جو آپ کی آمد آمد کی خبر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جن نفوسِ قدسیہ کو بندوں کی ہدایت کے لئے چُنتا اور منصبِ نبوت پر سرفراز فرماتا ہے، انہیں ایسے امتیازی نشانات اور علامات عطا کرتا ہے جن کا اظہار انسانی طاقت سے بالاتر ہوتا ہے۔ اور ان کی سچائی کیلئے ایسے ایسے عجائبات کا ظہور فرماتا ہے جو ان کے نبی ہونے کی کُھلی علامت اور روشن دلیل ہوتے ہیں۔

معجزہ

ایسے خرقِ عادت اُمور کو جو اللہ تعالےٰ کسی پیغمبر کی تصدیق اور سچائی کیلئے ظاہر فرماتے ہیں، معجزہ کہتے ہیں۔ اگر اس قسم کے عجائبات اور خوارق کا ظہور نبی کی بعثت سے پہلے ہو تو اسے ارہاص کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعض واقعات جن کا ظہور آپکی پیدائش کے وقت ہوا، ذکر کئے جا چکے ہیں۔ علاوہ ازیں فرشتوں اور نورانی بادلوں کا کبھی کبھی گرمی کے وقت آپ کے سر پر سایہ کرنا، آپ کی برکت سے حلیمہ کے جانوروں کا زیادہ دودھ دینا، شام کے سفر میں درختوں اور پتھروں کا آپ کو سلام کرنا، حضرت خدیجہ رضؓ کو پہلے کی نسبت بہت نفع ہونا بھی اپنے اپنے موقعہ پر بیان ہو چکا ہے۔ اب اُن عجائبات اور واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن کا ظہور قُربِ زمانۂ نبوت میں ہوا۔

فرشتوں کا خواب میں آنا | اب آپ کو خواب میں فرشتے نظر آنے لگے۔ ایک دفعہ آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ کعبہ میں آرام فرما تھے کہ تین فرشتے آئے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ ان میں سے وہ کون بزرگ ہیں؟ بیچ والے فرشتے نے آپ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ وہ جو سب سے بہتر ہیں۔ تیسرے نے کہا کہ ان میں سے بہتر کو لے لو۔ اس کے بعد وہ تینوں چلے گئے (سیرت الکبری ج۔ ۱ ص ۲۸۳ بحوالہ بخاری)۔

پتھروں اور درختوں کا سلام کرنا | آپ کی آمد سے پہلے اہلِ علم طبقہ کو ایک نبی

کی آمد کا انتظار تھا۔ اہلِ کتاب کے علماء اور درویش آپ کی تلاش میں چشم براہ تھے۔ اور آپ کی تشریف آوری سے قبل آپ کے توسّل سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ جب آپ کی بعثت کا زمانہ قریب آیا تو بے علم انسانوں میں بھی کچھ شعور پیدا ہونے لگا خفتہ طبیعتیں بیدار ہونے لگیں۔ حتیٰ کہ بے شعور مخلوق شجر و حجر بھی اس عظیم الشان ہستی کی آمد آمد سے متاثر ہونے لگے۔ آپ باہر تشریف لے جاتے تو جس پتھر اور درخت پر گذر ہوتا وہ آپ کو سلام کرتا۔ آپ اِدھر اُدھر دیکھتے تو کوئی نظر نہ آتا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مکہ معظمہ میں مجھے سلام کیا کرتا تھا۔

جانور سے انسانی آواز حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بُت خانہ میں سو رہا تھا کہ ایک شخص بچھڑا لایا اور بتوں کے لئے قربانی کی۔ تو اس سے بڑی شدت کے ساتھ کسی چیخنے والے کی آواز سُنائی دی کہ ایک خوش بیان آدمی کہتا ہے کہ "خدا کے سوا کوئی خدا نہیں"۔ یہ سُن کر اور لوگ تو بھاگ گئے مگر میں اس کی صحیح حقیقت معلوم کرنے کے لئے ٹھہر گیا۔ پھر وہی آواز آئی کہ ایک کامیاب بات ظاہر ہوئی کہ ایک فصیح شخص کہتا ہے کہ "ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں"۔ اس کے بعد میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ابھی کچھ ہی دن گذرے ہوں گے کہ یہ شہرت ہو گئی کہ آپؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ (ترجمان السنہ ج ۴ ص ۱۱۷ بروایت بخاری)

یہ آواز دراصل جنّات ہی کی آواز تھی۔ یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے اسلام سے قبل کا ہے اس لئے ان کا بُت خانہ میں ہونا کچھ جائے تعجب نہیں۔

ایک شخص کا بیان ہے کہ میں اپنے خاندان کی گائے چرا رہا تھا۔ میں نے اس کے اندر سے ایک آواز سُنی کہ ایک فصیح بات ایک خیر خواہ شخص کہتا ہے کہ "خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں"۔ اس کے بعد ہم مکہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوئِ نبوت کر چکے ہیں۔ (ترجمان السنہ ج ۴ ص ۱۱۹ بروایت مسند احمد)۔

جنّات کا اضطراب اور آسمان پر جانے کی بندش شیاطین کو آسمانی خبریں سُننے سے روک دیا گیا تاکہ وحیِ الٰہی اور کاہنوں کی خبروں میں اختلاط نہ ہو۔ ایک شخص کا بیان ہے کہ مَیں حالتِ کفر میں کاہن تھا۔ ایک دن میرا جنّ جو مجھے غیب کی خبریں دیا کرتا تھا، میرے پاس گھبرایا ہوا آیا۔ اور کہا۔ تم نے جنّات اور ان کی ناامیدی کا حال نہیں دیکھا کہ وہ اوندھے منہ ذلیل ہو کر کس طرح مایوس پڑے ہیں۔ اپنی اونٹنیوں اور کجاووں میں جا گھُسے ہیں۔ یعنی اب ان کی بستیوں میں آمد و رفت نہ ہوگی بلکہ جنگل میں رہا کریں گے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے ظہور اور بعثت کا حال بہت کچھ جنّات کو بھی معلوم ہو چکا تھا۔ جو ان کے لئے پریشانی کا موجب بنا ہوا تھا (رحمت للعالمین ج ۱ ص ۱۱۶)

کاہن غیب کی خبریں بتانے اور فال نکالنے والوں کو کاہن کہتے ہیں۔ ملائکہ کو انتظامِ دنیا کے لئے بارگاہِ خداوندی سے جب کوئی فرمان صادر ہوتا تو فرشتوں میں اس کا چرچا ہونے لگتا۔ شیاطین آسمان پر جا کر فرشتوں کی گفتگو سُن آیا کرتے اور واپس آکر اپنے کاہنوں کو اس کی اطلاع دیتے۔ کاہن اپنے من گھڑت ڈھکوسلوں کو مِلا کر لوگوں سے بیان کرتے اور غیب دانی کا دعوٰی کرتے۔ عرب میں ہر جگہ کاہن موجود تھے لوگ دُور دُور سے اپنی حاجتیں اور مشکلیں لے کر ان کے پاس جاتے۔ اور وہ عمومًا ان کو تسلّی بخش جواب دیتے۔ عرب میں کاہنوں کا سکّہ یہاں تک بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے سامنے کسی قبیلہ کے سردار یا حاکم کی بھی نہیں چلتی تھی۔ (سیرت الکبریٰ ج ۱ ص ۲۸۷)۔

تبصرہ اللہ تعالیٰ نے کارخانۂ عالم کو چلانے کے لئے کچھ اصول مقرر کئے ہیں جس کے مطابق یہ کارخانہ اس کے ارادہ اور حکم سے چل رہا ہے۔ اسے اختیار ہے کہ جب چاہے کسی چیز کو اس کے قاعدے اور قانون سے مستثنٰی قرار دیدے۔ اور بغیر اسباب کے کسی چیز کو پیدا فرما دے۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس چیز کو

کہہ دیتا ہے ہو جا، وہ ہو جاتی ہے"۔

حکومتیں اپنے معزز مہمانوں کی خاطر خصوصی اختیارات استعمال کرتی ہیں۔ ان کی آمد پہ سرکاری اداروں میں تعطیل کر دی جاتی ہے۔ سڑک پر پہرے لگ جاتے ہیں۔ عام لوگوں کو کچھ عرصہ کے لئے گذرنے کی ممانعت کر دی جاتی ہے۔ جب گورنمنٹ اپنے نظامِ حکومت کو کسی معزز مہمان کی آمد پہ بدل سکتی اور ملازمین سے کاروبار کی پابندی اُٹھا دیتی ہے۔ تو کیا وہ احکم الحاکمین جو سب کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے، یہ اختیار نہیں رکھتا کہ اپنے معزز مہمان یعنی رسولوں کی خاطر کارخانۂ عالم کے نظام کو بدل دے اور کسی چیز سے کچھ عرصہ کے لئے اپنے قانون کی پابندی اُٹھا دے۔

اللہ تعالیٰ جس ہستی کو رسالت کے لئے منتخب فرماتے ہیں، کوہ و صحرا، بحر و بر، شجر و حجر، جاندار اور بے جان بحکمِ الٰہی اس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں، اور اس کے لئے چشم زدن میں عرش پہ پہنچنا، اس کے اشارے سے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، تھوڑی سی غذا کا ایک جماعت کو سیراب کر دینا، اس کی اُنگلی سے پانی کی نہریں نکلنا، مُردے کا زندہ ہونا، ایک حقیقت بن جاتا ہے۔ وہ مٹھی بھر خاک سے پوری فوج کو تہ و بالا کر دیتا ہے۔ غرضیکہ وہ جو کچھ دیکھتا ہے، ہم نہیں دیکھ سکتے۔ جو کچھ سنتا ہے ہم نہیں سُن سکتے۔ جو کچھ جانتا ہے ہم نہیں جان سکتے۔ اور اس سے وہ اعمال صادر ہوتے ہیں جو اور کسی سے نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا گلزار ہو جانا، اور صالح علیہ السلام کے لئے پتھر سے اونٹنی کا پیدا ہونا، یعقوب علیہ السلام کا مصر سے یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھنا، موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بننا، ہاتھ کا چمکنا اور روشن ہونا، دریا کا پھٹ جانا، عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا، نابینا کو بینا کرنا، مُردہ کو زندہ کرنا، مہد میں گفتگو کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چشمِ زدن میں مسجدِ حرام سے مسجدِ

اقصیٰ اور وہاں سے آسمانوں پر جانا، انگلی کے اشارے سے چاند کا دو ٹکڑے ہونا قرآن مجید میں مذکور ہے۔

"زبان محض ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بولنے کی قوّت رکھی ہے۔ مگر اس پر کسی کو تعجب نہیں اگر وہ یہی قوّت جسم کے کسی دوسرے ٹکڑے، یا کسی بے جان چیز میں رکھ دے اور اُسے گویا کر دے تو کیا عجب ہے۔ آج کی دنیا برقی عمل سے لوہے اور لکڑی میں آواز پیدا کر دیتی ہے پس پیغمبروں کی تصدیق کیلئے بحکم الٰہی جانور کا بولنا، درخت اور پتھر کا سلام کرنا، فرشتوں کا نظر آنا، لکڑی سے آواز آنا کوئی قابلِ تعجب نہیں، بلاشبہ سچ اور یقینی ہے۔"

پس اس قسم کے واقعات کو تسلیم نہ کرنا اور بے سوچے سمجھے ان کا انکار کرنا کم فہمی کی دلیل ہے حالانکہ یہ واقعات آپکی نبوّت کی علامت اور آپکی سچائی کی شہادت ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ط

تحقیق اس میں نشانیاں ہیں واسطے عقل والوں کے۔

مبشّراتِ نبوّت

آمد بہار کی ہے، بُلبل ہے نغمہ سنج | اُڑتی سی اِک خبر ہے زبانی طیور کی

غارِ حرا میں عزلت گزینی جب آپ کی نبوّت کا زمانہ قریب آیا تو آپ کی طبیعت دنیا سے اُچاٹ اور عزلت گزینی سے مانوس ہونے لگی۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کے ساتھ خاص رحمت کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے قلب میں خلوت[1] و عزلت کا

---

[1] وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ○ (کہف) (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

داعیہ پیدا فرما دیتے ہیں۔ آپ کو تنہائی محبوب تھی۔ آپ ہر سال ماہِ رمضان میں غارِ حرا میں جاکر خلوت فرماتے، اور اللہ کی عبادت اور بندگی کرتے۔ دوسرے مہینوں میں بھی آپ کئی کئی دن مکّہ سے باہر گذارتے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چند روز کا کھانا ساتھ کر دیتیں۔ وہ ہو چکتا تو آپ گھر تشریف لاتے اور توشہ لے کر چلے جاتے، پھر بدستور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔

عالمِ غیب سے مناسبت جب آپ نے دنیا کے تعلّقات سے الگ ہو کر مالکِ حقیقی کے ساتھ لَو لگائی اور غیروں کی محبّت کے سب علاقے منقطع ہو گئے۔ پھر کسی سے جس قدر تعلّق اور لگاؤ رہا، وہ بھی اسی کے حکم اور اسی کی رضا کے لئے تھا۔ اس یکسوئی اور کامل توجّہ کی برکت سے آپ کو عالمِ غیب سے بہت مناسبت ہو گئی اور بالآخر فرشتے نظر آنے لگے۔ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو کر رہتا اور بعینہٖ وہی پیش آتا۔ خوابوں کا یہ سلسلہ قریباً چھ ماہ تک جاری رہا۔ جب آپ کے قلبِ مطمئن میں وحی الٰہی کے تحمّل کی استعداد پیدا ہو گئی، تو حالتِ بیداری میں آپ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی۔

اسباق و اشارات

(۱) حصولِ قرب کیلئے اللہ والوں کو ابتدا میں مجاہدہ اور ریاضت کی ضرورت ہے۔

(۲) خلوت اور عزلت یعنی مخلوق سے علیحدگی کا داعیہ اللہ کی خاص رحمت ہے۔

(۳) خلوت میں یکسوئی سے اللہ کی یاد کرنا نُورٌ علیٰ نُور ہے۔ اس سے اللہ کی

جب تم ان کافروں سے اور ان کے تمام معبودوں سے سوائے اللہ کے الگ ہو جاؤ تو ایک غار میں جاکر ٹھکانا بناؤ تاکہ اطمینان سے اللہ کی عبادت کر سکو۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں برسائے گا اور ہر کام میں تمہارے لئے سہولت پیدا فرمائے گا۔

محبت غالب اور غیر اللہ کی محبت مغلوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ایک خاص تعلّق اور لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔

④ ماسوائے کی محبت منقطع ہو جانے پر علم و حکمت کے دروازے کھلتے ہیں۔

⑤ کھانے پینے کا انتظام توکّل کے منافی نہیں بلکہ رزق خداوندی کی طرف اپنی ضرورت اور حاجت کا اظہار ہے۔

آفتابِ نبوّت کا طلوع

جس معزز مہمان کے لئے بساطِ عالم بچھائی جا رہی تھی اور اللہ کے برگزیدہ پیغمبر یکے بعد دیگرے جس کی بشارت دیتے آ رہے تھے، دینِ حق کے متلاشی جس کی آمد کے منتظر تھے۔ وقت آ گیا کہ وہ تشریف لائے اور دنیا کی تاریک فضاء کو توحید کی روشنی سے منوّر کرے۔ چنانچہ غارِ حرا سے آفتابِ نبوّت نے طلوع فرمایا۔

نزولِ وحی جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہو گئی تو آپ حسبِ معمول غارِ حرا کے اندر عباداتِ الٰہی میں مستغرق تھے کہ اللہ کے بزرگ فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السّلام نے بشر کی صورت میں سامنے آ کر ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی سب سے پہلی وحی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝[1] پیش کی اور کہا کہ پڑھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے اس لئے جواب دیا کہ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتے نے آپ کو پکڑا اور اس شدّت سے بھینچا

---

[1] ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا۔ بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔

کہ آپ کو انتہائی مشقت اور تکلیف محسوس ہوئی۔ اس کے بعد چھوڑ دیا، اور پھر کہا کہ پڑھو۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ اور پے در پے تین دفعہ ایسا ہونے پر علومِ الٰہی کے خزانوں سے سینۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم لبریز ہو گیا۔ تو آپ نے بسم اللہ کہہ کر وحی ربانی کو پڑھا۔ اور جبرائیلؑ امین نے سمجھا دیا کہ آپ ﷺ اللہ کے مقبول پیغمبر ہیں۔ خلق کی ہدایت آپ کا فرضِ منصبی اور توحید کی تعلیم آپ کا مہتم بالشان کام ہے۔ اس موقعہ پر جبرائیل امینؑ نے آپ کو وضو کرایا، نماز[1] سکھائی اور غائب ہو گئے۔ (اسلام مؤلفہ حضرت میرٹھیؒ)

وحی کے اثرات ① جبرائیل علیہ السلام نے جب آپ کو منصبِ نبوت کی بشارت دی تو آپ نے اللہ کے پیغام کو قبول کیا، اور آپ کو اس امر کا کلی اطمینان اور یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی ہے۔

② جبرائیل علیہ السلام کے بھینچنے سے جب آپ کے باطن پر ملکوتی انوار کا جلوہ ہوا تو آپ کا سینہ وحی کا بار اُٹھانے کے لئے کشادہ ہو گیا۔ اور آپ پر علم و حکمت کے دروازے کُھل گئے۔

③ وحی کی عظمت و جلال سے متاثر ہو کر آپ کے بدن پر لرزہ اور کپکپی طاری ہو گئی۔ اسی حالت میں آپ واپس لوٹے۔ راستہ میں جس درخت اور پتھر پر آپ کا گذر ہوتا، وہ آپ کو "السلام علیکم یا رسول اللہ" کہتا۔ گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔ زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ (مجھے جلد کپڑا اُوڑھاؤ)۔ جب کچھ دیر کے بعد سکون ہوا تو آپ نے تمام ماجرا حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔

ثقلِ وحی حق تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل

[1] نماز فجر اور عصر سکھائیں اور ابتدا میں یہی دو نمازیں تھیں پانچ نمازوں کا حکم شبِ معراج میں ہوا۔

عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ — فرماتے تو وہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

گویا پہاڑ بھی بارِ وحی کا تحمّل نہ کر سکتا۔ اگر کبھی سوار ہونے کی حالت میں آپ پر وحی نازل ہوتی تو ناقہ آپ کا بوجھ نہ اٹھا سکتی اور مجبوراً بیٹھ جاتی۔ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ کی ران میری ران پر تھی کہ وحی نازل ہو گئی۔ مجھ پر اتنا بوجھ پڑا کہ اپنی ران کے چُور ہونے کا اندیشہ ہو گیا۔ غرضیکہ انسان حیوان اور پہاڑ وحی کے بار کا تحمّل نہیں کر سکتے۔ صرف انبیاء علیہم السّلام کے نفوسِ قدسیہ ہی (جو پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہیں) اس بارِ عظیم کے اٹھانے کے اہل ہیں۔ جب آپ پر اچانک اس ذمہ داری کا بار پڑا تو وحی کی عظمت و جلال سے آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر وحی کی یہی شدّت رہی تو تعجب نہیں کہ میری بشریت وحی کے اس ثقل اور بار کو نہ برداشت کر سکے اور بارِ نبوّت سے مغلوب ہو کر فنا ہو جائے۔ مگر وحی کے متواتر نزول سے وہ ہیبت جاتی رہی، اور آپ کی طبیعت اس سے یہاں تک مانوس ہو گئی کہ جب چند روز کیلئے وحی کا آنا رُک گیا[1] تو آپ کو اس قدر حزن و ملال ہوا کہ بار بار پہاڑ پر جاتے اور چاہتے کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیں۔ مگر آپ جب ایسا ارادہ فرماتے تو فوراً جبرائیل امین ظاہر ہوتے اور یہ فرماتے:

یَا مُحَمَّدُ اِنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا — یعنی آپ بلا شبہ اللہ کے رسول برحق ہیں

یہ سُن کر آپ کے قلب کو سکون ہو جاتا۔

حضرت خدیجہؓ کی تصدیق (۱) حضرت خدیجہؓ نے اس واقعہ کو سُن کر فرمایا کہ آپ

---

[1] وحی کے رُک جانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا نازل ہونا چند روز کے لئے بند ہو گیا اور یہ مطلب نہیں کہ جبرائیل علیہ السّلام کا آنا بند ہو گیا۔ جبرائیل امین کی آمد و رفت برابر جاری رہی۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۱، ص ۱۶۵)۔

ہرگز نہ ڈریئے۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی شرمندہ اور رسوا نہ کریں گے کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، امانت دار ہیں، لوگوں کے بوجھ اُٹھاتے اور ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمانوں پر خرچ کرتے اور مخلوقِ خدا کی امداد فرماتے ہیں۔ پھر آپ کیسے ناکام رہ سکتے ہیں کیونکہ خدا ایسے نیک طینت اور بلند فطرت انسان کو کبھی ناکام نہیں کرتے۔ یہ کہہ کر تسلّی دی، اور آپ کے رسولِ برحق ہونے کی تصدیق فرمائی۔ (ترجمان السنہ ج۔۳ ص۱۸۲)۔

نوٹ: صاحبِ واقعہ کو وہی شخص تسلّی دے سکتا ہے جو اس واقعہ سے طبعاً متاثر نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تو یہ واقعہ گذرا تھا اور آپ اس سے طبعاً متاثر تھے۔ لیکن بی بی صاحبہ پر چونکہ یہ واقعہ گذرا نہیں تھا اس لئے وہ اس سے متاثر اور خائف نہیں تھیں۔ "شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ"۔ اس سے یہ امر واضح ہے کہ تسلّی دینے والے کا افضل یا اعلم ہونا لازم نہیں آتا۔

(۲) نزولِ وحی کا واقعہ معلوم ہونے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ذوق و شوق کی حالت میں عداس کے پاس تشریف لے گئیں جو حضرت معاویہؓ کے نانا عتبہ بن ربیعہ کے غلام اور مذہباً عیسائی تھے۔ نینوا کے رہنے والے نیک بزرگ تھے۔ کچھ مدّت سے مکّہ معظمہ میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہیں آسمانی کتابوں پر بہت عبور تھا۔ اُم المؤمنین نے عداس کو خدا کی قسم دے کر پوچھا کہ جبریل کی نسبت تم کیا جانتے ہو۔ اس نے کہا۔ وہ نبیوں کے پاس اللہ تعالےٰ کے احکام پہنچانے والے امانت دار فرشتے ہیں۔ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السّلام کے پاس وہی پیغامِ ربّانی پہنچایا کرتے تھے۔ یہ سُن کر حضرت خدیجہؓ مطمئن ہو کر واپس تشریف لے آئیں (سیرالکبریٰ ج۔۱ ص۲۹۵)

تبصرہ

(۱) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ اخلاق

کی عینی شہادت ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ اوصافِ خیر لوگوں میں عام طور پر مشہور تھے اور کسی انسان کی بلندی کا سب سے اعلیٰ معیار سمجھے جاتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت خدیجہؓ نے بے ساختہ یہاں ان کا ذکر کیا ہے۔

(۲) جو شخص ان اوصافِ حمیدہ سے موصوف ہو، اللہ تعالیٰ اسے ذلت و رسوائی اور ناکامی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

(۳) جب اللہ تعالیٰ کسی کو عہدۂ نبوت پر سرفراز فرماتے ہیں تو ان کو اس مقامِ جلیل پر فائز ہونے کا یقینی اور قطعی علم بھی عطا فرما دیتے ہیں مگر طبعی مقتضیات باقی رہتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام عصا ڈالتے ہیں۔ وہ سانپ بن جاتا ہے۔ آپ کو اس کے عصا ہونے اور بطور معجزہ سانپ بن جانے کا پورا پورا یقین ہے تاہم آپ اس سے ڈر کر دوڑتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَأَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا	اور (اے موسیٰ) تم اپنا عصا (زمین پر)
تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ	ڈال دو۔ سو جب انہوں نے اس کو
مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ	اس طرح حرکت کرتے دیکھا جیسے سانپ ہو
يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ	تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا
(النمل آیہ ۱۰)	(ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰ ڈرو نہیں۔

ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملتی ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام پوری ملکی شان سے ظاہر ہوتے ہیں۔ سارے افق کو اپنے عظیم جسم سے بھر دیتے ہیں پھر اُتر کر آپ کے پاس آتے اور آپ کو تین مرتبہ بھینچتے ہیں اور آپ کے دل پر وہ کلامِ الٰہی اتارتے ہیں کہ اگر پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ الغرض ایک فرشتے کی ہیبت، دوسرے وحی کے ثقل اور وہ بھی اچانک کہ اس سے پیشتر اس کا تجربہ نہیں ہوا تھا، اس سے طبعی خوف و خشیت کا پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا۔

ورقہ بن نوفل

نزولِ وحی کا واقعہ سُنتے ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی تصدیق فرمائی پھر مزید اس سے استفسار کرکے تنہا اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو تورات اور انجیل کے بڑے عالم تھے۔ بُت پرستی سے بیزار ہو کر نصرانی بن گئے تھے۔ اور علمی طور پر انبیائے بنی اسرائیل کے حالات اور وحی کی کیفیات سے واقف تھے۔ ان سے یہ واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے سُن کر کہا کہ اگر تو سچ کہتی ہے تو ان کے پاس وہی فرشتہ آتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے ہمراہ لے کر ورقہ کے پاس گئیں جو اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ اور کہا کہ اے میرے چچا زاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کا حال سُنیئے۔ ورقہ نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے بھتیجے بتائیے کہ آپ نے کیا دیکھا۔ آپ نے تمام واقعہ بیان فرمایا۔ ورقہ نے آپ کا حال سُن کر کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اُترتا تھا۔ کاش میں قوی ہوتا یا کم از کم اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔ آپ نے بہت تعجب سے فرمایا۔ کیا وہ مجھ کو نکال دیں گے ورقہ نے کہا۔ جو پیغمبر بھی اللہ کا کلام اور پیام لایا، لوگوں نے اس کی دشمنی پر کمر باندھی۔ اگر میں زندہ رہا تو آپ کی پُرزور حمایت کروں گا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔

ورقہ کے پاس جانے کا مقصد ① جب آدمی خلافِ توقّع کوئی بہت بڑی خوش خبری سُنتا ہے تو جامہ میں پھولے نہیں سماتا اور مزید تسلّی کیلئے کھود کرید کرتا ہے۔ بار بار اس کے ذکر سے لذّت یاب ہوتا اور تازہ لطف حاصل کرتا ہے۔ گویا اس چھان بین سے اس کے یقین میں ترقّی، طلب میں زیادتی اور لذّت میں

تازگی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی وحی کی خوش خبری پاکر ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے گئیں۔ ان کے جانے کا ایک سبب اور منشا یہی جذبہ اور ذوق و شوق تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے جذباتِ شوق کو نہیں روکا کیونکہ اس سے ان کی طبیعت کھلتی اور یقین بڑھتا تھا اور راہِ حق میں ترقی ہوتی تھی۔ نبوّت کی تبلیغ اور اشاعت کی بھی یہ ایک قدرتی صورت تھی۔

(۲) قدرت کے تکوینی اُمور بہت سی حکمتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اسی طرح بی بی صاحبہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو از خود ورقہ کے پاس لے جانا بھی حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں تھا۔ ورقہ اہلِ کتاب کا بڑا عالم تھا۔ انبیاء کے متعلق اس کی رائے معتبر تھی۔ اس کا از خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئ نبوت کو دعوتِ ایمان سے قبل تصدیق کرنا شَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا کا مصداق اور خصوصًا اہلِ کتاب پر جس قدر حجت اور اہلِ عرب کی تصدیق کا جس قدر داعی ہو سکتا ہے وُہ واضح ہے۔ اگر آپ پہلے دعوت دیتے پھر تصدیق ہوتی جیسا کہ موسٰی علیہ السّلام وغیرہ انبیاءؑ نے کیا تو وہ بھی بے شک صحیح اور کافی ہوتا لیکن اس میں اتنا وزن نہ ہوتا پس دوسرے انبیاء نے پہلے دعوت دی پھر تصدیق ہوئی۔ آپ کی تصدیق پہلے ہوئی پھر آپ نے دعوت دی۔ یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اسی وجہ سے آپ خود نہیں گئے، بلکہ بی بی صاحبہ آپ کو لے گئیں۔ الغرض اس طبعی خوف اور اس کے تاثر میں ایک حکمت یہ بھی تھی۔ (حاشیہ فیض الباری ج ۱ ص ۲۶-۲۸)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ آپ کا تشریف لے جانا کسی شک و تردّد کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ نزولِ وحی کے بعد رائی برابر تردّد اور شک کا ہونا بھی ناممکن تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو خلعتِ نبوّت سے سرفراز فرماتے ہیں تو فورًا اس کا قطعی اور یقینی علم بھی عطا فرماتے ہیں۔ اسلئے ورقہ کی ملاقات

سے پہلے ہی آپ کو منجانب اللہ اپنی نبوّت اور رسالت کا یقین ہو چکا تھا۔ غارِ حرا سے واپسی پر شجر و حجر اور در و دیوار سے "السّلام علیک یا رسول اللہ" کی آوازیں سُنتے تھے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ جبرائیلؑ کے کہنے سے تو یقین نہ آئے اور ورقہ کے کہنے سے یقین آئے ورقہ تو صرف علمی طور وحی کی کیفیات کو جانتا تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی اور نبوّت کو پا چکے تھے۔ آپ کو اپنی نبوّت اور رسالت کا اس قدر کامل یقین تھا کہ آپ کا ایمان تمام اُمّت کے ایمان سے وزنی تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ پر ایمان لا چکی تھیں، اور ان کے دل میں مسرّت کی بے انتہا لہریں اُٹھ رہی تھیں، صرف آپ کے اضطراب کی وجہ سے پریشان تھیں۔ ورقہ چونکہ انبیائے سابقین کے حالات سے واقف تھے، اس لئے آپ کو ان کے پاس لے جانے کا ایک منشا یہ بھی تھا کہ آپ کی طبیعت کا بار اور خوف و اضطراب جو نزولِ وحی سے پیدا ہوا ہے، مبدل بہ سکون ہو جائے اور انبیائے سابقین کے حالات اور وحی کی کیفیت سُن کر جاتا رہے اور آپ کے قلب کو تقویت ہو، تاکہ وہ مشکلات اور ذمہ داریوں کا تحمّل کر سکے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی انبیائے سابقین کے بعض قصص کا بیان آپ کے قلب کی مضبوطی اور مشکلات کی سہار کے لئے کیا گیا ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِىْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝	اور رسولوں کے واقعات میں سے یہ تمام واقعات جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں انکی وجہ سے آپ کے قلب کو تقویت دیتے ہیں اور ان واقعات کے بیان کرنے میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچتا ہے جو حق اور صحیح ہے اور اہل ایمان کے لئے نصیحت اور یاد دہانی ہے۔
(سورہ ہود۔ آیۃ ۱۲۰)	

اشارات

(۱) پیش آمدہ واقعات یا حادثات کا اپنے سمجھ دار گھر والوں پر پیش کرنا تسلّی کا موجب ہوتا ہے۔

(۲) اس سے طبیعت کا بار ہلکا ہوتا ہے۔

(۳) آدمی کے لئے فہیم اور ہمدرد رفیقۂ حیات سکون کا باعث ہوتی ہے۔

(۴) انبیاء علیہم السّلام اور سلف صالحین کے قصص سے ایمان میں تازگی اور یقین میں پختگی پیدا ہوتی ہے، طبیعت کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

(۵) ذوق وشوق سے طبیعت کھلتی ہے اور اس سے طلب اور یقین میں ترقی ہوتی ہے

رسول اور اس کی خصوصیّات

رسول خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے، وہ خدا کا ترجمان ہوتا ہے۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ جو کہتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام ملتے ہیں مخلوق کو پہنچاتا ہے۔ اس لئے اس کا ہر حکم واجب التعمیل اور اس کی اطاعت فرضِ عین ہے۔ وہ صفاتِ خداوندی کا صحیح نقشہ اور کامل نمونہ ہوتا ہے۔ اس کی زندگی معیاری ہوتی ہے جس پر انسانی زندگی کی تعمیر اور کھرے کھوٹے کی جانچ کی جاسکتی ہے۔

اصلی معجزہ نبی اپنی ذات اور تمام صفات میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی صداقت اور سچائی کے لئے کبھی کبھی اس کے ہاتھوں معجزات کا ظہور فرماتے رہتے ہیں مگر نبوّت کی اصل دلیل اور علامت نبی کی تعلیم اور عملی زندگی

ہے۔ درحقیقت پیغمبر کا اصل معجزہ تو خود اس کا سرتاپا وجود اور اس کی ذات ہوتی ہے۔ اکثر لوگ اس کی دعوت کو سُن کر اور اس کے روئے انور کو دیکھ کر ہی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ کتنے اعرابی تھے جنہوں نے آپ کی نبوّت کا چرچا سُنا لیکن اس دعویٰ کی صداقت نے ان کے دل میں پوری طرح گھر نہیں کیا تھا مگر جب اتفاق سے آپ کے دیدار کا موقعہ ملا، تو جھٹ پکار اُٹھے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پکار اُٹھے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ مگر جو لوگ معاند، سیاہ دل اور پست ضمیر ہوتے ہیں ان کو اس سے تسکین نہیں ہوتی وہ حسّی معجزوں کے طلب گار ہوتے ہیں۔

معجزہ سے ہر شخص کو ہدایت نہیں ملتی۔ اس کے لئے بھی استعداد کی ضرورت ہے۔ جن لوگوں کی استعداد کامل ہوتی ہے ان کو پیغمبر کی دعوت قبول کرنے کے لئے معجزہ کی حاجت نہیں ہوتی۔ چنانچہ سابقین اوّلین اور صدیقین صالحین نے اپنے پیغمبروں سے معجزہ طلب نہیں کیا۔ لیکن معاندین کے لئے معجزہ کی شہادت بے کار ہوتی ہے۔ معجزہ طلب کرنے والا فرقہ شاذ ونادر ہی دولتِ ایمان پاتا ہے۔ ابوجہل معجزہ دیکھ کر بھی کافر ہی رہا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صرف دعوتِ نبوّت کو سُن کر ایمان لے آئے۔ البتہ بعض متاثر طبیعتیں جن پر غفلت کا پردہ پڑا ہوتا ہے، معجزہ کو دیکھ کر فوراً پیغمبر کے دعوے کو تسلیم کر لیتی ہیں۔

خصوصیاتِ رسول ① قرآن کریم سے جو خصائص اطاعتِ رسول کے معلوم ہوتے ہیں، ان سے پایا جاتا ہے کہ رسول کے ہر حکم کی اطاعت اور فرمانبرداری فرضِ عین ہے۔ پیغمبر کے سوا کسی اور کو یہ مقام حاصل نہیں۔

② اس کے فیصلہ کا کہیں اپیل نہیں۔ ③ اسکے فیصلہ پر راضی ہونا ایمان کی شرط ہے۔

④ اس کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ ⑤ ہدایت اسی کی اطاعت پر منحصر ہے۔

(۶) رسول براہِ راست اللہ سے تعلیم حاصل کرتا ہے اور اسے لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

(۷) وہ اپنی خواہش اور ارادے سے کچھ نہیں کہتا۔ جو کہتا ہے اللہ کے حکم سے کہتا ہے۔

(۸) نبی اور رسول گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ قدرت اس کی ہر حرکت اور فعل کی حفاظت فرماتی ہے۔

(۹) رسول خدا کے حکم کا تابع ہوتا ہے، اور کسی کے مشورہ کا تابع نہیں ہوتا۔

(۱۰) اس کے سامنے بڑھ کر بات کہنا منع ہے۔ اس کے سامنے اونچی آواز سے بولنا اور اسے عام لوگوں کی طرح پکارنا، عملوں کو برباد کرتا ہے۔

(انتخاب از ترجمان السنہ۔ جلد ۱)

وحی | جس ذریعے سے اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو اپنے احکام پہنچاتے ہیں اسے وحی کہتے ہیں۔ پیغمبر کی رُوح کو عالمِ اجسام کے علاوہ عالمِ غیب سے بھی تعلق اور لگاؤ ہوتا ہے۔ آپ کے پاس اکثر جبرائیل علیہ السلام وحی لایا کرتے، مگر کبھی اللہ تعالیٰ بِلا واسطہ آپ سے کلام فرماتے اور کبھی آپ کے قلب پر وحی القا فرماتے۔

عصمتِ رسول | ذاتِ خداوندی جب اپنی رسالت کے لئے کسی کا انتخاب کرنا چاہتی ہے تو اسی کا انتخاب کرتی ہے جس میں اس کی نافرمانی کا کوئی احتمال نہ ہو۔ دنیا کے بادشاہ بھی ایسے شخص کا انتخاب نہیں کرتے جن کے بارے میں ایک فیصدی بھی خلاف جانے کا احتمال ہو۔ مگر ان کا علم چونکہ ناقص ہوتا ہے اس لئے بعض مرتبہ غلط انتخاب کی صورت میں تباہ کن نتائج سامنے آتے ہیں۔ لیکن پروردگارِ عالم کے علم میں تو غلطی کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کا خود معصیت کرنا تو درکنار کسی دوسرے کا قدم معصیت کی طرف اٹھتا دیکھ کر بھی وہ سکوت نہیں کر سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام پر اعتراض کرنا اس پر شاہد ہے۔ (ترجمان السنہ ج۔۳ صہ ۲۳۳)۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو صرف عبادت کرنے کا ہی حکم دیا ہے معصیت کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اگر آپ کے افعال و اقوال میں معصیت کا احتمال ہوتا تو پھر کیسے ممکن تھا کہ ہر ہر معاملہ میں آپ کی اتباع کا حکم دیا جاتا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ آپ کی زندگی صغیرہ و کبیرہ ہر دو قسم کے گناہوں سے پاک ہے۔ (ترجمان السنہ ج ۳۔ ص۳۵۵)

فرشتوں کو معصیت کرنے کی قدرت ہی نہیں دی گئی۔ اس لئے وہ گناہ نہیں کر سکتے اور معصوم ہیں۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ اس درجہ مہذب، پاکیزہ اور منوّر ہوتے ہیں کہ اسباب اور دواعی کے موجود ہوتے، قدرت اور اختیار کے باوجود اپنے قصد اور ارادہ سے کسی ادنیٰ معصیت کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔[1]

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ احقر کے نزدیک انبیاء علیہم السلام صغائر و کبائر ہر دو قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اپنی نبوّت سے قبل بھی اور بعد بھی۔ (ترجمان السنہ ج ۳۔ ص۳۵۵)

نبی کی زندگی ہر قسم کی برائیوں اور گناہوں سے پاک و صاف ہوتی ہے۔ قدرت ہر وقت ان کے اعمال و اخلاق حتیٰ کہ قلبی خطرات اور وساوس کی بھی نگرانی اور حفاظت فرماتی ہے۔ لوگوں کے لئے ان کی پوری زندگی مجسم نمونۂ عمل ہوتی ہے۔ وہ جو بھی کہہ دیتے ہیں سب خواہشِ نفس سے پاک، اور جو کرتے ہیں وہ سب نیکی ہی نیکی ہوتی ہے۔ ان سے کسی قسم کا گناہ نہ رسالت سے پہلے اور نہ بعد کی زندگی میں صادر نہیں ہوتا۔ وہ خدا کی مرضی کے خلاف کسی کام کو ہرگز اختیار نہیں کر سکتے۔ اگر بھول چوک اور قیاس اور رائے کی غلطی سے مقابلتاً کسی کم افضل کام کو اختیار کر لیں یا غیر مرضی کو خدا کی مرضی سمجھ کر عمل کر گذریں تو یہ امر عصمت کے منافی نہیں۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور بعض دیگر انبیاء

---

[1] معصیت کے لئے قصد اور ارادہ ہونا ضروری ہے۔ انسان کے وہ افعل جو اس کے قصد و اختیار سے نہ ہوں وہ معصیت کی تعریف میں نہیں آتے۔

علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے واقعات شاہد ہیں[1]۔ اس لئے ایسے واقعات پر لب کشائی کرنا اپنے ہی ایمان اور آخرت کا نقصان کرنا ہے۔

اسلام میں رسول کا تصوّر رسول اپنی تمام عظمتوں اور مراتبِ قرب کے باوجود الوہیت کے تصور سے یکسر خالی ہوتا ہے۔ وہ ایک انسانِ کامل ہوتا ہے اور عام انسانوں پر اس کی برتری سمجھنے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ اور اس کا پیغمبر ہے اور اس کی جانب سے منصبِ اصلاح پر کھڑا کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان ہو۔ کیونکہ اصلاح کے لئے صرف علم کافی نہیں بلکہ احساس کی بھی ضرورت ہے۔ جو غم نہیں کھا سکتا وہ ایک غم زدہ کی پوری تسلّی بھی نہیں کر سکتا۔ جو بھوک سے آزاد ہے وہ ایک بھوکے کے ساتھ صحیح دلسوزی بھی نہیں کر سکتا اور جو فطرتِ انسانی کی کمزوریوں سے آشنا نہیں وہ ان کمزوریوں پر اغماض بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے قرآن کریم نے جا بجا بعثت کے ساتھ رسولوں کا انسان ہونا ایک مستقل انعام قرار دیا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ۔	(آل عمران ۱۶۴)	حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب کہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک پیغمبر کو بھیجا۔

علاوہ اس کے اگر رسول انسان نہ ہوں تو وہ انسانوں کی پوری اصلاح نہیں کر سکتے۔ اور نسلِ انسانی پر یہ ایک بدنما داغ ہوتا کہ اشرف المخلوقات کا مصلح و مربّی کسی اور نوع میں پیدا کیا جائے۔ اس لئے خود رسول اور نوعِ انسانی کا شرف و کمال یہی تھا کہ رسول انسانوں میں سے ایک انسان ہوتا۔ (ترجمان السنہ ج۔ ا ص۴۵۵)۔

---

[1] دیکھو حاشیہ سورۃ مائدہ پارہ ۶۔ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ ۔ ازشیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔

اسباق و اشارات

(۱) اللہ کے ولی اور مقبول بندے کے چہرے کا نور ہی اس کی صداقت کی دلیل[1] ہوتا ہے۔ وہ شریعت کا پورا پورا پابند ہوتا ہے۔ شریعت کے خلاف چلنے والا آدمی بزرگ اور اللہ کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اس سے عجیب عجیب قسم کی باتیں ظاہر ہوں۔ خواہ وہ ہوا میں اُڑتا اور پانی پر بھی کیوں نہ چل سکتا ہو۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

"جس آدمی نے پیغمبر کے خلاف راستہ اختیار کیا، وہ ہرگز منزلِ مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔"

(۲) نبی کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور نجات کا ذریعہ ہے۔

(۳) نبی معصوم ہوتا ہے۔ اس سے کبھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوتا۔ جہاں کہیں اس کی رائے خطا اور غلطی کرتی ہے تو اللہ وحی کے ذریعہ اس کی اصلاح کرتے اور حفاظت فرماتے ہیں۔ انبیائے کرامؑ کے ایسے واقعات کو زیرِ بحث لانا اور ان پر تنقید کرنا خطرہ سے خالی نہیں بلکہ کم فہمی کی دلیل ہے۔

(۴) رسول کے انسان اور بشر ہونے کا انکار کرنا۔ قرآن مجید کے فیصلہ کا انکار ہے۔ رسول کے متعلق خدائی تصور عیسائیت کا راستہ ہے، اور اسے خدا کا اوتار سمجھنا ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔

خاتم النبیینؐ

اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا۔ پھر جب

---

[1] مردِ حقانی کی پیشانی کا نور   کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو نُورِ محمدیؐ سے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا۔

نبوّت کا پہلا انتخاب آدم علیہ السّلام کا پُتلا تیار ہونے اور اس میں رُوح پھُونکنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوّت سے سرفراز ہو چکے تھے، اور "خاتم النّبیین بنا دیئے گئے تھے۔ گویا نبوّت کو شروع کرنے والے اور ختم کرنے والے آپ ہی ہیں۔ لیکن اس عالم میں آپ کی نبوّت کا ظہور سب سے آخر ہوا، اور آدم علیہ السّلام کی تشریف آوری اور ان کی نبوّت کا ظہور سب سے پہلے ہوا۔ اس لئے آپ کو آخری نبی اور آدم علیہ السّلام کو پہلا نبی کہا جاتا ہے۔

قصرِ نبوّت کی آخری اینٹ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اُسے خوب آراستہ پیراستہ کیا۔ مگر اس کے ایک گوشہ میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ۔ لوگ آ آکر اس کے گرد گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی (تاکہ یہ عیب بھی نہ رہتا)۔ میں نے آکر اس اینٹ کی جگہ کو پُر کر دیا۔ اب قصرِ نبوّت میری آمد سے مکمّل ہو گیا اور مجھ پر تمام رسول ختم کر دیئے گئے۔

یعنی جس طرح اس محل میں جو ہر طرح مکمّل ہو چکا ہے، اور اب کسی اور اینٹ

نوٹ : یہ مضمون بعنوان "خاتم النّبیّین" ترجمان السنہ ج۔ ا سے ماخوذ ہے۔

[1] نورِ محمدی سے رُوحِ محمدیؐ مراد ہے۔ اس نور کے فیض سے کوئی مادہ بنایا گیا جس سے مخلوق کو پیدا فرمایا (نشر الطیب)۔ [2] کسی عہدے کیلئے امیدواروں کا انتخاب پہلے کیا جاتا ہے اور تقرری بعد میں کی جاتی ہے۔ منصب نبوّت کیلئے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا گیا۔ اس لحاظ سے آپ نبوّت کو شروع کرنے والے ہیں لیکن آپ کا زمانۂ نبوّت سب نبیوں سے بعد رکھا گیا۔ اس لحاظ سے آپ آخری نبی ہیں۔

کی گنجائش نہیں رہی ۔ اسی طرح میری آمد کے بعد اب کسی نئے نبی کے آنے کا کوئی امکان ہی نہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے بہت سے پیغمبر بھیجے ۔ پہلی نبوتیں علاقائی اور وقتی ہوتی تھیں، اس لئے ہر نبی کے بعد دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی ۔ جب کسی نبی کی نبوت کا زمانہ ختم ہو جاتا اور ان کی تعلیم کی ضرورت باقی نہ رہتی تو انکی تعلیم اور واقعاتِ زندگی مٹ جاتے اور صحیح صورت میں باقی نہ رہتے ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرا نبی آجاتا ۔ اب اس کی اطاعت کرنا اور اس کی تعلیم پر چلنا لازم ہو جاتا ۔ اس طرح ایک ایک کر کے جب سارے نبی آچکے اور ان کی نبوت کا زمانہ ختم ہو گیا اور ان کی تعلیم اصل شکل میں باقی نہ رہی ۔ دنیا آسمانی ہدایت کی محتاج ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ۔ قرآن مجید اور احادیث کے ذریعہ آپ کی تعلیم اور واقعاتِ زندگی کو ہمیشہ کیلئے محفوظ فرما دیا ۔ بس آپ کی تعلیم اور نبوت کا زمانہ ہمیشہ کے لئے باقی رہے گا اس لئے عطاء نبوت کی بندش ہو گئی ۔ اب کسی اور کو نبوت نہ دی جائے گی ۔ جن کو ملنی تھی، مل چکی ۔

اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں اپنی ربوبیت کا اقرار لے کر بنی آدم کی ہدایت کے لئے رسولوں کے بھیجنے کا اعلان فرمایا ۔ پھر جب اس عالم کو آباد کرنا چاہا اور حضرت آدم علیہ السلام کو نسلِ انسانی کی بنیاد قرار دیا ۔ تو اس کے ساتھ ہی ان کو منصبِ نبوت پر فائز کر کے قصرِ نبوت کی بنیاد رکھ دی اور اس اعلان کے مطابق خدا کی سرزمین پر بہت سے رسول آئے اور ہر رسول اپنے بعد آنے والے رسولوں کی بشارت دیتا چلا آیا ۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد بجائے رسولوں کے اعلان کے، صرف ایک رسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت سنا دی ۔ جب

عیسیٰ علیہ السّلام کی بشارت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو
تو آپ نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح
قریب قریب ہیں یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبوّت حائل نہیں۔
الغرض قصرِ نبوّت میں جو ایک اینٹ کی کسر باقی تھی وہ آپ کی آمد سے پوری ہوگئی
تو قرآن مجید کے ذریعہ جس طرح عالم کی ابتداء میں رسولوں کی بعثت کی اطلاع دی
گئی تھی، اب اسکی انتہا پر رسولوں کے خاتمہ کا اعلان ان الفاظ میں کر دیا گیا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں
مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ	میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (یعنی
اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ط	نسب کے اعتبار سے)۔ مگر ہاں وہ
وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ	اللہ کے رسول اور آخر النّبیین ہیں
عَلِيمًا ○	اور اللہ ہر شے کی مصلحت کو خوب
(الاحزاب آیۃ ۴۰)	جانتا ہے۔

عالمِ ارواح میں جس طرح اُمّتوں سے نبیوں کی اطاعت و نصرت کا عہد لیا
گیا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السّلام سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت و نصرت
کا عہد لیا گیا[1]۔ انبیاء علیہم السّلام کے درمیان آپ کا منصب عالی وہ تھا جو اُمّتوں
میں انبیاء کا ہوتا ہے۔ گویا آپ سب نبیوں کے بھی نبی ہیں۔ جس طرح چاند ستاروں
کا نور آفتاب کا فیض ہے مگر آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں بلکہ اس کا ذاتی نور
ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کا تصوّر کیجئے کہ آپکی صفتِ نبوّت
ذاتی ہے، اور دوسرے انبیاء کی نبوّت آپ کے فیضِ نبوّت کا پرتو ہے پس جس طرح
نبوّت کا زمانہ آپ پر ختم ہو گیا، کمالاتِ نبوّت بھی آپ پر ختم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے

---

[1] عیسیٰ علیہ السّلام کا بعد نزول آپ کی شریعت پر عمل کرنا بھی اسی بات پر مبنی ہے۔

ہاں آپ کو قُرب کا وہ مقام حاصل ہے جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔ الغرض آپ زمانہ کے لحاظ سے بھی اور کمالات و قرب اور مرتبہ کے اعتبار سے بھی خاتم النّبیّین ہیں۔

فیوضاتِ نبوّت باقی ہیں، نبوّت کی کوئی آسامی باقی نہیں رہی

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ نبوّت آپ پر ختم ہو گئی مگر آپ کی نبوّت کا زمانہ قیامت تک باقی رہے گا۔ ختمِ نبوّت کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ آئندہ نفوسِ انسانیہ کو کمالات سے محروم کر دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرمایا کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون علیہ السّلام کو موسیٰ علیہ السّلام سے تھی۔ اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عُمر بن خطاب ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ اُمّت میں کمالاتِ انسانیہ کی مکمّل استعداد تو موجود ہے اور انسانی بلند سے بلند کمالات اسے حاصل ہو سکتے ہیں مگر تمام تر کمالات اور پوری لیاقت کے باوجود اب نبوّت کی کوئی اسامی باقی نہیں رہی۔ اس لئے آئندہ منصبِ نبوّت پر کسی کا تقرّر نہیں ہو سکتا۔

بنی اسرائیل کا انتظام خود ان کے انبیاء فرمایا کرتے تھے۔ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا اس کا جانشین آجاتا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ منصبِ نبوّت آپ پر ختم ہو چکا ہے اس لئے کارِ نبوّت اُمّت کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ اس سے اُمّتِ محمدیہ کے کمالات و عظمت کا اندازہ کیجئے کہ جن خدمات کے لئے پہلے انبیاء علیہم السّلام بھیجے جاتے تھے اب اس اُمّت کے علماء و خلفاء انہیں انجام دیا کریں گے۔

ختمِ نبوّت ایک ایسی رحمت ہے کہ اس کے دامن میں بے شمار رحمتوں اور کمالات کا دریا بہہ رہا ہے۔ فیوضاتِ نبوّت ختم نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ دَور اور زمانہ ختم ہو گیا جس کے لئے جدید نبوّت کی ضرورت پیش آتی تھی۔ اس اُمّت کو نبی بننے کی ضرورت نہیں

بلکہ اب تو وہ زمانہ ہے جس میں ایک اسرائیلی نبی کے اُمتی بن کر آنے کا انتظار ہو رہا ہے۔ آپ کی نبوت کا زمانہ قیامت تک باقی رہے گا اور آپ کی اُمت نبوت کی برکات سے بہرہ ور ہوتی رہے گی۔ بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ اُمتِ مرحومہ کے کمالات تمام اُمتوں سے زیادہ ہیں، اور اتنے زیادہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی بھی اس اُمت کے کمالات سُن کر تمنا کرتے ہیں کہ وہ بھی اس اُمت کے فرد ہوتے۔ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تو اب بھی باقی ہے جو تمام نبوتوں سے کامل تر ہے۔ ہاں نبی کوئی اور باقی نہیں رہا۔ اس لئے اب نبی نہیں آئیں گے بلکہ قیامت آئے گی۔

پس جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ گمان رکھتا ہے کہ وہ نبی ہے وہ پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ آئندہ میری اُمت میں تیس ۳۰ سخت جھوٹے ہوں گے، ان میں ہر ایک اپنے متعلق گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں سب نبیوں کے آخر میں آیا ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

راہِ دعوت کی مشکلات

از حافظ نثار احمد صاحب لیکچرار ٹریننگ کالج۔ ملتان

حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذاتِ قدسیہ کو جس کارِ عظیمہ کے لئے منتخب اور اور جس منصبِ جلیلہ پر فائز کیا جاتا ہے، وہ اصلاحِ عباد ہے۔ یعنی اللہ کے بندوں کو تمام ماسوا اللہ سے چھڑا کر صرف اللہ کے ساتھ جوڑ دینا۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی مشکلات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ:

(۱) وہ جس چیز کی جانب دعوت دیتے ہیں وہ تمام تر عالمِ غیب سے تعلق رکھتی ہے۔ ذاتِ خداوندی اور اس کی صفات ملائکہ، جنت، دوزخ، میزان، صراط قیامت،

عالمِ برزخ، ثواب وعذاب غرضیکہ تمام چیزیں انسانی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ ساری دنیا کے لوگ خواہ وہ عوام ہوں یا خواص، اپنی تمام تر فہم ودانش، تفکّر وتدبر اور جدّ و جُہد سے ان میں سے ایک بات بھی معلوم نہیں کرسکتے۔ گویا جہاں تمام انسانوں کے عُلوم کی انتہا ہو کر عجز ونارسائی کی منزل شروع ہوتی ہے وہاں سے حضراتِ انبیاء علیہم السّلام کی منزل کی ابتدا ہوتی ہے۔

(۲) حضرات انبیاء علیہم السّلام تمام مخلوق کی نفی کرکے محض خالق کے ساتھ اور اشیاء سے کاٹ کر خالقِ اشیاء کے ساتھ تعلّق قائم کرتے ہیں، اور بتلاتے ہیں کہ گرد وپیش پھیلی ہوئی چیزوں میں فی نفسہٖ کوئی قوّت وطاقت اور اثر نہیں ہے۔ ان چیزوں سے ان کا خالق جب اور جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ وہ چاہے تو آگ کو گلزار بنادے، سمندر کی موجوں کو ایک قوم کی ہلاکت اور ایک کی نجات کا ذریعہ بنا دے۔ وہ چاہے تو اس بچے کو جس کی خاطر لاکھوں بچے قتل کئے گئے، خود اسی قاتل کے گھر میں اور خود اسی کے خرچ پہ پرورش کرائے، بت ساز اور بت پرست کے گھر میں موحدِ اعظم پیدا کرے۔ غرضیکہ وہ کسی بھی سبب کا پابند نہیں ہے البتہ تمام اسباب اس کے حکم اور اشارہ کے پابند ہیں۔ اس لئے سارے ہی انبیاء علیہم السّلام کی تعلیم کا مرکزی نقطہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ہے۔ یعنی تمام الٰہوں کی نفی اور صرف ایک اللہ کا اثبات۔

(۳) لیکن یہ بات ذہن نشین کرانا اور اس کو دل کا سب سے بڑا یقین بنادینا کوئی آسان بات نہیں۔ محسوسات کے غلام آباؤاجداد کی اندھی تقلید میں جکڑے ہوئے قوم ونسل، رنگ وروپ، دنیا کی ایک ایک چیز کو معبود بنائے ہوئے انسان جب اس بات کو سُنتے ہیں تو ان کے دماغ چکرا جاتے ہیں، غیض وغضب سے دیوانے ہوجاتے ہیں، اور وہی لوگ جو کل تک امین وصادق کہہ رہے تھے جانی دشمن بن جاتے

ہیں، عرصۂ حیات تنگ کر دیتے ہیں۔ سازشوں، قتل کے منصوبوں، ایذا رسانیوں، سبّ و شتم، طعن و تشنیع کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ باپ (آذر) اپنے لختِ جگر حضرت خلیلؑ کو سنگسار کرنے پر تُل جاتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السّلام کی انتہائی عزّت کرنے والی قوم یہ بات کہتے ہی جانی دشمن اور ان کے مکان پر قاتلانہ حملہ کرنے کا منصوبہ بناتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے لئے تختۂ دار تیار کیا جاتا ہے حضرت زکریّا علیہ السّلام کو آرے سے چیرتے ہیں، اور حضور سرورِ عالم فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے عزیز و اقارب جانی دشمن بن جاتے ہیں۔ ایذا رسانی کی انتہا کر دیتے ہیں حتیٰ کہ آپ کے ساتھیوں کو انگاروں پر گھسیٹتے، گرم ریت پر لٹاتے کوڑوں اور تازیانوں سے مارتے اور عورتوں تک کو شرمناک مظالم سے شہید کرتے ہیں۔ غرضیکہ مشکلات و مصائب کے پہاڑ ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ لیکن اللہ کا پیغمبر استقامت و ثبات کے ایسے مقامِ رفیع پر کھڑا ہوتا ہے کہ تمام دھمکیوں اور لالچ کے جواب میں دو ٹوک اعلان کرتا ہے کہ "اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیا جائے تب بھی میں اپنے اس مشن کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ میری جان چلی جائے لیکن یہ ناممکن ہے کہ میں اپنی زندگی میں اس کام سے باز آؤں۔

(۴) راہِ دعوت میں ایک بہت بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ مخاطبین کے ایک بڑے حصّے کے لئے یہ بات ایک بہت بڑا حجاب بن جاتی ہے کہ ایک ہماری ہی طرح کا، گوشت پوست کا انسان، بھوک پیاس نیند وغیرہ کے بشری تقاضوں کا حامل کیسے ہماری اصلاح کے کام پر مامور ہو گیا۔ اگر وہ آسمان پر چڑھ کر دکھلائے، پہاڑ اس کے لئے سونا بن جائیں، چٹیل میدان چشم زدن میں اس کے لئے لہلہاتے باغات اور چشموں میں تبدیل ہو جائیں، بہترین محلّات بن جائیں، فرشتے اس کے جلو میں چلیں، تب شاید ہم مان لیں۔ چنانچہ کبھی کہتے ہیں۔ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں

میں چلتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں۔ یہ ہماری طرح کا انسان ہے اسے جنون ہو گیا ہے۔ یہ ہم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام ان پر بار بار واضح کرتے ہیں کہ ہم نوعِ بشر کے اعتبار سے تمہاری ہی جنس سے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے پیغام تم تک پہنچانے کے لئے چُن لیا ہے۔ ہمارے پاس اس کی وحی آتی ہے اور اس نے ہمیں تمہاری اصلاح کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ لیکن قوم بار بار یہی رٹ لگاتی ہے، کہ کسی فرشتے یا کسی دوسری مخلوق کو پیغمبر بنایا جائے تو ہم مانیں گے۔

⑤ اس راہ کی ایک بہت بڑی کٹھن منزل، مرنے کے بعد کی زندگی اور آخرت کی طرف بُلانا۔ عالمِ برزخ، قیامت، حساب کتاب، میزان، پُل صراط، ثواب و عذاب، جنّت اور اس کی نعمتیں، دوزخ اور اس کے عذاب وغیرہ سب ان کی نظروں سے بالکل پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اوّل تو لوگ اس پر اڑ جاتے ہیں کہ جب ہم مر کر اور گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے اس کے بعد دوبارہ کیونکر زندہ کئے جائیں گے، یہ بات تو بالکل بعید از قیاس ہے۔ اس سے زیادہ تعجب کی بات ان کے نزدیک اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بات ایک مجنون اور پاگل ہی کہہ سکتا ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ چلو اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے تو اس کے بعد جزا و سزا، ثواب و عذاب تو بالکل ہی بعید از قیاس ہے کبھی انہیں دوزخ کے درختوں پر تعجب ہوتا ہے، کبھی جنّت کی نعمتوں اور باتوں سے بھونچکے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ لیکن اللہ کا پیغمبر ان تمام باتوں کو سُنتا ہے، ان کے تمسخر، استہزار، تکذیب کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اور پورے عزم و استقلال سے اُخروی زندگی کی دعوت دیتا رہتا ہے بلکہ ان پر واضح کرتا رہتا ہے کہ تمہاری یہ دُنیا تو آخرت کے مقابلہ مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں اور تمہاری دنیا کی قیمت اللہ کے ہاں بکری کے مُردار بچے جتنی بھی نہیں۔ یہ تو محض لہو و لعب اور دھوکہ کا سرمایہ ہے۔ بالآخر پیغمبر اپنی بے مثل استقامت و

وعزیمت، انتہائی عزم ویقین اور عظیم شخصیت کی بدولت ایک ایسی جماعت تیار کر لیتا ہے جو ان تمام حقائق پر ایسا ایمان لے آتی ہے کہ عالمِ غیب ان کیلئے عالمِ شہود کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ پھر ان کو دوزخ کے شعلے بھڑکتے نظر آتے ہیں جنّت کے باغات لہلہاتے دکھائی دیتے ہیں۔ فرشتے نازل ہوتے نظر آتے ہیں۔

(٦) راہِ دعوت کی یہ مہیب مشکلات یوں تو دنیا کے ہر پیغمبر کو پیش آئیں لیکن امام الاوّلین والآخرین رحمۃ للعالمین کی جو قوم مخاطبِ اوّل تھی، اور وہ اپنی افتادِ طبع اور صدہا سال کی گمراہی کے باعث جس حال میں تھی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو ہزاروں گُنا مشکل بنا دیا۔ جس قوم کا ایک ایک فرد غرور و تکبّر کا مجسّمہ، وحشت و خونخواری میں طاق، جہالت و تعصب میں سرشار، تہذیب و تمدّن سے ناآشنا انقیاد و اطاعت سے نفور، کفر و شرک میں سرتاپا ملوّث، وحی و رسالت اور حیات مابعد الموت کے تصوّر تک سے صدیوں سے ناآشنا ہو، اس قوم میں دعوت و اصلاح کے کام کی مشکلات کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنا مجھے ستایا گیا اتنا کسی پیغمبر کو نہیں ستایا گیا۔ حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف تئیس سال ملے۔ لیکن کام کی نوعیت اتنی مشکل، پیچیدہ اور نازک تھی۔ جس نے آپ کے کام کو ہزاروں گُنا کٹھن اور دشوار بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بار بار تسلّی دلائی حتیٰ کہ یہاں تک فرمایا، کہ کیا آپ ان لوگوں کی خاطر اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے۔ اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غم و اندوہ اور قلق کس درجے کا تھا۔

آتشِ سوزاں میں وہ گرمی کہاں
سوز ہائے غمِ نہانی اور ہے

آپ ایک اس بات پر غور فرمائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ میری اُمّت کا فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون سے ستر گُنا زیادہ سخت تھا۔ اور پھر ابوجہل ہی نہ تھا، عتبہ، ولید، شیبہ، امیہ بن خلف وغیرہ اور بعد میں منافقین کی جماعت اور ان میں عبداللہ بن ابی، عبداللہ بن سلول جیسے گہرے اور مکّار منافقوں سے سابقہ، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ جیسی غفور و رحیم ذات یہ فرمائے کہ یہ لوگ اتنے ناپاک ہیں کہ اگر آپ بھی ان کے لئے ستّر بار استغفار کریں، تو میں ان کو ہرگز نہ بخشوں گا۔

(۷) دعوت کے کام میں ایک سب سے بڑا کٹھن اور مشکل کام جو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا، یہ تھا کہ آپ کو دوسرے پیغمبروں کی طرح صرف ایسی جماعت ہی تیار کرنا نہ تھی جو کہ صرف خود اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے والی ہو اور اس کے ہر فرد پر دوسروں کی دعوت و اصلاح کی ذمّہ داری نہ ہو، بلکہ آپ کو ایک ایسی اُمّت تیار کرنی تھی جس کا ہر فرد داعی و مبلّغ ہو اور قیامت تک یہ اُمّت وہ کام کرے جو انبیاء علیہم السلام کے ذمّہ تھا۔ گویا آپ کو خیرِ اُمّت، اُمّتِ وسطیٰ، جو قیامت کے دن تمام اُمّتوں پر گواہ ہو تیار کرنی تھی۔ اور یہ اتنی بڑی ذمّہ داری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ذمّہ داری ایک طرف اور آپ کی ذمّہ داری ایک طرف۔ جو ان سب کی مجموعی ذمّہ داری سے بھاری ہے قیامت تک کے آنے والے انسانوں کی ذمّہ داری حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی۔ اور آپ نے وہ اُمّت تیار کی جو قیامت تک یہ کام کرتی رہے گی۔ ختمِ نبوّت کا بھی یہی مطلب ہے۔ اب منصبِ نبوّت تو کسی کو نہ ملے گا لیکن کارِ نبوّت قیامت تک جاری رہے گا۔

اس عظیم کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح سرانجام دیا اور لاکھوں لعیانِ حق کی بے مثل جماعت تیار کی چشمِ فلک نے آج تک ایسی جماعت نہ دیکھی ہے نہ دیکھے گی۔ یہ جماعت اپنے اہل و عیال، مال و منال، قوم و وطن سب کو چھوڑ کر عالم کے گوشے گوشے میں

پھیل گئی اور اکثر نے تو اپنی زندگیاں اس راہ میں قربان کر دیں۔ واپس آ کر اپنے گھروں کو بھی نہ دیکھا۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اُمّت کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیں قیامت کے دن آپ کی اُمّت میں محشور فرمائے۔ اور ہمیں دعوت و تبلیغ کے کام کرنے اور اس رستہ میں اپنی جان و مال اور عزیز ترین متاع قربان کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ط

اشاعتِ اسلام[1]

اسلام کی دعوت مذاہبِ باطلہ اور بُت پرستی کے لئے کُھلا چیلنج تھا اور اس کا عروج مشرکین کے اقتدار کا خاتمہ تھا۔ قریش کو کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے تمام عرب میں سرداری اور پیشوائی کا منصب حاصل تھا۔ اسلامی مساوات کو اپنانا اور آبائی مذہب کا ترک کرنا ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ اس لئے مشرکینِ مکّہ نے اسلام کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ کوئی شخص اسلام لانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور چند آدمی، جو مسلمان ہو گئے تھے وہ اپنے اسلام کو ظاہر نہ کر سکتے تھے۔ اور اگر ظاہر کرتے تو اُن پر وہ عذاب اور مصیبتیں نازل ہوتیں جن کا جھیلنا تو درکنار، دیکھنا بھی دشوار تھا۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسلام کا نام لیتے ہی ہر قسم کی مصیبتوں کا نشانہ اور شکار بننا پڑے گا۔ بایں ہمہ ایک مخلوق تھی کہ آستانۂ محمّدی کی تلاش میں چلی آ رہی تھی۔ عرب کے دُور دُور کے قبائل سے لوگ چُھپ چُھپ کر پہنچتے اور بیعت کر کے واپس چلے جاتے تھے۔

اسباب آخر اس کے کیا اسباب تھے اور کیونکر ان کو آپ کی رسالت اور صداقت

---

[1] منتخب از اشاعتِ اسلام۔ سیرت النّبیؐ۔ سیر الصّحابہ۔

کا یقین آیا۔ یہ کہنا کہ آپ نے تلوار کے ذریعہ لوگوں کو مطیع کیا، آسان ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہزاروں جان نثار، تلوار چلانے اور لڑنے والے کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوئے۔ اور ان کو کس نے لڑ کر مطیع کیا۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلام کی اشاعت کے حسبِ ذیل اسباب ہیں :-

① اوصاف و کمال جن حضرات کو حق تعالیٰ نے پہلے سے ہی قلبِ سلیم عطا فرمایا تھا انہوں نے بلا تردد آپ کے دعویٰ نبوّت کو تسلیم کیا۔

چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو اوصاف و کمال اور بعض آثار و اخبار کی بنا پر پہلے ہی سے بعثتِ نبوی کی منتظر تھیں۔ نزولِ وحی کا واقعہ سنتے ہی دعوت سے قبل آپ کی نبوت کی تصدیق فرمائی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی صرف دعویٰ نبوّت سُن کر ایمان لائے محض دعویٰ کی صداقت اور آپ کی سیرت نے ان کو ہر قسم کی دلیل و برہان سے بے نیاز کر دیا۔ پھر ان کے وعظ و اثر سے حضرت عثمان بن عفّان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابو عبیدہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ وغیرہ رضی اللہ عنہم، بہت سے شرفاء اسلام کے گرویدہ ہو گئے۔

② قرآن کا اثر حضرت عمر، حضرت طفیل بن عمرو دوسی، حضرت جبیر بن مطعم، نجاشی شاہِ حبشہ، حضرت عثمان بن مظعون وغیرہ سینکڑوں اشخاص کلامِ ربانی سُن کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ بہت سے اہلِ علم اور شاعر قرآن مجید کے اثر کو دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکے۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید کی آیت اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخَالِقُوْنَ ○ سُنی تو میرا دل اڑنے لگا۔ حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ نے اتفاقیہ آپ کی زبان مبارک سے قرآن مجید سُن لیا تو بے اختیار مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابو سلمہ اور ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہم آپکی خدمت

میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی تو وہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

انصار اوّل اوّل قرآن مجید کے اثر سے ہی ایمان لائے۔ حبش کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو قرآن پاک سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

(۳) اخلاقِ نبوی ایک بار ایک شخص نے آپ سے بہت سی بکریاں مانگیں آپ نے اس کا سوال پورا کیا تو اس کا پورا قبیلہ آپ کی فیاضی سے متاثر ہو کر کلمہ حق پکار اٹھا۔ ایک یہودی نے جب آپ کو تقاضائے قرض میں اس قدر تنگ کیا کہ ظہر کی نماز سے لیکر فجر کی نماز تک آپ کا پیچھا نہ چھوڑا تو صحابہ کرام کو یہ سخت ناگوار گذرا۔ لیکن آپ نے اُف تک نہ کی۔ دن چڑھا تو وہ اسلام لے آیا اور کہا کہ اس گستاخی سے میرا مقصد آپ کے اخلاق کی آزمائش تھی جو تورات میں مذکور ہے۔

ثمامہ بن اثال گرفتار ہو کر آئے لیکن آپ نے ان کو رہا کر دیا۔ تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً اسلام قبول کر لیا اور ان کا دل آپ کی محبت سے معمور ہو گیا۔ ہند زوجہ ابو سفیان، ہبار بن الاسود اور وحشی قاتلِ حضرت حمزہؓ یہ دیکھ کر مسلمان ہو گئے، کہ آپ دشمنوں کے ساتھ بھی انتہائی محبت اور شفقت سے پیش آتے ہیں۔

ایک بار سفر میں صحابہ کرامؓ نے ایک عورت کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے پاس پانی کے مشکیزے تھے اور صحابہ کو پانی کی ضرورت تھی۔ آپ نے اس کا پانی لیا تو قیمت ادا فرمائی۔ اس کو اس حسنِ خلق سے آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور اس کے اثر سے اس کا سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت عدیؓ بن حاتم قبیلہ طے کے عیسائی رئیس تھے۔ وہ آپ کو بادشاہ سمجھ کر مدینہ حاضر ہوئے۔ مگر یہ دیکھ کر کہ آپ ایک بڑھیا کی بات سننے کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں پکار اٹھے کہ آپ بادشاہ نہیں پیغمبر ہیں۔

(۴) خصائلِ نبوی بعض صحابہؓ نے صرف آپ کی شکل وصورت ہی دیکھ کر آپ کی نبوّت کا اعتراف کر لیا۔ حضرت ابورافع آپ کی خدمت میں قریش کی طرف سے قاصد بن کر آئے لیکن چہرۂ مبارک دیکھتے ہی شیدائے اسلام ہوگئے اور عمر بھر آپ کے شرفِ خدمت کو اپنا فخر سمجھتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام آپ کا چہرہ دیکھتے ہی پکار اُٹھے کہ "یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا"۔ اسی طرح حضرت سلمان کو دعوت دینے کی نوبت نہیں آئی بلکہ پہلے سے منتظر تھے۔ خبر سُنتے ہی آکر مسلمان ہوگئے۔

(۵) تعلیمِ نبوی متعدد صحابہ ایسے تھے جو یہ سُن کر کہ آپ نیک کاموں کی ہدایت کرتے ہیں، حاضرِ خدمت ہوئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوذر، حضرت انیس غفاری اور حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہم اسی قسم کے بزرگ تھے۔

اوس و خزرج یہودیوں سے سُنا کرتے تھے کہ آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے انہوں نے آپ کی تعلیم اور تقریر سے پہچان لیا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں اور ایمان لے آئے۔

(۶) معجزات بہت سے لوگ فتح روم کی پیش گوئی کو پوری ہوتے دیکھ کر اسلام لائے۔ ایک سفر میں آپ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہتا دیکھ کر ایک پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ متعدد یہودی گذشتہ انبیاء کی بتائی ہوئی نشانیاں آپ کے اندر دیکھ کر مسلمان ہوگئے۔ متعدد یہودیوں نے آپ کا امتحان لیا۔ جب آپ نے ازروئے وحی ان کے صحیح جواب دیئے تو وہ ایمان لے آئے۔

ایک شخص نے کہا کہ جب یہ خرمے کا خوشہ آپ کے پاس آکر آپ کی رسالت کی شہادت دے تو میں آپ کو سچا رسول مانوں گا۔ جب اس نے اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھ لیا تو مسلمان ہوگیا۔ ایک اعرابی کو آپ نے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ آپ کی صداقت کی شہادت کون دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سامنے کا یہ درخت۔ یہ کہہ کر آپ نے اس درخت کو بُلایا تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر آپ کے پاس آکھڑا ہوا اور تین بار

اس کے اندر سے کلمۂ توحید کی آواز آئی۔ یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔

سراقہ بن مالک جو ہجرت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑائے آرہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ آپ کی دُعا سے تین دفعہ اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تو اس کو یقین ہو گیا کہ اسلام کے اقبال کا ستارہ عروج پر پہنچ کر رہے گا چنانچہ امان کا پروانہ حاصل کیا اور بعد کو مسلمان ہو گیا۔

⑦ **داعیانِ اسلام کا اثر** صحابہ میں اکثر لوگ داعیانِ اسلام کے اخلاقی اثر سے اسلام لائے۔ بہت سے صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ کے وعظ و اثر سے اسلام قبول کیا یمن کے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشادات و ہدایت سے اسلام لائے۔ حضرت طفیل نے اپنے قبیلہ کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔ قبیلہ ہمدان عامر بن شہر کے اثر سے اسلام لایا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا آدھا قبیلہ ان کے اثر سے مسلمان ہوا۔ متعدد قریشی جو معرکۂ بدر سے مرعوب نہیں ہوئے تھے مسلمانوں کے آداب و اخلاق دیکھ کر اسلام لائے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ہزاروں آدمیوں کو جب مسلمانوں سے بے تکلف میل جول کا موقعہ ملا تو وہ اسلام کی صداقت کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔ اس دو۲ تین برس کے عرصہ میں لوگ اس قدر مسلمان ہوئے جتنے کہ ابتدائے اسلام سے سولہ۱۶ برس کے عرصہ میں نہیں ہوئے۔ اور قبائل عرب میں اسلام کا چرچا پھیل گیا۔

⑧ ابوسفیان جس کو نہ تو معجزات متأثر کر سکے، نہ بدر و خندق کی تلواریں اس کو مرعوب کر سکیں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتۂ دامادی اس کے سخت دل کو نرم کر سکا۔ لیکن وہ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے ضمیر کے اعتراف کو نہ روک سکا کہ قیصرِ روم اپنے تختِ جلال پر بیٹھ کر مکہ کے بوریا نشین پیغمبر کے پاؤں دھونے کی آرزو رکھتا ہے۔

نتیجہ

مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واوصاف

آپ کی مشفقانہ تعلیم اور معجزات، شریعتِ اسلام کے اُصول مسلمانوں کے طرزِ عمل کتبِ سابقہ کی پیشین گوئیاں، علمائے اہلِ کتاب کی تصدیق اسلام کی اشاعت کے اصل اسباب ہیں۔ اس کے دبانے اور مٹانے میں جتنا جبر و تعدی سے کام لیا گیا، اتنا ہی بڑھا اور پھلا پھولا۔ کفار کے بے پناہ ظلم و ستم کے طوفان کسی مسلمان کے شجرِ ایمان کو ذرا بھی جنبش نہ دے سکے۔ جن کا تذکرہ آئندہ صفحات پر اپنے اپنے موقعہ پہ کیا جائے گا۔

نماز کی فرضیّت

ایمان دل کے اندر ہوتا ہے اور اس کا اقرار زبان سے اور اظہارِ عمل سے ہوتا ہوتا ہے۔ جس خوش نصیب کا قلب نُورِ ایمان سے منوّر ہوتا ہے، نماز اس کے ایمان اور اسلام کی شہادت ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید و رسالت کے بعد سب سے پہلے جس چیز کی تعلیم دی گئی وہ نماز تھی۔ معراج سے پہلے دو نمازیں، صبح اور عصر کی دو دو رکعت کے ساتھ پڑھی جاتی تھیں مگر معراج کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کیں۔ اس وقت سے پانچ نمازیں پڑھی جانے لگیں۔

خاموش تبلیغ

قریش بت پرست تھے۔ کعبہ کے متولّی ہونے کی حیثیت سے عرب بھر میں ممتاز اور معزّز تھے۔ توحید کی تعلیم بت پرستی کی موت تھی اور اسلامی مساوات سے ان کے اقتدار کا خاتمہ تھا۔ اپنے وقار کا قربان کرنا اور آبائی مذہب کا ترک کرنا، انہیں ہرگز گوارا نہ تھا — اور بت پرستی کے خلاف علی الاعلان توحید کی دعوت دینے سے ان کے جذبات کا بھڑک اُٹھنا یقینی تھا۔ اس لئے شروع میں آپ کو اعلانیہ

تبلیغ کا حکم نہیں دیا گیا تاکہ لوگ پہلے سے ہی متنفرّ نہ ہو جائیں۔

چنانچہ آپ تین سال تک خاموشی اور رازداری کے ساتھ اس طرح کام لیتے رہے کہ محرمانِ خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ جس کو آپ اپنے خیال میں سمجھدار پاتے، اس کو نہایت سنجیدگی سے توحید کے اصول سمجھاتے، اور ایمان کی دعوت دیتے۔ سب سے پہلے آپ کی نظرِ انتخاب اپنے اہلِ بیت اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ پر پڑی۔ بعدازاں آپ نے ان خصوصی احباب کی طرف توجہ فرمائی جن پر آپ کو اعتماد تھا اور ان میں خیر و صلاح کے آثار موجود تھے۔

اہلِ بیت کا قبولِ اسلام

بیوی سے بڑھ کر انسان کے عادات و اخلاق کا کوئی رازداں نہیں ہوتا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اعمال اور حرکات و سکنات کا کوئی گوشہ ان سے پوشیدہ نہیں تھا۔ پندرہ سال کے طویل تجربہ اور مشاہدہ سے ان کو یقین ہو چکا تھا کہ آپ صورت و سیرت کے علاوہ جسمانی خواص میں بھی تمام انسانوں سے ممتاز ہیں۔ اور آپ کی زندگی کذب اور دروغ بیانی سے بالکل پاک صاف ہے علاوہ ازیں وہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے جو اہلِ کتاب کا بڑا عالم اور صاحبِ کشف درویش تھا، سُن چکی تھیں کہ اب صرف ایک نبی باقی ہیں جن کے آنے کا وقت آ گیا ہے۔ اس لئے وہ خود بھی نبی آخرالزماں کی بعثت کی بے چینی سے منتظر تھیں اور آپ کے عجیب و غریب حالات اور برکات کو دیکھ کر ان کو شرحِ صدر ہو گیا تھا کہ آپ ہی اس منصب کے اہل ہیں، اور عنقریب اس سعادتِ عظمیٰ کی بشارت آپ کو سُنائی جانے والی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ وحی کا راز اُن پر ظاہر فرمایا، تو انہوں نے اس واقعہ کو سُنتے ہی تصدیق فرمائی اور صدقِ دل سے ایمان لائیں اور

اسی روز شام کے وقت سب سے پہلے آپ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ اسی نعمت غیر مترقبہ کے ملنے سے آپ کے ذوق و شوق اور قلبی مسرّت کی کیفیت پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جو آپ کی آغوشِ تربیت میں تھے، دس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ بعثت کے اگلے روز انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نماز پڑھتے دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اللہ کا دین ہے اس کو قبول کرو۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ یہ بالکل نئی شے ہے جب تک میں اپنے باپ سے اس کا ذکر نہ کر لوں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ کو حضرت علیؓ کی یہ بات ناگوار گذری کہ اعلان سے پہلے آپ کا راز کسی پر فاش ہو، اس لئے فرمایا کہ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو اس کا کسی سے ذکر بھی مت کرو۔ حضرت علیؓ خاموش ہو گئے۔ مگر اسی رات اللہ تعالیٰ نے اسلام کی صداقت دل میں ڈال دی۔ صبح ہوئی تو خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ اور ایک سال تک اپنے اسلام کو اپنے باپ ابو طالب سے مخفی رکھا۔ بعد ازاں آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ اسلام لائے اور آپ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۱۶)۔

سب سے پہلے اسلام لانے والے آپ کے اہلِ بیت یعنی ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی صاحبزادیاں، آپ کے متبنیٰ حضرت زید، آپ کی لونڈی ام ایمن، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ورقہ بن نوفل تھے (سیرت الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۱)۔

اشارات

(۱) ناموافق حالات میں دعوت کی ابتدا خاموشی اور رازداری سے ہونی چاہیئے۔

لہ ابتداءً جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ اعلانیہ تبلیغ کیلئے مامور نہ تھے بلکہ اس میں صرف آپ کی ذات کے لئے احکام تھے۔ (سیرت خاتم الانبیاء ص ۳۸)

(۲) تبلیغ کا اصل مرکز سب سے پہلے داعی کی اپنی ذات ہے۔

(۳) دعوت کے اوّلین مستحق داعی کے اہل وعیال ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابُوبکر صدّیق

حضرت ابوبکر صدیق مکّہ کے بہت بڑے سوداگر تھے۔ معاملہ کے صاف اور صدق و دیانت میں مشہور تھے۔ لوگوں میں معزز سمجھے جاتے تھے۔ قبائل کے باہمی تنازعوں کو طے کرنا ان کے سپرد تھا۔ بچپن سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فدائیانہ محبّت رکھتے تھے۔ برسوں سے فیضیابِ خدمت تھے۔ صحبت کا رنگ چڑھ چکا تھا۔ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و افعال سے کمال مشابہت تھی۔ گویا ان کے اخلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا پرتو اور عکس تھے۔

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص ترین دوست اور مزاج شناس تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت و صداقت کا سکہ ان کے دل پر اس قدر بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کی طرف دروغ گوئی کی نسبت کرنا تو درکنار اس کا تصور کرنا بھی ان کے نزدیک ناممکن تھا۔ گذشتہ تجربوں کی بِنا پر وہ آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ حمیدہ کی ایک ایک حرکات و سکنات سے بخوبی واقف تھے۔ اس لئے وہ آپ کے دعویٰ کی صداقت کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے۔ صاحب بصیرت اور صاحب الرائے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کو فطرتِ سلیمہ عطا فرمائی تھی۔ پھر پے درپے تنبیہات غیبیہ[1] نے بھی ان کو بعثت کا منتظر بنا دیا تھا۔

---

[1] حضرت ابوبکرؓ بغرض تجارت ملکِ شام گئے ہوئے تھے۔ وہاں ایک خواب دیکھا اور اس کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے بحیرا راہب کے پاس گئے۔ بحیرا نے خواب سُن کر کہا کہ ایک عظیم الشان رسول تمہاری قوم میں مبعوث ہوں گے۔ تم ان کی زندگی میں ان کے وزیر اور (بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

قبولِ اسلام جب اہلِ بیت اسلام میں داخل ہوگئے تو باہر کے لوگوں میں سے آپؐ نے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایمان و اسلام کی دعوت دی۔ تو آپ بلا تأمل ایمان لے آئے اور حضورؐ کی نبوت کی تصدیق فرمائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جس کسی پر بھی اسلام پیش کیا، وہ اسلام سے کچھ نہ کچھ ضرور جھجکا اور متردّد ہوا۔ مگر ابوبکر کے سامنے جیسے ہی اسلام پیش کیا، انہوں نے بلا تأمل میری تصدیق کی اور ایمان لائے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، آزاد مردوں میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، بچوں میں حضرت علیؓ اور غلاموں میں زید بن حارثہؓ مشرف باسلام ہوئے۔

شرفِ اوّلیّت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام میں آپ کا سب سے پہلا درجہ ہے۔ اور مردوں میں ان کی سبقتِ اسلام تو ایسی مسلّم ہے کہ کسی کو اس میں کلام نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کی صبح کو مبعوث ہوئے اور اسی شام اسلام کی دولت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچ گئی۔ بعض روایات میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہوگے۔

ایک خواب آپ نے یہ بھی دیکھا کہ چاند شہرِ مکہ پر اُتر کر مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا، اور اس کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک گھر میں داخل ہوا ہے۔ پھر کیا دیکھتے ہیں کہ چاند کے اجزا باہم مل گئے ہیں اور پورا چاند ان کی گود میں آگیا ہے۔ اہلِ کتاب کے ایک معبر سے تعبیر دریافت کی۔ تو اس نے بتایا کہ اس نبی آخرالزماں کی (جس کا انتظار کیا جا رہا ہے) پیروی کروگے اور اس کے سب سے زیادہ مقرب ہوگے۔ پس ایسے انکشافات کے باعث آپ انتہائی شوق اور بے چینی کے ساتھ بعثت کے منتظر تھے۔ اور آپ کی بعثت سے بہت عرصہ پہلے غائبانہ ایمان لا چکے تھے۔ (سیرت الکبریٰ ج۔ ا صـ۳۰۳)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا پہلے مسلمان ہونا بیان کیا گیا ہے مگر مشہور اور صحیح قول یہی ہے کہ حضرت علیؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد دوسرے دن منگل کو مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں اور آپ کے تابع تھیں۔ حضرت علی بچّے تھے اور آپ کے زیرِ تربیت تھے اور ان کا اسلام اپنی ذات تک محدود تھا۔ ایک عرصہ تک انہوں نے اپنے اسلام کو اپنے والدین سے چھپائے رکھا۔

مگر حضرت ابوبکرؓ مستقل اور آزاد تھے۔ کسی کے تابع اور زیر اثر نہ تھے۔ لہٰذا ان کا بلا کسی دباؤ اور تردّد کے اسلام قبول کرنا اور سب سے پہلے اپنے اسلام کو لوگوں پر ظاہر کرنا موجبِ صد فضیلت ہے۔

فضائل اور صدیقی خصوصیات

علاوہ ازیں سفرِ ہجرت میں رفاقت، غار میں معیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضِ وفات میں امامت، یہ تمام امور بھی ان کی فضیلت کے دلائل میں سے ہیں۔

یہ امر بھی آپ کی خصوصیات میں سے ہے کہ کسی وقت کوئی کلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف نہیں فرمایا۔ اگر کبھی اکابرِ صحابہؓ نے رائے کے درجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف کیا تو اس وقت بھی آپ کی رائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے موافق رہی۔ جیسا کہ بدر اور حدیبیہ کے واقعات سے ظاہر ہے[1]۔

"صلح حدیبیہ کے واقعہ میں تو جب صحابہ کے سینے اضطراب اور بے چینی سے بھرے ہوئے تھے۔ اس وقت جس کا قلب تمام تر اطمینان اور سکون سے لبریز تھا۔ وہ صدّیقِ اکبر ہی تھے۔" (ترجمان السنۃ ج۔۱ ص۱۴۴)

آپ نے مسلمان ہوتے ہی در پردہ تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ ایسے نازک وقت

---

[1] دیکھو جنگ بدر کے حالات میں اسیرانِ بدر اور فدیہ، اور صلح حدیبیہ کے بیان میں حضرت عمرؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو۔

جبکہ کلمہ اسلام کو زبان پر لانا اور اپنے اسلام کا اظہار کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا، دوسروں کو بُت پرستی سے ہٹا کر مسلمان بنانے کی کوشش کرنا انہی کا کام تھا۔ جس وقت مسلمان ہوئے تو ان کے پاس علاوہ مالِ تجارت کے چالیس ہزار درم موجود تھے، وہ سب کے سب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور دین کی اشاعت میں میں صرف کر دیئے اور سات غلاموں کو جو مسلمان ہو جانے کے سبب طرح طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے، خرید کر آزاد کر دیا۔ جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ ادا کر دیا سوائے ابوبکرؓ کے کہ ان کے احسان کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دیں گے۔ نیز فرمایا کہ جتنا نفع مجھ کو ابوبکرؓ کے مال نے دیا کسی کے مال نے نہیں دیا۔

اشارات

(۱) سب سے پہلے اپنے محرمِ راز اور مخلص احباب کو دین کی دعوت دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(۲) حق کو بِلا تأمل قبول کرنا سلامتیٔ طبع کی علامت ہے۔

(۳) داعی کی تعلیمات اور اخلاق وعادات ہی اس کی صداقت کا اصل معیار ہیں۔

(۴) اپنے مقتدا کی پوری پوری اطاعت کرنا اور اختلاف نہ کرنا، تنظیم کا بُنیادی اُصول ہے۔

(۵) صحابہؓ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا صحیح نمونہ تھے۔ وہ ایمان لاتے ہی دین کی نشر و اشاعت اور دعوت میں لگ جاتے اور اُسے اپنا فریضہ سمجھتے۔

(۶) حضرت ابوبکر صدیقؓ ابتدا ہی سے کارِ نبوّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بنے رہے۔ اپنا مال و متاع اور زندگی کا کُل سرمایہ اسلام کیلئے وقف

کردیا۔ آپ کی بے نظیر جان نثاری کا مقام صحابہؓ میں کسی کو حاصل نہیں ہوا۔

⑦ اولیتِ ایمان اور اظہارِ اسلام کا شرف حضرت صدیقؓ کی خصوصیات میں سے ہے۔

⑧ تبلیغ و اشاعت کے بغیر کوئی دعوت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ دعوت کی کامیابی میں اراکین کی جان نثاری اور تبلیغ و اشاعت کو بڑا دخل ہے۔

استعدادِ قبولیت

جب آسمان سے بارش برستی ہے تو مختلف زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق بارش کا اثر قبول کرتی ہیں۔ یہی حال انسانوں کا ہے کہ جب وحیِ الٰہی کی لگاتار بارشیں ان کے قلوب پر برستی ہیں تو وہ بھی اپنی اپنی استعداد کے موافق اس سے نفع اُٹھاتے ہیں۔ جو قلوب بداخلاقی اور کجی سے پاک صاف ہوتے ہیں ان میں قبولیتِ حق کی کامل استعداد ہوتی ہے اور وہ بلاحیل و حجت اس خیر و برکت کو قبول کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے عمل سے ظاہر ہے۔ مگر جن قلوب پر جہل اور بداخلاقی کا کچھ غبار پڑ چکا ہوتا ہے، ان میں قبولِ حق کی استعداد پہلے لوگوں سے کم ہوتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اثر قبول کرتے ہیں اور بالآخر پیغمبر کے اخلاق، تعلیم اور معجزات سے متاثر ہو کر نفع اُٹھاتے ہیں۔ لیکن جو قلوب عناد اور تعصب کی وجہ سے زنگ آلودہ ہو چکے ہوں، اور قبولِ حق کی استعداد سے محروم ہوں، ان کو اس بارانِ رحمت سے نفع اُٹھانے کی توفیق نہیں ہوتی۔

شرفائے قریش اور باہر کے لوگوں میں سے وہی لوگ جن کی استعداد کامل اور طبیعت میں سلامتی تھی، سب سے پہلے ایمان لائے۔ یہ سابقین اولین کہلاتے ہیں ان میں سب سے اوّل اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صدیقِ اکبر

رضی اللہ عنہ نے بلا تردد آپ کی نبوت کی تصدیق فرمائی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔
اب باقی حضرات کے قبولِ اسلام، ان کی استقامت اور مصائب پر صبر و تحمل کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

خصوصی احباب کو دعوت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حُسنِ معاملہ، خوش کلامی اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے تمام قریش ان سے محبت کرتے تھے اور ان کے پاس بہت سے لوگوں کی نشست و برخاست رہتی تھی۔ ابتدا میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو اسلام کی دعوت دی۔ ان کا مسلمان ہونا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویِٰ نبوت کا ہر جگہ چرچا ہونے لگا۔ اور یہ ایمان لاتے ہی اس کی نشر و اشاعت اور دعوت میں مصروف ہوگئے۔ اور کارِ نبوت میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بٹانا شروع کیا، اور اپنے ان دوستوں اور ہم نشینوں کو اسلام پر مائل کیا جن پر انہیں پورا اعتماد تھا۔ چنانچہ ان کی سعی اور کوشش سے حضرت عثمان بن عفانؓ، زبیر بن عوامؓ، طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اسلام کے گرویدہ ہو کر نعمتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ آپ ان سب کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سب نے اسلام قبول کیا، اور آپ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ یہ سب حضرات مکہ کے ذی اثر قبائل کے رؤساء اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ (سیرت المصطفٰی ج۔ا ص۱۱۸)

پھر ان کے بعد خالد بن سعید بن العاص، ابو عبیدہ بن الجراح، عبیدہ بن حارثؓ، سعید بن زید، ابوسلمہ، عثمان بن مظعون اور ان کے دونوں بھائی قدامہ اور عبید اللہ، ارقم بن ارقم، ابوحذیفہ بن عتبہ، سائب بن عثمان بن مظعون، جعفر بن ابی طالب رضی اللہ

عنہم مشرف باسلام ہوئے۔ یہ حضرات بھی سب کے سب مکہ کے رہنے والے اور قریش میں سے تھے۔ غیر قریش اور باہر کے لوگوں میں سے بلال، عمرو بن عبسہؓ ابوذرؓ صہیب رومی، عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم نے بھی دینِ حق کو قبول کیا۔

عورتوں میں ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے بعد فاطمہ بنت خطاب اور آپ کے چچا حضرت عباسؓ کی بیوی ام الفضل، اسماء بنت عمیس، اسماء بنت ابی بکر اور سمیہ والدہ حضرت عمار نے اسلام قبول کیا۔ غرضیکہ چند روز میں اسلام کا ایک چھوٹا سا جتھا تیار ہوگیا۔ درحقیقت یہی لوگ سابقین اوّلین میں سرِ فہرست ہیں۔

اشارات

(۱) دعوت کا صحیح طریق یہ ہے کہ پہلے اپنے احباب میں خوش اخلاق اور فہم و فراست رکھنے والوں کو دعوت دی جائے۔

(۲) جن لوگوں سے میل جول اور مراسم نہ ہوں، ان کو اوّل وہلہ میں علی الاعلان دعوت نہ دی جائے، بلکہ بتدریج ان کو مانوس کیا جائے۔ اس کے بعد اچھے اور نرم انداز سے دعوت پیش کی جائے۔

(۳) ہر مسلمان اپنے حلقہ اثر میں حسبِ استعداد و استطاعت تبلیغ کیلئے مامور ہے۔

اسلام کا پہلا تبلیغی مرکز

جب مسلمانوں کی تعداد تیس سے بڑھ گئی اور قریش نے دیکھا کہ لوگ آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام کے حلقہ بگوش ہو رہے ہیں تو شدید مخالفت پر تُل گئے۔ اقتدار اُن کے

ہاتھ میں تھا اس لئے مسلمان آزادی کے ساتھ فریضہ عبادت بھی ادا نہیں کر سکتے تھے۔ نماز کا وقت آتا تو چھپ کر پہاڑ کی گھاٹیوں اور دروں میں نماز ادا کرتے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اہلِ ایمان کی جان خطرہ میں تھی۔ دروں اور گھاٹیوں میں جاکر فریضہ صلوٰۃ ادا کرنا سخت مخدوش تھا۔ ان حالات کے پیشِ نظر ایک ایسے تبلیغی مرکز کی ضرورت تھی جہاں سکون کے ساتھ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور فریضہ عبادت ادا کیا جاسکے۔ حضرت ارقم[۱] رضی اللہ عنہ نے اپنا مکان جو کوہِ صفا پر تھا، تبلیغی ضرورت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کیا۔ اب مسلمانوں کو شہر کے اندر مل بیٹھنے کی ایک موزوں جگہ مل گئی۔ تمام مسلمان مکان کا دروازہ بند کرکے یہیں نماز پڑھنے لگے۔ نئے لوگ اسی مکان میں آکر اسلام قبول کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ارشادات سے فیضیاب ہوتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے پر جب صحابہؓ کی تعداد پوری چالیس ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان سے اسلام کو معزز کیا تو اب مسلمان جہاں چاہتے جمع ہوتے۔

اعلانیہ تبلیغ

تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخفی طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ لوگ آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ جب مسلمانوں کی ایک خاصی جماعت[۲] بن گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف حکم آگیا:۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ (الشعراء)

اور آپ سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے اور ان مومنین کے ساتھ جنہوں نے آپکا اتباع کیا ہے نرمی اور شفقت کا معاملہ فرمایئے۔

---

۱ حضرت ارقم اسلام لانے والوں میں ساتویں یا دسویں تھے۔ بدر، احد وغیرہ تمام جنگوں میں شامل رہے۔
۲ حرم مکہ میں توحید کی عام اشاعت کے وقت حضرات صحابہؓ کی تعداد ۳۹ تھی (ریاض النضرۃ ج ۱ ص ۶۲)

قریبی رشتہ داروں کو دعوت

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اپنی پیاری بیٹی، پھوپھی اور چچا تک کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ کے ہاں اپنی فکر کرو، میں تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔ پھر اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دی، جس میں ابوطالب، حمزہؓ، عباسؓ، ابولہب وغیرہ تقریباً چالیس آدمی شریک ہوئے۔ وہ کھانا اور دودھ جو صرف ایک آدمی کے لئے کافی ہو سکتا تھا، آپ کی برکت سے چالیس آدمیوں کو کافی ہو گیا۔ فراغت کے بعد آپ نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ابولہب یہ کہہ کر کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کھانے پر جادو کر دیا۔ اٹھ کھڑا ہوا اور دوسرے لوگوں کو بھی اٹھا کر لے گیا۔

دوسرے روز آپ نے پھر ضیافت کا سامان کیا اور کھانے کے بعد فرمایا کہ اے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب! جو دین میں تمہارے لئے لے کر آیا ہوں، اسمیں تمہاری دنیا اور آخرت کی بھلائی اور خیر ہے۔ میری بات مانو اور اللہ کے دین کو قبول کرو اور میرا ساتھ دو۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا کہ دفعۃً حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر کہا، کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔[1] ابولہب نے مذاق اڑانا شروع کیا کہ اے ابوطالب تمہارا بھتیجا تمہیں کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور ہنسی مذاق کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

قریش کو دعوت

ابولہب کی بدسلوکی اور دوسرے لوگوں کی بے رخی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر رنج و ملال ہوا یہاں تک کہ آپکو علی الاعلان تبلیغ کا حکم ہوا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ جس بات کا آپکو حکم دیا گیا ہے، اس کا

[1] اسد م صنہ؟

اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ صاف صاف اعلان کر دیجئے، اور مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے۔
(سورہ الحجر۔ آیۃ ۹۴)

چنانچہ آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قبائل قریش کو نام بنام پکارا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا کہ اگر میں آپ کو یہ خبر دوں کہ غنیم کا لشکر چڑھا آ رہا ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ بیشک ہم آپ کی خبر کا یقین کریں گے کیونکہ ہم نے کبھی آپ سے صدق و سچائی کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں۔ اس کے بعد آپ نے نہایت مؤثر پیرایہ میں اسلام کی دعوت دی، اور ارشاد فرمایا کہ:۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لئے اس تحفہ سے بہتر تحفہ لے کر نہیں آیا جو میں تمہارے لئے لایا ہوں۔ میں تمہارے لئے دین و دنیا کی فلاح و بہبود لے کر آیا ہوں اور خداوند عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اسکی طرف دعوت دوں۔ خدا کی قسم اگر میں تمام دنیا کے انسانوں سے جھوٹ بولتا تب بھی تمہارے سامنے جھوٹ نہ بولتا۔ اور اگر ساری دنیا کو دھوکہ دیتا تب بھی تمہیں دھوکہ نہ دیتا۔ اس ذاتِ اقدس کی قسم ہے جو ایک ہے، جس کا کوئی سہیم و شریک نہیں کہ میں تمہاری طرف خصوصاً اور تمام عالم کی طرف عموماً خدائے تعالیٰ کا رسول اور پیغمبر ہوں۔ (خاتم الانبیاء صا۱۴)

ابولہب نے کہا۔ ہلاک ہو تو، کیا ہم کو اسی لئے جمع کیا تھا اور آپ کو مارنے کے لئے پتھر اٹھایا۔ اسی گستاخانہ کلمہ کے جواب میں سورۂ لہب نازل ہوئی (تیسیر المصنف بخاری ج ۱)

اشارات

① تبلیغ میں اوروں کی نسبت اقارب کو خیال پہلے ہونا چاہیئے کہ خیر خواہی

میں ان کا حق مقدم ہے۔

(۲) کلمہ حق کا اعلان اہلِ باطل کی رو رعایت کے بغیر صاف صاف ہونا چاہیئے۔

(۳) نبی کی صداقت کا اصل معیار اس کی ذات اور تعلیم ہے۔

(۴) آپ نے اپنے رشتہ داروں کو انفرادی اور اجتماعی دونوں طریق سے دین کی دعوت دی۔

(۵) خاص جماعت تیار ہونے سے قبل علی الاعلان دعوت دینا مناسب نہیں۔

قریش کا ابُوطالب سے مطالبہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاعلان بت پرستی کی مذمت کی اور لوگوں کو کفر و شرک سے روکنا شروع کیا تو قریش کے چند معززین نے ابوطالب سے آکر شکایت کی کہ وہ آپ کو اس قسم کی باتوں سے روک دیں یا ان کی حمایت چھوڑ دیں۔ ابوطالب نے ان کو خوش اسلوبی اور نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدستور توحید کی نشر و اشاعت اور کفر و شرک کی مذمت میں مشغول رہے۔ تو دوبارہ کفار کا ایک وفد جس میں تمام رؤسائے قریش یعنی عتبہ شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے، ابوطالب کے پاس آیا اور سختی سے مطالبہ کیا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آباد اجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ ہم کو احمق ٹھہراتا ہے۔ اس لئے یا تو آپ اس کو باز رکھیں یا اس کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔ ورنہ میدان میں آئیں تاکہ دونوں میں سے کسی ایک فریق کے حق میں فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب کو فکر ہوئی کہ حالت نازک ہو گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہا کہ برادر زادے

مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں اُٹھا نہ سکوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ چچا جان! میں دین کا کام آپ کی تائید اور حمایت پر نہیں کر رہا بلکہ میرا حامی اور ناصر وہی پروردگارِ عالم ہے جس نے مجھے اس کام پر مامور فرمایا ہے۔ جب تک یہ فریضۂ رسالت ادا نہیں ہو جاتا میں اپنی کوشش سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ آپ میری تائید اور نصرت کریں تو آپ کی سعادت ہے ورنہ مجھے تائیدِ آسمانی کافی ہے۔ اے چچا جان! "خدا کی قسم اگر وہ میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں پر ماہتاب لا کر رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں خدا کا کلمہ اس کی مخلوق کو نہ پہنچاؤں تو میں ہرگز اس کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ یا خدا کا سچا دین لوگوں میں پھیل جائے یا کم از کم میں اسی جِدّ و جُہد میں اپنی جان دے دوں"۔ (سیرت خاتم الانبیاء صفحہ ۴۳)

ہاں اگر آپ میری حفاظت و نصرت سے گھبرا گئے ہیں تو میرا معاملہ میری تقدیر کے حوالہ کیجئے اور آپ اپنے آپ کو پریشانی میں نہ ڈالئے۔ ابو طالب نے جب یہ رنگ دیکھا تو کہا۔ اچھا جاؤ۔ تم اپنا کام کرتے رہو۔ میں بھی تمہاری حمایت سے کسی وقت ہاتھ نہ اُٹھاؤں گا، اور جب تک زندہ ہوں کوئی شخص تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ (سیرت الکبریٰ ج ۔ ا صفحہ ۵۰۵)۔

جب قریش نے دیکھا کہ ابو طالب آپ کی امداد اور حمایت پہ تُلے ہوئے ہیں تو تیسری بار مشورہ کر کے عمارہ بن ولید کو ساتھ لے کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ عمارہ قریش کا نہایت حسین و جمیل ہوشیار سمجھ دار نوجوان ہے، آپ اس کو لے لیں اور اپنے بھتیجے کو جس نے ساری قوم میں تفریق ڈال دی ہے، ہمارے حوالہ کر دیں۔ ابو طالب نے کہا۔ واہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے پالے ہوئے بیٹے کو قتل کے لئے تمہارے حوالہ کر دوں۔ اور تمہارے بیٹے کو لے کر اس کی پرورش کروں۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا میں برملا کہتا ہوں کہ تم سے جو ہو سکتا ہے کر گذرو۔ میں قطعاً تمہارا مطالبہ ماننے کیلئے

تیار نہیں۔ (سیرت الکبریٰ ج۔ ا صفحہ ۵۰۹)۔

ابوطالب نے جب دیکھا کہ قریش آپ کے خون کے پیاسے ہیں تو بنو ہاشم کو جمع کیا اور تاکید کی کہ جس طرح بن پڑے، آپ کی حفاظت کی جائے اور دشمنوں سے بچایا جائے۔ ابوطالب کی اس آرزو پر سوائے ابولہب کے تمام بنی ہاشم نے لبیک کہا۔

اشارات

(۱) دعوتِ حق میں مخلوق پر نظر نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے نورِ حق کی حمایت اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

(۲) مبلّغ کو اس قدر ثابت قدم ہونا چاہیئے کہ اقتدار، برادری یا قومی دباؤ سے ہرگز متأثر نہ ہو۔

(۳) ظالموں سے اپنے عزیزوں کی حمایت اور حفاظت کرنا شرعی فریضہ کے علاوہ عین خودداری اور انسانی غیرت کا تقاضہ ہے۔

راہِ تبلیغ میں کُفّار کی مزاحمت

جب قریش نے دیکھا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب آپ کے ساتھ ہیں، اور اسلام روز افزوں ترقّی پر ہے تو ان کو فکر ہوئی کہ حج کا موسم قریب آرہا ہے اس موقعہ پر آپ نہایت سرگرمی سے تبلیغ کریں گے۔ جو لوگ آپ کا کلام سُنیں گے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے۔ اس طرح اندیشہ ہے کہ ان کا مذہب ہر چہار طرف پھیل جائے گا۔ پس اطراف واکناف سے آنے والے لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے سب نے جمع ہو کر طے کیا کہ مکّہ کے تمام راستوں پر آدمی بٹھا دیئے جائیں جو باہر سے آنے والے لوگوں کو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پہلے سے کہہ دیں کہ یہ ایک ساحر ہے جو اپنے کلام سے باپ بیٹے، خاوند بیوی اور تمام رشتہ داروں میں باہمی تفریق ڈال دیتا ہے۔ اس سے بچتے رہنا اور اس کے قریب نہ جانا۔ خدا کی قدرت قریش کی یہ تدبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا کام کر گئی ؎

عدو شرے برانگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد

نتیجہ

(۱) اس طرح آپ کی بعثت کی خبریں دیگر قبائل میں پہنچنے لگیں تو متعدد لوگ دُور دراز مقامات سے تحقیقِ حال کے لئے آپ کے پاس آئے، اور مخفی طور پر اسلام لاکر واپس ہوئے۔ عمرو بن عبسہ، ابوذر غفاری، ابوموسیٰ اشعری، طفیل بن عمرو دوسی، ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہم انہی بزرگوں میں سے تھے۔

(۲) آپ کی دعوت کی آواز مختلف قبائل میں آسانی سے پہنچ گئی۔ اور باہر سے آنے والے لوگ آپ کی دعوت سے واقف ہوگئے۔

(۳) اسلام کو اشاعت کے لئے اعلان اور اشتہار کی ضرورت تھی۔ جس کو اعدائے اسلام نے خود پورا کر دیا۔

قریش کی ایذا رسانی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت

جب آپ نے علی الاعلان لوگوں کو دینِ حق کی طرف بُلانا شروع کیا تو قریش نے بھی کُھلم کُھلا مخالفت شروع کر دی حتیٰ کہ اسلام کے مٹانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو وہ تکلیفیں دیں جن کو سُن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان سب واقعات کا ذکر کرنا تو مشکل ہے مگر ہم اپنے قارئین کیلئے بطور "نمونہ مشتے از

از خود ارے" چند ایک کا ذکر کرتے ہیں تاکہ کچھ اندازہ ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی اشاعت کے لئے کیسے کیسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

(۱) جب آپ کسی مجمع میں پیغامِ حق سُناتے تو ابولہب پیچھے پیچھے ہو لیتا۔ آپ پر پتھراؤ کرتا جس سے آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے۔ اور کہتا جاتا کہ لوگو اس کی بات نہ سُنو، یہ شخص بے دین ہے۔ ابولہب کی بیوی بھی آپ کے خون کی پیاسی تھی۔ یہی کم بخت آپ کے راستہ میں کانٹے بچھایا کرتی تھی۔

آپ کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمِ کلثومؓ ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں تھیں۔ ابھی رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ آپ کی نبوت کا ظہور ہوا۔ جب سورۂ لہب نازل ہوئی تو ابولہب اور اس کی بیوی نے دونوں صاحبزادیوں کو اپنے بیٹوں سے طلاق دلا کر آپ کے قلبِ مبارک کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کی مگر حقیقت میں یہ اللہ تعالےٰ کی عظیم الشان رحمت تھی کہ صاحبزادیوں کا مستقبل کفر و شرک کے ماحول سے محفوظ ہو گیا اور وہ یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں۔

عتیبہ نے پیغمبر زادی کو طلاق دینے پر اکتفا نہ کیا بلکہ بارگاہِ نبوی میں گستاخانہ اور توہین آمیز حرکات کا بھی مرتکب ہوا۔ آپ کا پیراہن چاک کیا، اور چہرۂ مبارک پر تھوکا۔ اس وقت غیرتِ الٰہی سے آپ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات جاری ہو گئے۔

اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ۔	الٰہی اپنے کتّوں میں سے کوئی کتّا اس پر مسلط کر دے۔

اس واقعہ کے چند روز بعد ابولہب عتیبہ کو لے کر بقصدِ تجارت مُلک شام کو روانہ ہوا۔ پہلی منزل پر ہی قیام کیا تھا۔ یہاں ایک شیر آتا تھا۔ ابولہب نے بیٹے کی حفاظت[1] کے واسطے تمام اسباب کا ٹیلہ بنا کہ عتیبہ کو اس پر بٹھلایا۔ اور سب کو اس کے

---

[1] ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کی وجہ سے عتیبہ کے انجام سے خائف تھا۔

گرد اگرد سُلا دیا۔ رات کو شیر آیا اور قافلے کے ہر شخص کا چہرہ سُونگھتا ہؤا ایک جست لگا کر ٹیلہ پر چڑھ گیا، اور عتیبہ کو ہلاک کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے (سیرت اکبری ج ۱ ص ۲۴۸)

(۲) ایک دفعہ آپ لوگوں کو توحید کی دعوت دے رہے تھے مگر بعض بد نصیب آپ کو گالیاں دیتے، اور بعض آپ پر تھُوکتے اور بعض آپ پر خاک ڈالتے۔ یہاں تک کہ آدھا دن اسی طرح گذر گیا۔ اور آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ پانی لے کر آئی۔ آپ نے اپنا چہرۂ مبارک اور ہاتھ دھوئے، اور فرمایا کہ بیٹی فکر نہ کر، خدا خود تیرے باپ کی حفاظت فرمائے گا۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۴۷ بحوالہ بخاری)

(۳) ایک دن آپ حطیم میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا اور آپ گھٹنوں کے بل گر گئے۔ سامنے سے حضرت ابوبکرؓ آنکلے۔ عقبہ کو دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور کہا۔

أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ	کیا تم ایک مرد کو اس بات پر قتل کرتے
رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ	ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف
بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۔ (المومن آیت ۲۸)	اللہ ہے، اور اپنی نبوت اور رسالت

کی واضح اور روشن نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے کر تمہارے پاس آیا ہے۔

اس پر دشمنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو چھوڑ دیا، اور حضرت ابوبکرؓ کو اتنا مارا کہ چہرہ بُری طرح زخمی ہو گیا۔

(۴) ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل کی ترغیب سے شقی القلب عقبہ بن ابی معیط نے ایک اونٹ کی تازہ اوجھ آپ کی پشت مبارک پر عین اس وقت لاکر رکھ دی جبکہ آپ رب العزت کے سامنے سربسجود تھے۔ کفار ہنسی کے مارے لوٹے جاتے اور ایک دوسرے پر گرے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا کہ اتنے میں حضرت

فاطمہ زہرہ جو اس وقت چار پانچ سال کی تھیں، دوڑی ہوئی آئیں اور آپ کے اُوپر سے اوجھ اُٹھائی اور ان سنگ دلوں کو بُرا بھلا کہا۔ آپ نے سجدہ سے سر اُٹھایا۔ اس کے بعد ابو جہل، عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کے لئے نام بنام بد دُعا کی چنانچہ وہ سب ایک ایک کرکے جنگِ بدر میں قتل ہوئے۔

⑤ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دست درازی کر رہے تھے۔ ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے قریب جائے اور دشمنوں سے چھڑائے۔ اتفاق سے حضرت ابو بکرؓ آگئے، اور دشمنوں میں گھس کر ان کو ہٹانا اور مارنا شروع کیا اور کہا:۔

افسوس! کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے"

جب دشمن علیحدہ ہوگئے تو آپؐ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم جیسوں کو ذبح کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ کفّار پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا، اور ہر دشمن اپنی جگہ سرنگوں تھا۔ اس لئے کہ جانتے تھے کہ آپ جو فرماتے ہیں وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

⑥ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ ابو جہل اور امیہ حطیم میں بیٹھے ہوتے تھے۔ جب آپ سامنے سے گذرے تو انہوں نے کچھ نازیبا کلمات آپ کی شان میں کہے۔ دوسری اور تیسری بار بھی اسی قسم کے گستاخانہ اور بے ہودہ کلمات کہے تو آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا اور فرمایا خدا کی قسم اگر تم باز نہ آؤ گے تو تم پر بہت جلد اللہ کا غضب نازل ہو گا! اس وقت کوئی شخص ایسا نہ تھا جو کانپ نہ رہا ہو۔ آپ تو یہ فرما کر گھر کی طرف روانہ ہوئے ہم لوگ بھی آپ کے پیچھے ہو لئے۔ آپ نے فرمایا۔ بشارت ہو تم کو، اللہ اپنے دین کو یقیناً غالب کرے گا، اور اپنے کلمہ کو پورا کرے گا اور اپنے دین کی مدد کرے گا اور

ان لوگوں کو عنقریب تمہارے ہاتھوں ذبح کرائے گا۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم ہم نے دیکھ لیا کہ اللہ نے ان کو ہمارے ہاتھوں ذبح کرایا۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۶۱)

⑦ جب صحابہؓ کی تعداد انتالیس تک پہنچ گئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلم کھلا تبلیغ کرنے کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکر! ابھی ہم تھوڑے ہیں، جب تعداد کچھ زیادہ ہو جائے گی تو ایسا کرنا ضروری ہوگا۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کے تقاضہ پر آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے توحید پر ایک خطبہ[1] دیا۔ کفار دفعۃً ان پہ ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ ان کے قبیلہ بنو تمیم کو ان کی موت کا یقین ہو گیا، اور وہ ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے گئے۔ شام کے وقت ان کی زبان کھلی تو بجائے اس کے کہ اپنی تکلیف بیان کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا۔ اب خاندان کے لوگ بھی ان سے الگ ہو گئے۔ والدہ نے کھانے کے لئے اصرار کیا۔ لیکن ان کو تو اسی محبوب کے نام کی رٹ لگی ہوئی تھی۔ کہا، میں نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوں گا کچھ نہ کھاؤں گا۔ رات کو جب لوگ سو گئے تو والدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا۔ تب آپ کی طبیعت کو سکون اور اطمینان ہوا۔ (انتخاب از سیر الصحابہ و سیرت الکبریٰ)۔

⑧ جب مسلمانوں کی تعداد چالیس سے زیادہ ہو گئی تو آپ نے حرم میں جا کر توحید کا اعلان کیا۔ دفعۃً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب[2] حضرت حارث بن ابی ہالہ گھر میں تھے۔ ان کو خبر ہوئی وہ دوڑے ہوئے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانا چاہا۔ لیکن ہر طرف سے ان پر تلواریں ٹوٹ پڑیں اور وہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں

---

[1] یہ پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں دیا گیا۔ [2] سوتیلا بیٹا

یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی۔ (سیرت النبی ج ۱ ص ۲۱۱)

(۹) ایک دفعہ آپ لوگوں کو دینِ حق کی دعوت دے رہے تھے کہ ابوجہل آپ پر مٹی پھینکتا جاتا تھا اور یہ کہتا جا رہا تھا کہ لوگو اس کے دھوکہ میں نہ آنا۔ یہ تم کو آبائی مذہب سے سرگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر آپ اس کی طرف ذرہ برابر بھی التفات نہ فرماتے۔

(۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ابولہب اور عقبہ دو بدترین پڑوسیوں کے درمیان رہتا تھا، یہ دونوں میرے دروازے پر نجاستیں لا کر ڈالا کرتے تھے۔

غرض قریش آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے رہے۔ راہ میں کانٹے بچھاتے اور بدزبانیاں کرتے۔ آپ کو جادوگر اور دیوانہ کہتے۔ کعبہ میں نماز پڑھنے سے روکتے۔ عبادت میں مشغول ہوتے تو آپ پر پتھراؤ کرتے۔ جسم مبارک پر نجاست ڈالتے۔ جب آپ کھانا کھاتے تو کھانے میں مٹی ڈال دیتے اور جو آپ کی مدد کرتا اس کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر کھینچتے اور اتنا مارتے کہ وہ بے ہوش ہو جاتا۔

نتیجہ

(۱) ان واقعات سے ظاہر ہے کہ مشرکین چراغِ نبوّت کو گُل کرنے اور اسلام کو مٹانے پر تُلے ہوئے تھے اور ہر طرح آپ کی ایذا رسانی کے درپے تھے۔ ان واقعات کے علاوہ آپ کا اور آپ کے قبیلہ کا مکمّل بائیکاٹ، آپ کے قتل کا منصوبہ، آپ کو شہر بدر کرنا، ہجرت کے بعد بھی چین نہ لینے دینا اور اہلِ طائف کا نہایت گستاخانہ اور وحشیانہ سُلوک جس کی وجہ سے ملائکہ بھی اہل طائف کی بربادی اور ہلاکت کی اجازت لینے کے لئے حاضر ہوئے، ایسے سنگین واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو تبلیغِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے کیسے کیسے جگر گداز مصائب اور شدائد کا سامنا کرنا پڑا۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی تئیس سالہ زندگی سخت مشکلات میں

گھری رہی مگر آپ چشم زدن کے لئے بھی کبھی یاس و اضطراب کے نام سے آشنا نہ ہوئے۔ در و دیوار، شجر و حجر سے مخالفت کی صدائیں بلند ہوئیں لیکن سب بے اثر ہو کر رہ گئیں ساری طاغوتی طاقتوں کو آپ کے عزمِ آہنی نے پاش پاش کر دیا۔ عرب بھر کے جن نامی گرامی بہادروں نے آپ کو پامال کرنے کا تہیہ کیا، وہ خود ہی ذلیل و خوار ہو کر دنیا سے نابود ہو گئے۔ حق کی آواز کو دبانے کے لئے جو مسلسل سازشیں جاری رہیں، اگر کوئی مخالف بھی نظرِ انصاف سے ان کا مطالعہ کرے تو اُسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک تنِ تنہا آدمی کے لئے ان مشکلات سے عہدہ برآ ہونا بجز منصبِ نبوّت اور خاص ربّانی نصرت کے بالکل ناممکن ہے۔

اشارات

(۱) قرب کے لئے مجاہدہ اور مشقّت ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے ساری کائنات سے قرب کا بلند ترین مقام عطا فرمایا ہے۔ جہاں تک کسی دوسرے کی رسائی نہیں۔ اس لئے اس راستہ میں سب سے زیادہ مصائب و مشکلات آپ ہی کو پیش آئیں اور جتنا آپ کو ستایا گیا اتنا کسی پیغمبر کو نہیں ستایا گیا۔

(۲) اس بے سر و سامانی کی حالت میں آپ کا صحابہ کو دین کے غلبہ کی بشارت اور مخالفین کی ہلاکت و بربادی کی خوش خبری دینا بجز وحیِ الٰہی کے نہیں ہو سکتا۔ یہ آپ کے دلائلِ نبوّت میں سے ہے۔

(۳) کفّار کے غلبہ کے وقت جب کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی ہمّت اور جرأت نہ ہوئی تو اس وقت حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا دشمنوں میں گُھس کر آپ کی حمایت کرنا حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت اور سب سے زیادہ شجاعت کی دلیل ہے۔

(۴) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دعوت و تبلیغ کی راہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے اپنے آپ کو نشانۂ جور و جفا بننے کے لئے پیش کیا۔ تاکہ حضورؐ کی ذاتِ گرامی پر

کوئی آنچ نہ آئے۔

⑤ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنی ذات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دینا انتہائی محبت اور ایمانِ کامل کی دلیل ہے۔

⑥ دین کے راستہ میں مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا، اور ان پر صبر کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے۔

⑦ پے درپے ناکامیوں کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مایوس نہ ہونا اور ثابت قدم رہنا، اپنے غلبہ اور کفار کی ہلاکت و بربادی کی پیشین گوئی کرنا، امت کو تعلیم ہے کہ اہلِ حق کو مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ بالآخر حق غالب اور باطل مغلوب ہو کر رہتا ہے

اکابر صحابہؓ کے ساتھ رشتہ داروں کا سُلوک[1]

جن مسلمانوں کو خاندانی عزت اور وجاہت حاصل تھی ان کو جسقدر مصائب اور مشکلات کا سامنا ہوا، اور تکلیفیں پہنچیں، وہ سب اپنے عزیزوں اور بزرگوں کے ہاتھوں پہنچیں۔ ورنہ ان کی خاندانی عظمت اور وجاہت کے ساتھ کسی دوسرے کو ان کی ایذا رسانی کی مجال نہیں ہو سکتی تھی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صاحب جاہ و اعزاز تھے۔ جب اسلام لائے تو ان کے چچا نے رسّی سے باندھ کر مارا۔ اور کہا کہ جب تک اسلام کو ترک نہ کرے گا، نہیں چھوڑوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! میں اس دین کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ جب اس نے دین پر آپ کی یہ پختگی دیکھی تو چھوڑ دیا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ: آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ پانچویں مسلمان تھے۔[2]

---

[1] انتخاب از سیرت اکبریٰ۔ سیر الصحابہ۔ سیرت المصطفیٰ۔ سیرت النبی۔ [2] سیرت النبی ج۔۱ ص ۲۳۲

جب اسلام لائے تو ان کے چچا انہیں چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں اسقدر دُھونی دیتے کہ دم گُھٹنے لگتا۔ لیکن یہ سنگین تکلیفیں اور آزمائشیں بھی اُن کے وزنی ایمان کو نہ ہلا سکیں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ : اسلام لائے تو ان کے چچا اور بڑے بھائی نے رسی سے باندھ کر بہت مارا کہ کسی طرح اسلام کو ترک کر دیں۔ لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اُتر جاتا۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ : ایمان لائے تو ان کی ماں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ اسلام کو نہ چھوڑیں گے مَیں کچھ نہ کھاؤں گی، نہ پیوں گی، نہ ان سے کلام کروں گی۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ اے ماں اگر تُو ہزار دفعہ بھی مر کر جئے اور پھر مرے تو بھی مَیں اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن تیسرے دن فاقہ سے بے ہوش ہو گئیں اور حسبِ معمول کھانا شروع کر دیا۔ مگر حضرت سعدؓ پر اس کا کچھ اثر نہ پڑا۔ وہ نہایت مضبوطی کے ساتھ اسلام پر قائم رہے۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ : سابقین اوّلین میں سے چوتھے یا پانچویں مسلمان ہیں۔ جب اسلام لائے تو باپ نے بیلے رچی سے بہت مارا اور کھانا پینا بند کر دیا۔ اور اپنے دوسرے لڑکوں کو ان سے بات چیت کرنے کی ممانعت کر دی۔ لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نہ چھوڑی۔ آخر کار حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔

حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ، ابو جہل کے حقیقی بھائی تھے، اور حضرت عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، ابو جہل کے ماں جایا بھائی تھے۔ جب یہ اسلام لائے تو ابو جہل نے دونوں کو طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دیں۔ حضرت عیاشؓ حضرت عمرؓ کی معیّت میں مدینہ پہنچ گئے۔ ابو جہل نے مدینہ پہنچ کر ان سے کہا کہ ماں نے

قسم کھائی ہے کہ جب تک تجھ کو نہ دیکھ لے گی، نہ سر میں کنگھی کرے گی نہ دھوپ سے سایہ میں بیٹھے گی۔ عیاش کا دل بھر آیا اور ابو جہل کے دھوکہ میں آکر اس کے ساتھ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ تمہاری ماں کے سر میں جوں پڑ گئی تو وہ خود کنگھی کرے گی، اور دھوپ لگے گی تو وہ خود بخود سایہ میں ہو جائے گی۔ تمہارا واپس جانا کسی طرح قرینِ مصلحت نہیں۔ مگر عیاش نے کہا کہ والدہ کو تکلیف ہو گی۔ میں اس کی قسم پوری کر کے چلا آؤں گا۔ راستہ میں ابو جہل نے موقعہ پاکر عیاش کو گرفتار کر کے مشکیں کس لیں اور مکّہ لا کر حضرت سلمہؓ کے ساتھ قید میں ڈال دیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ ہی میں تشریف فرما تھے۔ چند روز کے بعد آپ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ جب حضرت خالد کے بھائی ولید بن ولید کسی طرح کفّار کی قید سے نکل کر مدینہ منوّرہ پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عیاش کا حال دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان دونوں پر بہت سختیاں ہو رہی ہیں اور ایک ہی بیڑی میں دونوں کے پیر ڈال دیئے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رہائی کے لئے نام بنام صبح کی نماز میں دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ عیاش بن ربیعہ اور سلمہ بن ہشام کو مشرکین کے پنجۂ ظلم سے نجات عطا فرما۔ پھر آپ نے ولید بن ولید کو مامور فرمایا کہ وہ کسی طرح ان کو چھڑا کر لائیں۔ چنانچہ وہ مکّہ آئے اور نہایت ہوشیاری اور رازداری سے دونوں کو قید سے نکال کر لے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ: مکّہ کے حسین وجمیل نوجوان تھے۔ ان کے والدین ان سے انتہائی محبّت رکھتے تھے اور اچھّے سے اچھّا اور نرم لباس ان کو پہناتے تھے۔ جب اسلام لائے تو والدین نے زنجیروں میں جکڑ دیا۔ کچھ عرصہ تکلیفیں برداشت کرتے رہے آخر کار ترکِ وطن پہ مجبور ہو گئے اور حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

یہ سب حضرات قبیلہ قریش کے معززین میں سے تھے۔ صاحب فہم و فراست اور ذی استعداد تھے۔ آپ کی عملی زندگی سے واقف تھے۔ آپ کی صداقت اور دیانت کا تجربہ کر چکے تھے۔ اسلام کی صداقت سے متاثر ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ کا حکم سنتے ہی اسلام کے گرویدہ ہو گئے۔

انتقامی کارروائی کی ممانعت دشمنوں کے مظالم کو خاموشی سے برداشت کرنے والے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے چند سالوں کے اندر قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا، تو کیا انہیں مشرکین مکہ کے مقابلہ میں اپنی مدافعت کرنے اور ان سے انتقام لینے کی ہمت و جرأت نہ تھی؟

یہ سب کچھ تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دشمنوں پر ہاتھ اٹھانے اور مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک دفعہ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ہمارا اعزاز و اکرام کرتے تھے اور ہماری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن جب سے ہم نے دینِ حق کی پیروی اختیار کی ہے ہمیں سخت ایذائیں دی جاتی ہیں اور انتہا درجہ کی تحقیر ہوتی ہے۔ اس لئے اگر حکم ہو تو ہم بھی دشمنوں سے نپٹ لیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو یہی حکم ہے کہ ان کی خطاؤں کو معاف کر کے درگذر کروں۔ اس لئے تم لوگ صبر کرو، کسی پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ اور جو کوئی زیادتی کرے اس کو معاف کر دو۔ غرض آپ نے کسی طرح انتقام لینے کی اجازت نہ دی۔

اشارات

(۱) ان حضرات کے ذریعہ قریش کے مختلف گھرانوں میں اسلام داخل ہو گیا۔

(۲) مکی زندگی صحابہ کے یقین اور صبر و استقلال کا امتحان تھا۔ انتقام کے لئے ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔

③ جب صحابہؓ اس میں ثابت قدم رہے تو ان کے صبر کا نتیجہ معیتِ الٰہی اور نصرتِ خداوندی کی صورت میں برآمد ہوا۔ پھر جو مقابلہ کے لئے آیا اور اسلام سے ٹکرایا، وہ پاش پاش ہو گیا۔

④ کامیابی کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت پر موقوف ہے جو یقینِ کامل، استقلال اور صبر سے حاصل ہوتی ہے۔

⑤ جماعتی کمزوری کی صورت میں اہلِ باطل کے اقتدار کا مقابلہ صبر سے کرنا چاہیئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اظہارِ حق

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر پہنچی تو مکہ آئے اور حضرت علیؓ کی وساطت سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آپ کا کلام سُنا اور اسی وقت ایمان لے آئے۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرا ارادہ ہے کہ میں اپنے دین کو ظاہر کروں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے تمہارے قتل کئے جانے کا اندیشہ ہے۔ میں نے عرض کیا۔ خواہ کچھ ہی ہو میں تو دین کو ظاہر کر کے رہوں گا۔ آپ خاموش ہو گئے۔ میں حرم میں پہنچا اور اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ کفار مجھ پر ٹوٹ پڑے، اور اتنا مارا کہ مارتے مارتے لہو لہان کر دیا۔ حضرت عباسؓ نے آکر بچایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میرا حال دیکھ کر فرمایا کہ میں نے تجھے اس سے منع نہیں کیا تھا؟ اس کے بعد فرمایا کہ اپنی قوم میں چلے جاؤ۔ جب میرے غلبہ کی خبر سُنو تب میرے پاس چلے آنا۔ ابوذرؓ واپس ہوئے۔ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی۔ نصف قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ (حیوۃ الصحابہ ج۔ا ص۲۱۲)۔

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن عبسہؓ قبیلہ بنو سلم کے رئیس اور حضرت ابوذر غفاریؓ کے ماموں تھے۔ انہوں نے ایک یہودی عالم سے سُنا تھا کہ مکہ میں ایک جلیل القدر نبی ظاہر ہونے والے ہیں۔ اگر ان کو پاؤ تو ان کی پیروی کرنا جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سُنی تو مکہ پہنچے اور آپ کے ارشادات سے بہت متاثر ہوئے۔ اور مسلمان ہو گئے۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں بدل و جان آپ کا ساتھ دینے کو حاضر ہوں۔ تو آپ نے ان کو بھی یہی فرمایا کہ ابھی تم میری رفاقت کے متحمل نہ ہو سکو گے۔ اپنے وطن لوٹ جاؤ۔ جب میرے غلبہ کی خبر سُنو تو پھر میرے پاس چلے آنا۔ (سیرت الکبریٰ ج۔ ا صـ۳۱۰)۔

اشارات

(۱) عمرو بن عبسہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما کے واقعات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ الٰہی کے ظہور اور غلبہ کا کامل یقین تھا۔ اس بے سروسامانی میں یہ یقین بدوں وحی الٰہی کے ممکن نہیں (سیرت المصطفیٰ ج۔ ا صـ۱۲۶)۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوذرؓ کو کفار کی ایذا رسانی سے بچانے کے لئے خاموشی کیساتھ واپسی کا مشورہ دینا شفقت پر مبنی تھا، تبلیغ و اشاعت سے روکنا نہیں تھا۔

(۳) ایسے نازک اور خطرناک حالات میں کلمۂ حق کا برملا اعلان حضرت ابوذرؓ کی ایمانی تڑپ اور غلبۂ حال کا مظاہرہ اور جان نثاری کا تقاضہ تھا۔

(۴) حضرت ابوذرؓ کا یہ عمل اگرچہ بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کے خلاف ہے مگر درحقیقت اظہارِ اسلام کے لئے یہ بے چینی اور سرفروشی عین اطاعت ہے۔

ے خوشتر آں باشد کہ سِرّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

مشرکینِ مکّہ کا جور و ستم اور صحابہؓ کا صبر و تحمّل

جس قدر اسلام پھیلتا جاتا تھا مشرکینِ مکّہ کا غیض و غضب زیادہ ہوتا جاتا تھا جن مسلمانوں کا کوئی حامی اور مددگار ہوتا، ان پر تو کفّار کا زیادہ بس نہ چلتا تھا لیکن جو بیچارے بے سہارے مسلمان تھے جن کی کوئی پشت و پناہ نہ تھی وہ قریش کے جور و ستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ قریش کسی کو مارتے، کسی کو بھوک پیاس سے ستاتے، کسی کو کئی کئی روز تک عین دوپہر کے وقت تپتے ہوئے پتھروں پر لٹاتے۔ کسی کو تنگ و تاریک کوٹھری میں بند رکھتے (سیرت المصطفیٰ ج۔ا ص۱۶۰)۔ بعض کو گائے یا اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے۔ بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے جلتے پتھروں پر گرا دیا کرتے غرض ایسی وحشیانہ سزائیں دیتے کہ صرف قوّتِ ایمانیہ ہی ان کا مقابلہ کر سکتی تھی۔

اب ہم چند ایسے واقعات کا ذکر کرتے ہیں جس سے مشرکینِ مکّہ کے جور و ستم اور صحابہؓ کے صبر و تحمّل کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ: امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ کفّار ان کو لوہے کی زنجیریں پہنا کر ننگے بدن دھوپ میں ڈال دیتے۔ پتھر کی وزنی چٹان ان کے سینہ پر رکھی جاتی۔ کبھی مشکیں باندھ کر ان کو کوڑوں سے پیٹا جاتا۔ کبھی گلے میں رسی باندھ کر بدتمیز لڑکوں کے حوالے کر دیئے جاتے جو ان کو مکّہ کی پہاڑیوں میں گھسیٹتے پھرتے۔ ان کا جسم زخموں سے نڈھال اور لہولہان ہو جاتا۔ اور غش پر غش آتا۔ مگر اس شدّت کی تکلیف میں بھی یہ زبانِ مبارک سے اَحَدٌ اَحَدٌ پکارتے۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ادھر سے گذر ہوا۔ یہ منظر دیکھ کر دل بھر آیا۔ امیہؔ سے خرید کر آپ کو آزاد کر دیا۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ: کہا جاتا ہے کہ یہ چھٹے مسلمان ہیں۔ ایک عورت اُمِّ انمار کے غلام تھے۔ وہ لوہا گرم کر کے ان کے سر پر رکھا کرتی۔ ایک دن مشرکینِ مکّہ نے...

لہ پہلی امتوں نے تو کھوٹے روپلے لے کر انبیاء کو گرفتار اور قتل کرا دیا۔ (زاد المعاد جلد ۱)

دھکتے ہوئے کوئلے زمین پر پھیلا کر حضرت خبابؓ کو پکڑ کر ان پر چت لٹا دیا۔ ایک شخص نے ان کے سینہ پر پاؤں رکھ کر دبائے رکھا تاکہ کروٹ نہ بدلنے پائیں یہاں تک کہ ان کے زخموں کی رطوبت نے آگ کو بجھایا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ: حضرت عمار اور ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ سب کے سب مسلمان ہو گئے تھے۔ مکہ میں ان کا کوئی قبیلہ اور کنبہ نہ تھا جو ان کی مدد کرتا۔ اس لئے قریش نے ان کو بہت تکلیفیں دیں۔ کبھی ان کو جلتی زمین پر لٹاتے۔ اور اس قدر مارتے کہ وہ بے ہوش ہو جاتے۔ کبھی پانی میں غوطے دیتے۔ کبھی دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے۔ اور یہی سلوک آپ کے والدین کے ساتھ کیا جاتا۔ ایک دفعہ دوپہر کے وقت قریش ان کو لوہے کی زرہیں پہنا کر مار رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا فرمایا۔ اے یاسر کے خاندان! صبر کرو صبر۔ تمہارے وعدہ کی جگہ جنت ہے۔ ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریق پر حضرت سمیہؓ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ اسلام میں سب سے پہلے شرفِ شہادت انہی کو نصیب ہوا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ[1]: قریش ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتے اور اس قدر مارتے اور تکلیفیں دیتے کہ ان کے حواس قائم نہ رہتے جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے کہا کہ اگر تم سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو ہجرت کر سکتے ہو۔ آپ نے بخوشی اس کو قبول کیا، اور دنیا کے مال و متاع پر لات مار کر ہجرت فرمائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ	اور لوگوں میں بعض ایسا مخلص بھی ہے
نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ	جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے
اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ	کیلئے اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور

[1] یہ عبداللہ بن جدعان کے غلام تھے۔ انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔ [2] آپ کی شرمگاہ پر نیزہ مار کر شہید کر دیا۔

بِالْعِبَادِ ○ (بقرہ-پ۲) اللہ تعالیٰ ایسے بندوں پر بڑی شفقت کرتے ہیں۔

حضرت فکیہہ رضی اللہ عنہ : صفوان بن امیّہ کے غلام تھے۔ وہ ان کو درد انگیز سزائیں دیتا۔ جلتی ہوئی ریت پر منہ کے بل لٹا کر پشت پر بھاری پتھر رکھ دیتا۔ حتیٰ کہ آپ بے ہوش ہو جاتے۔ کبھی پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹتا۔ کبھی آپ کا گلہ گھونٹتا، ایک دفعہ اس زور سے آپ کا گلا گھونٹا کہ لوگوں نے سمجھا، دم نکل گیا۔ حُسنِ اتّفاق سے حضرت ابوبکر صدّیقؓ ادھر آنکلے اور ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا : حضرت عمر کے گھرانے کی کنیز تھیں۔ مشرکین ان کو بہت مارتے اور ایذائیں پہنچاتے۔ جب حضرت صدیقِ اکبرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کیا تو سوءِ اتفاق سے چند روز بعد ان کی بینائی جاتی رہی۔ کفار نے طعنہ دیا کہ دیکھا لات و عزیٰ نے اندھا کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ لات و عزیٰ کو تو اپنی ہی کچھ خبر نہیں دوسروں کے نفع و نقصان کا انہیں کیسے اختیار ہو سکتا ہے، یہ تو محض اللہ کی طرف سے ہے جو نفع و نقصان کا مالک ہے اگر چاہے تو پھر میری بینائی واپس کر سکتا ہے۔ خدا کی قدرت اسی شب صبح کو اُٹھیں تو نظر صحیح سالم تھی۔ رضی اللہ عنہا۔

حضرت لبینہ رضی اللہ عنہا : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھیں۔ جب دولتِ ایمان سے مشرف ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے جو ابھی تک اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، ان کے خلاف تشدّد اور زدوکوب کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس بے کس کو اتنا مارتے کہ جب مارتے مارتے تھک جاتے تو چھوڑتے، اور کہتے کہ محض اس وجہ سے چھوڑتا ہوں کہ تھک گیا ہوں۔

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ : یہ غلام تھے اور کفار کے ظلم و ستم کا تختہء مشق بنے ہوئے تھے۔ ان کی مظلومی سے متاثر ہو کر حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو بنو جدعان سے خرید کر آزاد کیا۔ حضرت عامرؓ ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا: جب یہ سعادتِ ایمان سے بہرہ ور ہوئیں تو حضرت عمرؓ اس لونڈی کو بھی قبولِ اسلام کی وجہ سے سخت اذیت دیا کرتے تھے حضرت صدیق اکبرؓ کو ان ایذارسانیوں کا علم ہوا تو اس کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اس لونڈی کے قبولِ اسلام پر سردارانِ قریش کہا کرتے تھے کہ اگر دینِ اسلام میں کوئی بھلائی اور خیر ہوتی، تو ایک ذلیل باندی ہم جیسے شرفاء سے کیونکر سبقت لے جاتی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اور منکر اہلِ اسلام کی نسبت کہتے ہیں
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ	کہ اگر دینِ اسلام میں کوئی بھلائی ہوتی
خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ	تو یہ لوگ اس کے قبول کرنے میں ہم سے
(سورہ احقاف آیۃ ۱۱)	سبقت نہ لے جاتے۔

علاوہ ازیں نہدیہ اور ان کی بیٹی جاریہ اور اُمِ عبیس وغیرہ رضی اللہ عنہن کنیزوں کو کفارِ مکہ نے سخت ایذائیں اور تکلیفیں دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سب کو خرید کر آزاد کر دیا اور بے گناہ مظلوموں کی جان بچائی۔

صحابہؓ کے صبر و تحمل کی شہادت مخالفین کے قلم سے

اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر یورپ نے سینکڑوں اعتراضات کئے ہیں لیکن صحابۂ کرامؓ کے اس صبر و استقامت کی داد خود یورپ نے دی ہے۔ ایک عیسائی مؤرخ لکھتا ہے:۔

"عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات نے آپ کے پیروؤں میں اس قدر دینی نشہ پیدا کیا جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔ جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے۔ اور ان کا نشہ دینی جاتا رہا، اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے برعکس اس کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد جمع ہوئے۔ اور آپکے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر دشمنوں پر ان کو غالب کر دیا۔"

الغرض قریش نے مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ درختوں پر لٹکایا۔ پاؤں میں رسیاں باندھ کر گھسیٹا اور مارا۔ جسم پر تپتی ہوتی سلیں رکھیں۔ آگ کے انگاروں پر لٹایا۔ سب کچھ کیا مگر دینِ حق سے کسی ایک کا قدم نہ ڈگمگایا۔ سختیاں اور مصیبتیں جھیلتے ہوئے مر گئے مگر اسلام سے منحرف نہیں ہوئے۔ رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ۔

؎ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

اشارات

(۱) صحابہؓ کی مشکلات کو دیکھ کر ایک کافر بھی یہ نتیجہ نکالنے پر مضطر ہو جاتا ہے کہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں کچھ ایسی غیر معمولی صفاتِ کاملہ جمع تھیں کہ لوگ اس طرح اپنی جانیں نثار کرتے تھے کہ جو ایک دفعہ آپ کے حلقۂ غلامی میں داخل ہو جاتا، پھر نکلنے کا نام نہ لیتا۔

(۲) ایمان کی حلاوت اور شیرینی چیز ہی ایسی ہے کہ جب دل میں اُتر جاتی ہے تو پھر کوئی جبر اور سختی یا لالچ اُسے نہیں نکال سکتا۔

(۳) ضعیف القلب انسان مصائب کے تصور سے بھی کانپ اُٹھتا ہے لیکن صحابۂ کرامؓ نے اسلام کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں۔ مگر ان کے ایمان میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔

(۴) صحابہؓ کا ایمان رسمی اور قالی نہیں تھا بلکہ حالی ایمان تھا۔ ان کو عالمِ غیب آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتا تھا۔ ایسا ایمان ہی ہر قسم کی مشکلات کی سہار کر سکتا ہے۔

(۵) اللہ کے راستہ میں مشکلات اور مصائب کسوٹی ہیں۔ جس سے مخلص اور غیر مخلص پرکھے جاتے ہیں۔

(۶) دین کی راہ میں مشکلات کو صبر و تحمل سے برداشت کرنے کا ثمرہ اللہ تعالےٰ کی معیت ہے جو ایسی نعمت ہے کہ دنیا و مافیہا کی نعمتیں اور راحتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔

حبشہ کی ہجرت

۵ سنہ نبوّت

ہجرت کی اجازت جب کفّار نے مسلمانوں کو بے حد ستانا شروع کیا اور صحابہؓ کے لئے فرائض اسلامی کو آزادی سے بجالانا ممکن نہ رہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اجازت دے دی کہ جو کوئی چاہے وہ اپنی جان و ایمان بچانے کیلئے حبش کو چلا جائے تاکہ اطمینان کے ساتھ وہاں فریضۂ خداوندی ادا کر سکے۔

قریش کا تعاقب اس اجازت کے بعد ماہ رجب ۵ سنہ نبوی میں ایک چھوٹا سا (بارہ مرد اور چار عورتوں کا) [1] قافلہ رات کی تاریکی میں نکلا۔ اور بندرگاہ شعیبہ[2] سے جہاز میں سوار ہو کر حبش کو روانہ ہو گیا۔ قریش کو خبر ہوئی تو سمندر تک ان کا تعاقب کیا۔ مگر یہ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔ اس قافلہ کے امیر حضرت عثمان بن عفانؓ تھے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جنہوں نے راہِ خدا میں ہجرت[3] کی۔

مہاجرین چند روز آرام سے گذارنے پائے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ کفار مکہ نے[4]

---

[1] مہاجرین کی تعداد میں اور بھی اقوال ہیں۔ [2] عہدِ نبوی میں مکہ کی بندرگاہ شعیبہ تھی۔ جدہ کو بندرگاہ کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ (سیرت الکبریٰ ج ۱ صفحہ ۲۲۶)۔ [3] رحمۃ للعالمین ج ۱ صفحہ ۶۸)۔ [4] یہ ایک حقیقت ہے کہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید سن کر اپنا دل قابو میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ آپ نے انہی دنوں مشرکین کی موجودگی میں سورۂ نجم تلاوت فرمائی۔ وہ اسقدر متاثر اور مسحور ہوئے کہ جب آپ نے آخری آیت تلاوت فرما کر سجدہ کیا تو کفار قریش نے بھی جذبات سے مغلوب ہو کر آپ کی اتباع میں سجدہ کیا۔ اس پر یہ مشہور ہو گیا کہ کفار نے آپ کی اطاعت قبول کر لی۔ عیسائی مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ نے کفار کی مخالفت کم کرنے اور ان سے

اسلام قبول کر لیا۔ یہ سن کر اکثر صحابہؓ نے مکّہ معظمہ کا رُخ کیا۔ لیکن شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ اس لئے کچھ لوگ واپس چلے گئے، اور باقی ماندہ سے کوئی چھُپ کر اور کوئی کسی کی پناہ لے کر مکّہ میں داخل ہوا۔

اب مشرکینِ مکّہ نے مسلمانوں کو پہلے سے بھی زیادہ ستانا شروع کر دیا۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ اس وقت تراسی[1] مرد اور اٹھارہ عورتوں نے ہجرت کی۔ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بھی تھے۔

قریش کا وفد جب مسلمان امن وعافیت کے ساتھ حبشہ میں رہنے لگے اور اطمینان کے ساتھ فریضۂ عبادت ادا کرنے لگے تو قریش نے عمرو بن عاص اور عبداللہ مخزومی[2] کو نجاشی کے پاس تحائف اور ہدایا دے کر بھیجا کہ ان لوگوں کو جو ہمارے ہاں سے بھاگ کر آئے ہیں ہمارے سپرد کر دیا جائے۔ نجاشی نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لوگ اپنا وطن چھوڑ کر میری پناہ میں آگئے ہیں بغیر کسی تحقیق کے انہیں تمہارے حوالے کر دوں۔

حضرت جعفر کا بیان مسلمان دربار میں بُلائے گئے اور ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ لوگ تمہاری مخالفت کیوں کرتے ہیں۔

حضرت جعفرؓ نے بادشاہ کے سامنے ان سے پوچھا کہ کیا ہم تمہارے بھاگے ہوئے غلام ہیں؟ کیا ہمیں تمہارا کوئی قرض دینا ہے؟ کیا ہم نے کسی کو قتل کیا ہے؟ اگر کوئی ایسی بات ہے تو تم ہمیں لے جا سکتے ہو۔ اس پر کافروں نے اقرار کیا، کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ پھر حضرت جعفر نے صاف صاف بیان کیا کہ اے بادشاہ! ہم بتوں کی پوجا کرتے اور ہر قسم کی برائی میں مبتلا تھے۔ ہمارا قوی، ضعیف کو کھا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل فرمایا، اور ہماری طرف ہم میں سے ایک رسول بھیجا۔ جس کے

---

[1] رحمۃ للعالمین ج ۱ ص ۶۸۔ [2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) صلح کرنے کے ارادے سے سورۂ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے بتوں کی تعریف کی کہ یہ بھی خدا کے ہاں سفارشی ہونگے اس پر کفار خوش ہو کر آپ کی طرف قدرے مائل ہوئے۔ لیکن یہ بے سروپا اور من گھڑت قصہ ہے۔ کیونکہ آپ تو وحی کے علاوہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے۔

حسب نسب، سچائی، امانت اور پاک دامنی کو ہم خوب جانتے ہیں۔ انہوں نے ہم کو دعوت دی کہ اللہ کو ایک سمجھیں۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور بُت پرستی چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔ عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ حرام باتوں سے بچیں۔ خون بہانے، جھوٹ بولنے اور یتیم کا مال کھانے سے روکا، اور ہمیں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا حکم فرمایا۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ تو ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی۔ ہم نے ان کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں جب مجبور ہو گئے تو اپنا دین بچانے کے لئے آپ کے ملک میں چلے آئے۔

نجاشی کا اسلام نجاشی نے کہا کہ اس کلام میں سے جو تمہارے پیغمبر اللہ تعالےٰ کی طرف سے لائے ہیں، کچھ سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سُنایا۔ نجاشی پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ روتے روتے اس کی داڑھی تر ہو گئی۔ پھر کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل جس کو عیسیٰؑ لائے تھے، ایک ہی جگہ سے نازل ہوئے ہیں یہ کہہ کر قریش کے قاصدوں کو واپس کر دیا اور مسلمان ہو گیا۔

وفدِ قریش کی نجاشی سے دوبارہ ملاقات دوسرے دن عمرو بن عاص نے نجاشی کو بھڑکانے کی خاطر کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سخت بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا۔ حضرت جعفرؓ نے کہا۔ ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اس کی روح اور کلمہ ہیں جس کو اللہ تعالےٰ نے حضرت مریمؑ کی طرف ڈالا ہے۔ نجاشی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی کہا ہے جو تم کہتے ہو۔ یہ سُن کر درباری لوگوں نے ناک بھوں چڑھائی، اور کچھ بڑبڑائے۔ مگر نجاشی نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی اور صاف کہہ دیا کہ اگرچہ تمہیں ناگوار ہو مگر حقیقت یہی ہے۔

نتیجہ: نجاشی نے قریش کے تحائف واپس کر دیئے، اور کہا کہ میں ہرگز ان لوگوں کو تمہارے سپرد نہیں کر سکتا۔ اور مسلمانوں سے کہا کہ تم امن و اطمینان سے رہو۔ میں

سونے کا پہاڑ لے کر بھی تمہیں ستانا پسند نہیں کر سکتا۔ دربار ختم ہوا۔ قریش نہایت ذلت و خواری کے ساتھ نامراد واپس ہوئے، اور مسلمان خوشی خوشی راحت و آرام سے حبشہ میں رہنے لگے۔

اشارات

(١) اگر کسی جگہ دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو کہیں دوسری جگہ چلا جائے ہجرت کا بہت بڑا اجر ہے۔

(٢) جو شخص اللہ کے واسطے ہجرت کرے گا اور اپنا وطن چھوڑے گا تو اس کو رہنے کیلئے بہت بہتر اور کشادہ جگہ ملے گی اور اس کی روزی اور معیشت میں فراخی ہوگی۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ط (سورۃ نساء) اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا، تو وہ زمین میں بہت جگہ اور فراخی پائے گا۔

(٣) اگر کسی جگہ کے لوگ احکامِ الٰہی کی بجا آوری میں مانع ہوں، تو خدا کی زمین کشادہ ہے۔ دوسرے ملک میں چلے جاؤ جہاں آزادی سے احکامِ الٰہی بجا لا سکو۔

(٤) سفر میں اپنے ایک ساتھی کو امیر مقرر کر لینا چاہیئے۔

(٥) صحابہ کا کمال ایمانی یہ تھا کہ جان بچانے کے واسطے وطن چھوڑ کر یہاں آئے تھے۔ مگر اس کی پرواہ نہ کی کہ نجاشی ہم کو یہاں رہنے دے گا یا نہیں۔ کیونکہ اختلافِ عقائد کی وجہ سے اس کے ناراض ہونے کا اندیشہ تھا۔ مگر باوجود اس کے سچ اور صاف کہنے پر آمادہ ہو گئے۔ پس ہر حال میں بات صاف اور سچی کہنی چاہیئے۔ اسی میں کامیابی اور نجات ہے۔

(٦) اس وقت جبکہ کسی سے مقابلہ کرنا تو درکنار مسلمانوں کو دنیا میں امن سے رہنا بھی دشوار تھا۔ نجاشی کا اسلامی تعلیم سے متاثر ہو کر از خود مسلمان ہونا اسلام کی

پُر زور تاثیر کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

دولت و حکومت کی پیش کش

اسلام پھیلتا جا رہا تھا اور کفّار اس کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے اور ہر طرح سے مسلمانوں کو ستاتے اور تنگ کرتے تھے۔ جب ان کی کوئی کوشش آپ کو تبلیغ سے نہ روک سکی تو انہوں نے آپ کو لالچ دے کر تبلیغ سے روکنا چاہا اور عتبہ بن ربیعہ کو جو مکّہ کا مشہور مال دار رئیس تھا، آپ کے پاس بھیجا۔ عتبہ نے آکر آپ سے کہا۔ اے بھتیجے! آپ حسب و نسب کے اعتبار سے ہم سب سے شریف ہیں۔ مگر افسوس کہ آپ نے اپنے خاندان اور برادری میں پھوٹ ڈال دی، اس لئے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابوالولید کہو۔ میں سُنتا ہوں۔

کفار کی پیش کش عتبہ نے کہا کہ اگر آپ کو مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم آپ کے لئے اتنا مال جمع کر دینے کے لئے تیار ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا امیر بھی آپ کی برابری نہ کر سکے اگر آپ کسی اچھے اور مال دار گھرانے میں شادی کرانا چاہتے ہیں تو ہم اس خاندان میں آپ کی شادی کرانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر عزت و سرداری مطلوب ہے تو ہم سب آپ کو اپنا سردار بنانے کے لئے رضامند ہیں۔ اگر حکومت و ریاست کی خواہش ہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر یہ سب کچھ کسی بیماری یا جن کے اثر کی وجہ سے ہے تو ہم نہایت اچھی طرح سے آپ کا علاج کرا سکتے ہیں۔

حُضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب آپ نے فرمایا۔ مجھ کو نہ تمہارا مال و دولت درکار ہے، نہ تمہاری سرداری اور حکومت مطلوب ہے۔ مَیں تو اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ پھر قرآن پاک کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ قرآن پاک کے سُننے سے عتبہ پر ایک محویت کا عالم طاری ہو گیا اور مبہوت ہو کر سُنتا رہا۔ تلاوت ختم فرما کر

آپ نے عتبہ سے کہا کہ جو کچھ سننا تھا وہ تم سن چکے۔ اب تم کو اختیار ہے۔ عتبہ اٹھ کر چلا آیا، اور آکر کہنے لگا کہ اے قوم! میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام سنا۔ واللہ! اس کا جو اثر میرے دل پر ہوا، بیان نہیں کر سکتا۔ اس کی عجیب شان ہے۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ میری رائے یہ ہے کہ تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو انکی عزت ہماری عزت ہے۔ اگر وہ ناکام رہے تو تم خود بخود اس مصیبت سے نجات پا جاؤ گے قریش عتبہ کی باتیں سن کر حیرت میں رہ گئے اور یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ اس پر بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو چل گیا ہے۔ عتبہ نے کہا تم جو چاہو کہو میری تو یہی رائے ہے۔

اشارات

(۱) دین کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ہیچ ہے۔

(۲) اہلِ حق کو کسی قیمت پر بھی خریدا نہیں جا سکتا۔

فرمائشی معجزات

اب قریشِ مکہ نے مشورہ کیا کہ آپ کو قوم کے سامنے بلا کر بات کی جائے۔ آپ کو بلایا گیا۔ آپ تشریف لائے۔ قوم نے پھر ایک دفعہ مال و دولت اور حکومت و سلطنت کی پیش کش کی۔ آپ نے فرمایا۔ میری تعلیم نہ طلبِ مال کے لئے ہے، نہ حصولِ سلطنت کے لئے۔ اللہ نے مجھے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اور مجھ پر کتاب اتاری ہے تاکہ فرمانبرداروں کو جنت کی بشارت دوں اور نافرمانوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈراؤں۔ میں نے اپنے رب کا پیغام تم کو پہنچا دیا۔ اگر قبول کرو گے تو تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ ورنہ میں صبر کروں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالٰے میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے۔

قریش نے کہا کہ اچھا اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو درخواست کریں کہ وہ کوہِ صفا کو

سونا بنا دے یا پہاڑوں کو ہمارے گردوپیش سے ہٹا کر زراعت کے قابل زمین ہموار کر دے[1] اور ہمارے لئے اس میں نہریں جاری کر دے۔ یا قصی بن کلاب جو ہمارے باپ دادوں میں سردار اور سچا تھا، زندہ ہو کر آپ کی تصدیق کرے تو ہم ایمان لے آئیں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں اس لئے نہیں بھیجا گیا۔ میں نے خدا کا پیغام تم کو پہنچا دیا۔ قبول کرنا نہ کرنا تمہارا اختیار ہے۔ قریش نے کہا کہ اگر آپ ہمارے لئے ایسا نہیں کر سکتے تو اپنے لئے خدا سے دعا کیجئے کہ آسمان سے ایک فرشتہ نازل فرمائے جو آپ کی تصدیق کے لئے آپ کے ساتھ رہے اور لوگوں کو آپ کی مخالفت سے منع کرتا رہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بھی ہماری طرح طلبِ معاش کے لئے بازاروں میں جاتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کیجئے کہ وہ آپ کو باغات، محلّات، سونے چاندی کے خزانے عطا فرمائے[2]۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے پروردگار سے اس قسم کا سوال ہرگز نہ کروں گا میں اس لئے نہیں بھیجا گیا۔ مجھے تو فرمانبرداروں کو خوشخبری سنانے اور نافرمانوں کو ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اگر مان لوگے تو تمہاری خوش نصیبی ہے۔ ورنہ میں صبر کروں گا اور خدا کے فیصلہ کا منتظر رہوں گا۔

قریش نے کہا۔ اچھا، اللہ تعالیٰ سے کہو کہ ہم میں سے ہر ایک کے پاس نام بنام ایک نوشتہ خدا کی طرف سے آئے جس میں آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہو۔ یا اللہ تعالیٰ

---

[1] مشرکینِ مکہ تو صرف مکہ کے پہاڑوں کو ہٹا کر اپنا صحن کھلوانا چاہتے تھے لیکن ایمان والوں کیلئے جبرالٹر سے کوہ قاف تک کوئی پہاڑ بھی روک نہ بن سکا۔ تمام روئے زمین گھر کا صحن بن گیا۔

[2] دنیوی ثروت و امارت، محل، دبستان سرا وغیرہ جن کو اہلِ مکہ نے صداقت کا نشان ٹھہرایا تھا۔ وہ نشان ایمان والوں کے سب اللہ نے پورے کر دیئے اور معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فی الحقیقت دنیا کی بہتری کے لئے بھی سرمایہ تھی جبکہ آخرت کے لئے وہ ضرور بالضرور ذخیرہ ہے۔ (رحمۃ للعالمین)۔

کی طرف سے ہم پر کوئی عذاب[1] لے آ۔ جس کی تم دھمکی دیتے ہو۔ آپ نے فرمایا۔ یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ تم پر عذاب نازل فرمائے یا مہلت دے۔

قریش نے کہا کہ اب ہم آپ کو اس تعلیم کی اشاعت کبھی نہیں کرنے دیں گے جب تک کہ خدا اور فرشتے ہمارے سامنے نہ آجائیں۔ آپ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابو امیہ بھی اٹھ کھڑا ہوا، اور کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم نے اتنی باتیں آپ کے سامنے رکھیں مگر آپ نے ایک بھی منظور نہ کی۔ خدا کی قسم۔ اگر تم سیڑھی لگا کر آسمان پر بھی چڑھ جاؤ اور وہاں سے اپنی نبوت اور رسالت کا پروانہ لکھوا لاؤ، اور چار فرشتے بھی تمہارے ہمراہ آئیں اور تمہاری نبوت کی علی الاعلان شہادت دیں تب بھی میں تم پر ایمان نہیں لاؤں[2] گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مایوس ہو کر گھر تشریف لے گئے۔

اشارات

① حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے فرمائشی معجزات کے جواب میں اپنی تعلیم پیش فرماتے رہے کہ اسی میں تمہارے لئے سب کچھ موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کی صداقت کا معیار نبی کی تعلیم اور اس کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔

---

[1] جس عذاب کی ان لوگوں نے درخواست کی تھی جنگ بدر کے دن وہ ان پر اترا، اور انکار کرنے والوں اور مسخر اڑانے والوں میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچا۔ [2] ناظرین نے دیکھ کر اسلام کی عداوت میں عبداللہ کتنا سخت ہے لیکن چند سال بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ فتح مکہ سے پیشتر یہی عبداللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اسلام لایا۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی سفارش سے آپ نے معافی عطا فرمائی۔ اہل دانش جان سکتے ہیں کہ ایسے شخص کا گرویدۂ اسلام ہو جانا آپ کا ایسا معجزہ ہے جو آسمان پر زینہ لگا کر چڑھ جانے۔ نوشتہ لانے اور فرشتوں کی شہادت دینے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ یہ تو وہ باتیں ہیں جن کے دیکھ لینے کے بعد بھی عبداللہ ایمان نہیں لانا چاہتا تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان اختیاری، معتبر اور مقبول ہے۔ غیر اختیاری اور جبری ایمان (جس کے لئے کفار فرمائشی معجزے طلب کرتے تھے) غیر معتبر اور مردود ہے۔ اس لئے اس قسم کے معجزات کے اظہار سے انکار کر دیا گیا۔

(۳) جو قوم منہ مانگے معجزات دیئے جانے کے بعد بھی ایمان نہ لائے وہ اسی وقت عذابِ الٰہی سے ہلاک کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر قریش بھی منہ مانگے معجزہ کے بعد ایمان سے روگردانی کرتے جیسا کہ ان کے احوال سے ظاہر تھا تو یہ بھی پہلی قوموں کی طرح نیست و نابود کر دیئے جاتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو گذشتہ اقوام کی طرح اس امّت کو عذاب نازل کر کے بالکل تباہ کرنا منظور نہیں تھا۔ اس لئے فرمائشی معجزات کا بھیجنا بند کر دیا گیا، اور عذابِ عام سے ہلاکت کا قانون اُٹھا لیا گیا۔

(۴) نبی کا دعویٰ یہ نہیں ہوتا کہ قدرتِ الٰہیہ کے تمام خزانے اس کے قبضہ میں ہیں جب اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے تو وہ ضرور ہی پورا کر دکھلائے، یا ہر طرح کی غیبی معلومات کی اس کو اطلاع دی گئی ہے کہ جو کچھ پوچھو فوراً بتائے۔ جب وہ ان باتوں کا مدعی نہیں تو پھر اس سے فرمائشی معجزے طلب کرنا اور ان کو معیارِ حق ٹھہرانا کسی طرح درست نہیں، بلکہ مخالفین کی بدفہمی اور بغض و عناد کی دلیل ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنہ ۶ نبوۃ

کفّار کا وفد جب حبشہ سے ناکام واپس ہوا تو ان کا غصّہ اور بھی بھڑک اُٹھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے زیادہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ایک روز آپ کوہِ صفا کے پاس بیٹھے تھے کہ اتفاقاً ابوجہل بھی اس طرف آنکلا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت کچھ بُرا بھلا کہا اور گالیاں دیں لیکن آپ نے صبر و تحمّل سے کام لیا۔

اور کوئی جواب نہ دیا۔ عبداللہ بن جدعان کی باندی یہ واقعہ دیکھ رہی تھی کہ اتنے میں حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آتے ہوئے نظر آئے۔ کہنے لگی، اے حمزہ! نہایت افسوس ہے کہ تمہارا بھتیجا لوگوں کی نظروں میں ذلیل سمجھا جائے اور تم کو کچھ خیال نہ ہو۔ اگر آج تم دیکھتے کہ ابو جہل نے اس کو کیسی فحش گالیاں دیں اور اس نے کس قدر صبر کیا تو تم کو حیرت ہوتی۔ کیا دنیا کے خون سفید ہو گئے یا قومی حمیّت اور غیرت جاتی رہی یا قریش کی نظروں میں ہاشم کی اولاد بالکل ہی ذلیل اور بے وقعت ہو گئی؟

بس اتنا سُننا تھا کہ حمزہؓ کی رگِ حمیّت بھڑک اٹھی۔ غصّے کے مارے بیتاب ہو گئے۔ آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ تیر کمان ہاتھ میں لئے حرم میں آئے، ابو جہل کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ سر زخمی ہو گیا۔ اور کہا کہ او خبیث! تُو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دیتا ہے۔ یاد رکھ لے کہ مَیں بھی مسلمان ہو گیا ہوں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ اے میرے بھتیجے! مَیں نے ابو جہل سے تیرا بدلہ لے لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چچا مَیں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ میری خوشی تو اس میں ہے کہ آپ دینِ حق کی پیروی کریں۔ حضرت حمزہؓ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ آپ کو ان کے مسلمان ہونے سے نہایت مسرّت ہوئی۔ اب قریش کا زور ٹوٹ گیا کیونکہ حمزہؓ کا مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ ان کو آپ سے خاص محبّت تھی۔ آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے۔ ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔ اس رشتہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ جنگِ احد میں شہید ہوئے، اور سیّد الشہداء کا لقب پایا۔

اسباق و اشارات

(۱) اپنے عزیزوں کی حق پر حمایت کرنا اور ظالم کی سرکوبی کرنا۔ غیرت اور

انسانیت کا تقاضہ ہے۔

(۲) دین کے دشمنوں کا مقابلہ کرنا غیض و غضب سے پیش آنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلائی اور خیر کی علامت ہے۔

(۳) دشمنانِ دین کا مقابلہ کرنے اور ان سے بغض رکھنے سے جذبۂ ایمانی اُبھرتا ہے اور یہی جذبہ جہاد کی رُوح ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۶ سنہ نبوی

پیغمبر کی دُعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاندانِ قریش کے شریف ترین لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں سفارت[1] کا کام انہی کے متعلق تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے تین دن بعد ایمان لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی کہ یا اللہ! ابوجہل اور عمر میں سے جو تجھے محبوب ہے، اس کے ذریعہ اسلام کو عزّت فرما۔ مگر جب بذریعہ وحی معلوم ہو گیا کہ ابوجہل ایمان نہیں لائے گا، تو آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! عمر بن خطاب سے اسلام کو قوّت عطا فرما۔[2]

ابوجہل کا انعامی اعلان حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد قریش غور و فکر کے لئے جمع ہوئے۔ ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص آپؐ کا سر لائے گا، اسے سو اونٹ کے علاوہ ہزار اوقیہ نقرہ[3] کا انعام دیا جائے گا۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار حمائل کی، اور چراغِ نبوت کو ہمیشہ کے لئے گُل کرنے کے ارادے سے چل نکلے۔

حضورؐ کے قتل کا ارادہ گھر سے تلوار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر کے چلے تھے کہ راستہ میں حضرت نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ

---

[1] خلفائے راشدین صـ ۸۱ - [2] سیرت المصطفیٰ جلد ۱ - [3] اسلام مؤلفہ حضرت میرٹھیؒ

اس طرح تلوار لئے کہاں جاتے ہو؟ کہا، اس شخص کے قتل کے لئے جاتا ہوں، جس نے قریش میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور ان کے دین کی علی الاعلان مذمت کی ہے۔ حضرت نعیم نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں یہ سُن کر غصہ میں بھرے ہوئے بہن کے گھر پہنچے۔ دروازہ بند تھا اور حضرت خبابؓ دونوں کو کلامِ الٰہی کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے خبابؓ کی آواز سُن لی۔ دروازہ کھلوایا، اور پوچھا کہ تم کیا پڑھتے تھے۔ دونوں نے انکار کیا کہ کچھ نہیں۔ کہا نہیں میں نے سُنا ہے کہ تم دونوں مسلمان ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی کو مارنے کھڑے ہو گئے۔ بہن نے چھڑانا چاہا تو ان کو بھی زخمی کر دیا۔ بہن نے کہا کہ بیشک ہم مسلمان ہو چکے ہیں، تم جو چاہو کرو۔ حضرت عمرؓ بہن کو خون آلودہ دیکھ کر نرم ہوئے، اور کہا کہ یہ کاغذ جو تم پڑھتے تھے، مجھے دکھاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تم مشرک نجس ہو اور کلامِ الٰہی کو نجس ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا۔ اور سورۂ طٰہٰ کو جو اس میں لکھی ہوئی تھیں، پڑھنا شروع کیا۔ قرآن پاک کا ایک ایک لفظ ان کو مرعوب کر رہا تھا اور دل میں اُترتا جاتا تھا۔ جب اس آیت پر پہنچے:۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ	مَیں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی قابلِ
اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ	پرستش نہیں۔ میری ہی عبادت کیا کرو۔
لِذِکْرِیْ ○ (سورۂ طٰہٰ۔ آیۃ ۱۴)	اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔

توفیقِ ایزدی نے چشمِ بصیرت کھول دی۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور بولے سُبحان اللہ، کیا پاکیزہ کلام ہے۔ واقعی اسی کی ذات پرستش کے قابل ہے۔ حضرت خبابؓ جو اندر چھپے ہوئے، سب ماجرا سن رہے تھے، باہر نکل آئے اور کہا۔ اے عمر! بشارت ہو کہ کل ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے حق میں دعا فرمائی تھی، یہ اسی دعا کا اثر ہے۔ حضرت عمرؓ نے خبابؓ سے کہا کہ مجھے آپؐ کی خدمت میں لے چلو۔ (اشاعتِ اسلام صفحہ ۱۵)

دربارِ نبوّت میں حاضری | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقم میں تشریف رکھتے

تھے۔ دروازہ بند تھا۔ دستک دی اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے۔ صحابہؓ کو تردّد ہوا۔ لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا کہ آنے دو۔ اگر بھلائی کے ارادہ سے آیا ہے تو ہم بھی اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کریں گے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھولنے کی اجازت دی۔ حضرت عمرؓ اندر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا۔ کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو۔ نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ حضورؐ ایمان لانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کے اسلام لانے کی بے حد خوشی ہوئی اور فضا نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھی اور آنِ واحد میں یہ خبر ہوا کی طرح مکہ میں پھیل گئی کہ عمر جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شکار کرنے گئے تھے خود شکار ہو گئے۔

خصوصیات فاروقی

① تمام صحابہؓ میں یہ شرف آپ کو ہی حاصل ہے کہ اسلام کی قوت و شوکت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اللہ سے مانگ کر لیا۔

② کافروں کے غلبہ کیوجہ سے اللہ کی عبادت چھپ کر کی جاتی تھی جس دن حضرت عمرؓ اسلام میں داخل ہوئے تو عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ جب ہم حق پر ہیں تو ہمیں چھپنے کی کیا ضرورت ہے چنانچہ مسلمانوں کے مختصر گروہ کو لے کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ اعلانیہ کعبہ میں داخل ہوئے، اور ڈنکے کی چوٹ نماز باجماعت ادا کی۔ اسی روز سے حق و باطل کا فرق واضح ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "فاروق" کا لقب عطا فرمایا۔

③ حضور کی صحبت کی برکت سے آپ کو وہ مقام حاصل ہوا کہ کئی بار آپ کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی اور قرآن مجید کی آیتیں اتریں۔

④ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں اسلام کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ دینِ حق کو تمام مذاہب پر غلبہ حاصل ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد (لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ) حضرت عمرؓ کے ہاتھوں پورا ہو گیا۔

⑤ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا فتحِ اسلام تھی۔ ان کی ہجرت نصرتِ الٰہی تھی۔ ان کی خلافت اللہ کی رحمت تھی۔

⑥ حضرت صدیقِ اکبرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ جمالی کا نقشہ تھے۔ تو حضرت فاروقِ اعظم آپ کی شانِ جلالی کا مظہر تھے ؎

صدیقؓ عکسِ حُسنِ جمالِ محمدؐ است   فاروقؓ عزّ وجاہ وجلالِ محمدؐ است

⑦ حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو ملائکہ نے آسمان پر خوشی کا اظہار کیا (سیرت المصطفےٰ ج ۱) حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کے وقت مکہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی۔ ملک حبش میں جو مسلمان تھے وہ اس کے علاوہ تھے۔ (تاریخ اسلام ص۱۱۸)۔

ترکِ موالات

خاندانِ بنی ہاشم کی خطرناک مصیبت

۷-۸-۹ سنہ نبوی

قریش کا عہد اسلام کے مقابلہ میں جب قریش کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ بنی ہاشم سے لین دین اور میل جول بالکل بند کر دیا جائے۔ عہد نامہ لکھا گیا[1] اور کعبہ پر آویزاں کیا گیا کہ کوئی شخص خاندانِ بنو ہاشم سے نہ رشتہ ناتہ کرے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کریگا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دیگا جبتک وہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لئے ہمارے حوالہ نہ کریں۔ بنی ہاشم نے قریش سے قطعِ تعلق تو گوارا کر لیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کے حوالہ کرنا منظور نہ کیا۔

---

[1] یہ عہد نامہ منصور بن عکرمہ نے لکھا تھا، اور اسی کی شامت میں اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ (سیرت خاتم الانبیاء ص۵۰)۔

خاندانِ بنی ہاشم کا گھاٹی میں پناہ لینا ابوطالب نے مجبور ہو کر ایک پہاڑ کی گھاٹی میں پناہ لی۔ ابولہب کے سوا تمام خاندان نے ان کا ساتھ دیا، اور جاتے ہی گھاٹی کے دروازہ پر پہرہ بٹھا دیا، اور ہر طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا مکمل اور تسلی بخش سامان کیا۔ آپ کے خاندان نے اس گھاٹی میں بڑی مصیبت اور تنگی کے دن گذارے۔ کھانے کا سامان ختم ہو گیا تو بھوک کی شدت سے درختوں کے پتے تک کھانے کی نوبت آئی۔ حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ بھوک سے تنگ آکر سوکھے چمڑے کو آگ پر بھونا اور پانی میں بھگو کر کھایا۔ بھوک کی وجہ سے بچوں کی چیخ و پکار دُور دُور تک سُنائی دیتی تھی۔ عرب کے دستور کے مطابق حج کے دنوں میں امنِ عام ہوتا تھا اور دشمن سے بھی لڑنا حرام تھا۔ اس لئے یہ لوگ ان دنوں باہر نکلتے اور اپنے کھانے پینے کا سامان خرید کر ذخیرہ کر لیتے، اور انہی ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھاٹی سے باہر نکلتے اور حج کے لئے باہر سے آنے والے لوگوں میں تبلیغ کرتے۔ لیکن قریش ان لوگوں کو آپ کی باتیں سُننے سے منع کرتے اور آپ کی طرف متوجہ نہ ہونے دیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زمانہ میں بدستور پے در پے وحی نازل ہوتی رہی اور آپ تبلیغِ رسالت میں مصروف رہے۔

عہد نامہ کا دیمک خوردہ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عزیزوں کو یہ تکلیفیں برداشت کرتے جب تین سال گذر گئے تو بعض لوگوں نے اس معاہدہ کے خلاف آواز اُٹھائی۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلایا گیا، کہ اس عہد نامہ کو دیمک نے کھا لیا ہے اور خدا کے نام کے سوا اس میں کوئی حرف نہیں چھوڑا۔

عہد نامہ کا خاتمہ ابوطالب کو یقین تھا کہ کبھی آپ کی کوئی بات غلط نہیں نکلی۔ گھاٹی سے نکلے اور قریش کے پاس آکر یہ واقعہ بیان کیا۔ اور کہا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے، تو سمجھ لو کہ اس ظالمانہ معاہدہ اور تحریر سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہے۔ اسی وقت عہد نامہ

منگوایا گیا۔ دیکھا تو واقعی اللہ پاک کے نام کے سوا تمام حروف کو کیڑوں نے کھا لیا ہے۔ قریش یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ندامت اور شرمندگی کے مارے سب کی گردنیں جُھک گئیں اور لوگ اس معاہدہ کو منسوخ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ابوجہل نے مخالفت کی، مگر اس کی کوئی پیش نہ گئی۔ اتنے میں ایک شخص نے بڑھ کر دستاویز کو چاک کر دیا۔ اسی طرح اس ظالمانہ عہد نامہ کا خاتمہ ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنہ۱۰ نبوی میں تمام رفقاء کے ساتھ گھاٹی سے باہر آئے اور بدستور وعظ و نصیحت اور تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔

اسباق و اشارات

(۱) قبیلوں کی حمیّت اور خاندان و نسل کا پاس و لحاظ بھی ایک بڑی چیز ہے۔ اسی جذبہ نے بنو ہاشم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر مجبور کیا تھا۔

(۲) ان ایام میں آپ کے رفقاء کو آپ کے اخلاق کا زیادہ مطالعہ کرنے اور اسلام سے زیادہ متاثر ہونے کا موقعہ مِلا۔

(۳) مصائب و مشکلات کے وقت صبر و استقلال ہی کامیابی اور نجات کا ذریعہ ہے۔

(۴) حق کسی صورت میں بھی باطل کے سامنے نہیں جُھکتا۔ بالآخر حق کو فتح نصیب ہوتی ہے۔

(۵) حالات خواہ کیسے ہی کٹھن اور مایوس کُن ہوں۔ اللہ تعالےٰ اپنے فرمانبرداروں کو ضائع نہیں کرتا۔

(۶) جو لوگ اللہ تعالٰی پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں، اللہ تعالےٰ اُن کے لئے کامیابی کی راہیں کھول دیتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہجرتِ حبشہ

جن دنوں بنی ہاشم پہاڑ کی گھاٹی میں محصور تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی قریش کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ جو آپ کا پرانا دوست تھا۔ اس نے پوچھا۔ کہاں کا ارادہ ہے۔ فرمایا، میری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی۔ چاہتا ہوں، کہ کہیں دوسری جگہ جا کر اپنے رب کی عبادت کروں۔

ابن الدغنہ نے کہا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ جیسا شخص مکہ سے نکل جائے۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں، آپ واپس چلئے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ مکہ میں واپس آ گئے۔ ابن الدغنہ نے رؤسائے قریش کو بہت شرمندہ کیا۔ اور کہا کہ تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو قوم کے لئے باعث فخر ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، لوگوں کے بوجھ اٹھاتا ہے، مہمان نواز ہے، ناداروں کے لئے سامان مہیا کرتا ہے، حق کا معین و مددگار ہے، میں ان کو پناہ دیتا ہوں قریش نے ان کی پناہ کو تسلیم کیا اور کہا کہ آپ ابوبکر سے کہہ دیں کہ وہ بلند آواز سے نہ نماز پڑھیں، نہ قرآن کی تلاوت کریں۔ ابن الدغنہ ابوبکر سے یہ کہہ کر چلے گئے۔

آپ اپنے گھر میں خدا کی عبادت کرنے لگے۔ کچھ دنوں بعد مکان کے صحن میں ایک مسجد بنائی۔ اس میں نماز پڑھتے، اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ جس کا اثر محلہ کی عورتوں اور بچوں پر بہت ہوتا۔ قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت کی، کہ آپ ابوبکرؓ سے کہہ دیں کہ وہ اپنی شرط پر قائم رہیں یا آپ کے امان اور پناہ کو واپس کر دیں۔ ابن الدغنہ نے منع کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں تمہاری پناہ واپس کرتا ہوں اور اپنے خدا کی پناہ کو کافی سمجھتا ہوں۔

اشارات

① حضرت ابوبکرؓ کے اخلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا پرتو اور نقشہ تھے۔

(۲) حضرت خدیجہؓ نے بوقت بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جن اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ ابن الدغنہ نے ہجرتِ حبشہ کے وقت وہی اوصاف حضرت ابوبکرؓ کے بیان کئے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ عادات و اخلاق میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ تھے۔

(۳) ابن الدغنہ کا بیان حضرت صدیقِ اکبر کی اخلاقی بلندی کی شہادت ہے۔

(۴) جو غیروں کی پناہ سے نکل کر اللہ کی پناہ میں آجاتا ہے۔ اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

ضماد بن ثعلبہؓ یمن کے رہنے والے تھے۔ منتر اور جھاڑ پھونک سے لوگوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ ان دنوں مکہ آئے اور لوگوں سے یہ سن کر کہ آپ پر جنات کا اثر ہے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میں اس کا علاج جانتا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کا علاج کروں اور آپ کو اپنا منتر سناؤں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے مجھ سے سن لو۔ پھر آپ نے ضماد کے سامنے ایک خطبہ پڑھا۔ ضماد کا قلب نورِ ایمان سے منوّر ہو گیا۔ اور اُسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور اپنی قوم کی طرف واپس لوٹے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابوطالب کی وفات

سنہ نبوی

پہاڑ کے درہ سے نکلنے کے چند روز بعد ابوطالب سخت بیمار ہوئے، اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مہربان چچا سے غایت درجہ محبت تھی۔

لہ حضرت ضماد بن ثعلبہ ۵نبوی یا ۱۰نبوی میں ایمان لائے (سیرت المصطفیٰ ج ۱)۔

آپ کی انتہائی تمنا تھی کہ ابوطالب ایمان لے آئیں تاکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے احسانات کی تلافی کی جائے ۔ آپ نے ان کی نازک حالت دیکھ کر کہا۔ چچا جان ! آپ کا آخری وقت ہے ۔ میری درخواست ہے کہ آپ ایک بار کلمہ کا اقرار کر لیں ۔ تاکہ اللہ کے روبرو مجھے شفاعت کرنے کا موقعہ مل جائے ۔ مگر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے ورغلانا شروع کیا اور کہا کہ کیا آپ اپنا آبائی دین چھوڑ دیں گے ؟ ابوطالب نے جواب دیا کہ بھتیجے میں خوب جانتا ہوں کہ تو سچا ہے اور تیرا دین برحق ہے اور تمام دینوں سے بہتر ہے ۔ میں تیرا دل خوش کر دیتا مگر قریش کی عورتیں مجھ پر طعن کریں گی کہ موت کے ڈر سے بھتیجے کا کلمہ پڑھ لیا ۔ یہ کہہ کر کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا ۔ آپ نے فرمایا ۔ میں آپ کے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے ممانعت نہ کر دی جائے ۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ (توبہ ۔ آیۃ ۱۱۳)	پیغمبر اور مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کریں ، اگرچہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ۔ جب کہ یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ دوزخی ہیں ۔

اور یہ آیت بھی اتری :۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ (سورۂ قصص ۔ آیۃ ۵۶)	آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ، ہدایت دیتا ہے ۔

ابوطالب کی وفات کے چند روز بعد حضرت خدیجہؓ کا بھی انتقال ہو گیا ۔ حضرت

خدیجہؓ سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ وہ تمام مصائب اور تکالیف میں آپ کی رفیق تھیں انہوں نے ہمیشہ آپ کی ہمت بندھائی اور مصیبتوں میں آپ کو تسلی دی۔ سب سے پہلے وہی آپ پر ایمان لائیں۔ اور اپنا سارا مال و زر آپ کی خوشی پر قربان کر دیا۔ اور یہ بات بھی حضرت خدیجہؓ کی خصوصیات میں سے ہے کہ حضرت جبریلؑ نے ان کو خدا کا سلام پہنچایا۔

عام الحزن ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو بہت صدمہ ہوا۔ اسلئے اس سال کو "عام الحزن" یعنی غم کا سال کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کافروں میں سب سے کم عذاب ابو طالب پر ہے۔ وہ پاؤں میں جہنمی آگ کی دو جوتیاں پہنے ہوتے ہیں جس کی تپش دماغ تک پہنچتی ہے اور بھیجا جھلس دیتی ہے۔ (اسلام صفحہ ۶۲)۔

نکتہ: ابو طالب سر سے پیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت میں غرق تھے۔ صرف قدم اسلام سے باہر تھے باطل پر تھے۔ اس لئے عذاب قدموں پر مسلط ہوا۔ (سیرت المصطفیٰ صفحہ ۱۹۸)۔

اسباق و اشارات

(۱) نبی کو جاننا پہچاننا اور اس کی رسالت کا اقرار کرنا بے کار ہے جب تک نبی کی اطاعت نہ کرے اور دین کو قبول نہ کرے۔

(۲) جو ہوتا ہے اللہ کے چاہنے سے ہوتا ہے۔ مخلوق کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

(۳) خدا کے کارخانۂ قدرت میں کسی کو کوئی اختیار اور دم مارنے کی مجال نہیں۔ ابو طالب جیسا محبِ رسول اور حامئ دین، سعادتِ ایمانی سے محروم رہتا ہے اور دشمنِ رسول ابو سفیانؓ، توفیقِ ایزدی سے مشرف باسلام ہوتا ہے۔

طائف کا سفر

سنلہ نبوی

جب ہمدرد چچا بھی چل بسا۔ اور سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون نے بھی امتحان کے میدان میں تنہا چھوڑ دیا۔ تاکہ تسلّی کے الزام کا شوشہ بھی کٹ جائے، اور مٹ جائے۔ وہ کٹ گیا۔ لیکن امتحان دینے والا امتحان کے میدان میں اسی طرح ڈٹا رہا۔ اس خیال سے کہ مکّہ والے نہیں سُنتے۔ شاید طائف والے ہی سُنیں۔ زادِ راہ اتنا بھی نہیں کہ کوئی سواری ہی کرایہ پر کر لی جائے۔ اپنے خادم زید بن حارثہ کو ہمراہ لے کر پا پیادہ طائف کی طرف تشریف لے گئے۔ راستہ میں آپ سب سے پہلے قبیلہ بنی بکر میں تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر کسی نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا، اور جواب دیا کہ ہم اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتے۔ یہاں سے مایوس ہو کر آپ قومِ قحطان کے پاس گئے۔ وہ بھی آپ کی حمایت کرنے اور اسلام لانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ تو آپ اس حال میں طائف پہنچے جو مکّہ سے تین منزل جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔

رؤسائے طائف کا جواب طائف پہنچ کر آپ سب سے پہلے وہاں کے تین سرداروں[1] سے ملے۔ جس کے پاس گئے۔ اس نے ٹھکرایا۔ جس سے بولے، اس نے جھڑکا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ کیا کعبہ کا پردہ چاک کرنے کے لئے خدا نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔ دوسرے نے کہا۔ خدا کو اس کے سوا رسول بنانے کے لئے اور کوئی نہیں ملتا تھا، جسے سفر کے لئے گدھیا بھی میسر نہیں۔ تیسرا بولا۔ میں تم سے کلام نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ اگر تُو خدا کا رسول ہے تو تیرے کلام کا رد کرنا خطرناک ہے۔

---

[1] عبدیالیل، مسعود، حبیب۔ یہ تینوں بھائی تھے، اور طائف کے سردار تھے۔

اگر تو خدا پہ جھوٹ بولتا ہے تو ایسے شخص سے کلام کرنا مناسب نہیں۔

اہل طائف کی بدسلوکی آپؐ ایک[1] ماہ تک متواتر تبلیغ فرماتے رہے۔ مگر کسی ایک شخص کو بھی قبولِ حق کی توفیق نصیب نہ ہوئی، بلکہ ظالموں نے شہر کے غنڈوں اور بدمعاشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو آپ کو گالیاں دیتے اور ڈھیلے پتھر مارتے۔ جو آگ میں کودنے والوں کی کمریں پکڑ پکڑ گھسیٹ رہا تھا وہی کمر کے بل گرایا جا رہا ہے اور پتھر مار مار کر گرایا جاتا ہے۔ گھٹنے چور ہو گئے۔ پنڈلیاں گھاؤ ہو گئیں، کپڑے لال ہو گئے اس قدر خون بہا کہ جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ جب آپ زخموں سے چُور ہو کر بیٹھ جاتے تو یہ ظالم آپ کے بازو پکڑ کر کھڑا کر دیتے۔ اور پھر پتھراؤ شروع کر دیتے۔ غرضیکہ آپ کو طائف میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ وہاں سے چلے تو بدمعاشوں کا گروہ گالیاں دیتا اور پتھر برساتا ہوا پیچھے ہو لیا۔ اور انہوں نے تین میل تک شہر سے باہر آپ کا تعاقب کیا آخر آپ نے ایک باغ کے اندر پناہ لی۔

نوعمر رفیق نے بے ہوشی کی حالت میں جس طرح بن پڑا آپ کو اُٹھایا۔ پانی کے کسی گڑھے کے کنارے لایا۔ اور اپنی چادر سے جسمِ اطہر دھویا اور صاف کیا۔ جوتیاں اُتارنی چاہیں لیکن نعلین مبارک میں خون اس قدر جم گیا تھا کہ ان کا چھوٹنا دشوار تھا۔ اس لئے وضو کرتے وقت آپ بمشکل اپنے پاؤں نکال سکے۔ خلاصہ یہ کہ طائف میں وُہ پیش آیا جو کہیں پیش نہیں آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ آپ سے ٹکرا رہا ہے۔ اور جو ہے رد کر رہا ہے۔ بلا شبہ صفا کے دامن سے جس انکار کی ابتدا ہوئی تھی۔ طائف کی گھاٹی میں اس کی انتہا ہو گئی۔ آزمائش کی کونسی بھٹی تھی جس میں یہ زرِ خالص نہیں ڈالا گیا۔

عداس کا ایمان لانا طائف سے تین میل کے فاصلہ پر عتبہ اور شیبہ مکّہ کے دو رئیسوں کا باغ تھا۔ آپ نے وہاں آ کر پناہ لی۔ اور باغ کی دیوار کے سائے میں آ کر بیٹھ گئے۔ عتبہ نے

[1] سیرت خاتم الانبیا صفحہ ۵۴

آپ کی بے بسی اور مظلومی کی حالت دیکھ کر اپنے عیسائی غلام عداس کے ہاتھ کچھ انگور بھیجے آپ نے بسم اللہ کر کے تناول فرمانا شروع کیا۔ عداس کو آپ کی بسم اللہ پر حیرت ہوئی۔ پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ عداس یہ سن کر قدموں میں گر کر بوسے دینے لگا، اور دولتِ ایمان سے مشرف ہوا۔ واپس گیا تو عتبہ اور شیبہ نے اسے ملامت کی۔ اس نے کہا۔ یہ پیغمبر ہیں روئے زمین پر کوئی آدمی ان سے بہتر نہیں۔

انتہائی عجز اور درد میں ڈوبی ہوئی دعا آپ نے وہاں سے قرن الثعلب پر پہنچ کر دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ "الٰہی میں اپنے عجز و بے بسی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی تحقیر اور بے بضاعتی کا تجھ سے ہی شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الرّاحمین اے کمزوروں اور ناتوانوں کے مربّی! تُو ہی میرا آقا اور پروردگار ہے۔ اے میرے مولا، اے کریم کارساز! کیا تُو مجھے ایسے بیگانوں کے سپرد کر دے گا جو مجھ سے نفرت کریں گے۔ یا دشمنوں کے حوالہ کر کے انہیں میرے نیک و بد کا مالک بنا دے گا۔ بار خدایا! اگر تُو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے ان مصائب کی پرواہ نہیں۔ تیری عافیت اور بخشش میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیری بزرگ ذات کے پاک نُور کے وسیلہ سے جس سے آسمان روشن ہوئے، تاریکیاں دُور ہوئیں، دنیا اور آخرت کے کام درست ہوئے، تجھ سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ تُو مجھ پر غضب نازل کرے اور اپنی خفگی کا مورد بنائے، اور جب تک چاہے، تجھی کو عتاب کرنے کا حق ہے یہاں تک کہ تُو راضی ہو، اور تیری امداد اور تائید کے بغیر کسی کو قدرت نہیں۔ (سیرت الکبریٰ ج ۲ ص ۶۹۷)۔

اجابتِ دُعا پیغمبر کی انتہائی عاجزی اور فروتنی میں ڈوبی ہوئی دعا کے ساتھ جو مضطر اور مظلوم بھی ہے۔ غریب اور مسافر بھی، اجابت کے دروازے کُھل گئے۔ آسمانی مخلوق میں جنبش ہوئی۔ جبریلِ امینؑ حاضر ہوئے، سلام کیا اور کہا کہ لوگوں نے جو کچھ آپ کو کہا اللہ نے سُن لیا اور پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، آپ جو چاہیں اسے حکم دیں۔

یہ طائف والوں کی ہلاکت اور بربادی کے لئے آپ کے حکم کا منتظر ہے۔

عفو و درگذر جس کو اپنی بے بسی اور بے سروسامانی کا گلہ تھا اب اس کے وسائل کا اندازہ کرو۔ جو سب سے بڑا تھا سب سے بھاری کر دیا گیا جس کے ٹخنے چور کر دیئے گئے۔ اب اس کے قابو میں کیا نہیں۔ اس کو حق تھا کہ جنہوں نے اس پر پتھراؤ کیا ان کو سنگسار کرے۔ مگر پہاڑ کے فرشتے سے فرمایا جا رہا ہے کہ:۔

"مجھے امید ہے کہ ان کی پشت سے ایسی نسلیں نکلیں جو اللہ ہی کی پوجا کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں"۔

اسباق و اشارات

(۱) اگر کسی جگہ دعوت الی اللہ قبول نہ کی جائے تو مایوس اور ملول نہ ہونا چاہیئے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ راہِ خدا میں ذلیل ہونا ہر ایک کو کہاں نصیب۔

(۲) اگر مخاطبین بدسلوکی اور سختی سے پیش آئیں تو صبر سے کام لے، اور ان سے درگذر کرے۔

(۳) گھر گھر پہنچ کر لوگوں کو دین کی دعوت دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق ہے۔

(۴) سفر میں اپنے کسی مخلص کو ساتھ لینا بھی مسنون ہے۔

(۵) جب کسی شہر اور بستی میں دین کی ضرورت کے لئے جائیں تو وہاں کے سرکردہ اور ذی اثر اصحاب سے بھی ملیں اور ان کو دعوت دیں۔

(۶) داعی کا اصل کام دعوت دینا یعنی پہنچانا ہے۔ منوانا نہیں۔ دوسروں کا نہ ماننا داعی کی ناکامی نہیں بلکہ نہ ماننے والوں کی ناکامی ہے۔

(۷) اللہ کے راستے میں بدوؤں اور مصیبتوں کی تمنا تو ہرگز نہ کرے لیکن اگر اللہ پاک اس راستہ میں مصائب اور مشکلات بھیج دے تو پھر ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔ خدا کی رحمت، گناہوں کا کفارہ اور درجے بلند ہونے کا ذریعہ سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کے

سامنے اپنی بے بسی اور عاجزی کا اظہار کرے اور عرض کرے کہ اے اللہ ہم ضعیف و ناتواں ہیں۔ تیری امداد اور نصرت کے سخت محتاج ہیں، تُو ہماری مدد فرما۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوصاف و اخلاق کا کامل مؤثر بنایا ہے۔ اس لئے زندگی میں آپ سے رحم و کرم، عفو و درگذر، حلم و بردباری وغیرہ صفاتِ خداوندی کا ظہور ضروری تھا۔ یہ ایسے اوصاف ہیں جن کا ظہور ناخوشگوار واقعات اور ابتلاء کے بغیر ناممکن ہے۔ جس طرح آپ کا مقام اللہ کے نزدیک تمام مخلوق سے اُونچا ہے اسی طرح اس راستہ میں آپ کو سب سے زیادہ مصائب و مشکلات سے واسطہ پڑا۔ پس جس طرح آپ نے دین کے راستہ میں تکلیفیں اٹھائیں اور مصیبتیں برداشت کیں، راحت و آرام کو قربان کیا۔ اسی طرح اُمّت کو بھی آپ کے اتّباع میں راہِ حق میں مصائب برداشت کرنا چاہئیں۔

(۹) آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "میرے مصائب ہر مسلمان کی تعزیت کریں گے"۔ اگر آپ ہر قسم کی مصیبت کے دَور سے نہ گذرتے تو پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا، اور اُمّت کے مصیبت زدوں کی تسلّی آپ کی ذاتِ گرامی سے کیسے ہو سکتی۔

(۱۰) طائف والوں کی ایذاؤں کو خاموشی اور صبر سے برداشت کرنا، بے سروسامانی اور مجبوری کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، ارادہ اور اختیار سے تھا، ورنہ اہلِ طائف کی ہلاکت و بربادی یقینی تھی۔

طائف سے واپسی

سنہ ۱۰ نبوی

جنّات کی حاضری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپس ہوتے ہوئے چند روز نخلہ میں قیام کیا۔ ایک رات آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ نصیبین کے سات جن اس طرف سے

گذرے۔ اور کھڑے ہو کر آپ کا قرآن سُنا اور چلے گئے۔ آپ کو ان کی آمد کا بالکل علم نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ وحی قرآنی کے ذریعہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ جنّات کے چند افراد اس وقت حاضر ہوئے جب آپ قرآن پڑھ رہے تھے۔ وہ قرآن مجید پر ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے اپنی قوم کو بھی اس پر ایمان کی دعوت دی۔[1]

مکّہ معظّمہ میں داخلہ اس کے بعد آپ مکّہ معظمہ کو واپس ہوئے۔ حضرت زید بن حارثہؓ نے عرض کیا کہ مکّہ میں کیسے داخل ہوں گے، مکّہ والوں نے ہی تو آپ کو نکالا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے رہائی کی ضرور کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔ اس کے بعد آپ حرا کو روانہ ہوئے اور مطعم بن عدی کے پاس حمایت کے لئے پیغام بھیجا۔ اس نے آپ کو مکّہ بلا بھیجا اور اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں پہنچ جائیں اور محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کا انتظار کریں۔ جب آپ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے تو مطعم بن عدی نے اعلان کیا کہ اے گروہِ قریش میں نے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی حمایت میں لے لیا ہے، کوئی شخص ان کی ایذا رسانی کا قصد نہ کرے۔ آپ حرم میں نماز ادا کر کے دولت کدہ کو تشریف لے گئے تو اس وقت مطعم اور اس کے بیٹے اور بھتیجے آپ پر تلواروں کا سایہ کئے ہوئے تھے۔

نوٹ: (۱) جنوں کا وجود قرآن مجید سے ثابت ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو تو وہ مشکلات سے نکلنے کی صورتیں پیدا فرما دیتا ہے۔

قبائل میں تبلیغِ اسلام سنہ نبوی

مکّہ معظمہ تشریف لانے کے بعد آپ نے قبائل میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔

---

[1] بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی اور مشرف باسلام ہوئی۔ بعض نے کہا کہ سال بھر کے بعد اکر کافی تعداد جنوں کی مسلمان ہوئی۔ (تفسیر کشف الرحمن سورہ احقاف صہ ۸۰)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس مختلف قبائل کی سکونت گاہوں میں تشریف لے جاتے اور انہیں اللہ کا پیغام سُناتے۔ حتیٰ کہ اگر راستہ میں کوئی مسافر مل جاتا تو اسے بھی ایمان اور خدا پرستی کا وعظ فرماتے۔ چنانچہ آپ عرب کے سب قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اسلام کی دعوت دی لیکن ان قبائل کے لوگوں نے جواب میں سخت نازیبا الفاظ استعمال کئے

قبیلہ بنو عامر کے ایک شخص نے کہا ہم اس شرط پر آپ کی حمایت کریں گے کہ اگر آپ فتحیاب ہوئے تو اپنے بعد ہمیں خلیفہ بنائیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے جس کو چاہے خلیفہ بنائے۔ اس نے کہا۔ یہ خوب ہے کہ آپ کے ساتھ ہو کر گردنیں تو ہم کٹوائیں اور جب آپ کامیاب ہو جائیں تو حکومت کا مزہ دوسرے لوگ اٹھائیں۔ جاؤ ہم کو اس کی ضرورت نہیں۔

پھر آپ قبیلہ شیبان کے پاس گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ آپ نے قبیلہ کے سردار فاروق کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید پڑھ کر سُنایا۔ وہ سُن کر متأثر ہوا اور کہا کہ مدتوں کا خاندانی عقیدہ دفعۃً چھوڑ دینا جلد بازی ہے۔ اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں۔ ہمارا اس سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے سے معاہدہ نہیں کریں گے۔ آپ نے اس کی راست گوئی کی تعریف کی اور فرمایا کہ کہ خدا اپنے دین کی خود مدد کرے گا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور قبیلہ اوس و خزرج کی طرف جو مدینہ سے حج کے لئے آئے ہوئے تھے تشریف لے گئے۔ اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ ان میں سے دو شخص اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس اسی وقت مسلمان ہو گئے[1]۔ آئندہ سال ان کے ساتھ کچھ اور آدمی آئے۔ جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

---

[1] سیرت خاتم الانبیاء صفحہ ۴۲

رضی اللہ عنہ

حضرت طفیل بن عمرو دوسی

سالنہ نبوی

حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ جو نہایت شریف اور اپنی قوم کے سردار تھے سالنہ نبوی[1] میں مکہ آئے۔ تو قریش نے ان کو آپ کے خلاف بہت بہکایا اور ورغلایا کہ یہ جادوگر ہیں ان سے بچنا اور ان کی باتیں نہ سننا۔ چنانچہ حضرت طفیلؓ نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ کہیں ایسا نہ ہو، ان کی آواز میرے کانوں میں پڑ جائے۔

ایک روز حضرت طفیل صبح کے وقت اسی حالت میں خانہ کعبہ پہنچے۔ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت طفیل کے کان میں قرارت کی کچھ آواز پہنچی اور بھلی معلوم ہوئی۔ تو دل میں خیال آیا کہ میں خود شاعر ہوں، اچھے برے کی تمیز رکھتا ہوں۔ خیال آتے ہی روئی کانوں سے نکال کر پھینک دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز ختم کر کے اپنے گھر کی طرف چلے تو یہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لئے، اور کہا کہ آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ نے قرآن مجید پڑھ کر سنایا اور اسلام کی دعوت دی۔ یہ اسلام کی حقانیت اور آپ کے اخلاق کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے، اور کہا کہ آپ دعا کریں کہ خدا تعالیٰ مجھے کوئی خاص نشان عطا فرمائے اور میرے ذریعہ میرے قبیلہ کو بھی اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی پیشانی پر ایک نور چمکا دیا جو اندھیرے میں روشن چراغ کی طرح چمکتا۔ مگر جب آپ اپنی قوم کے پاس گئے تو خیال ہوا کہ کہیں میری قوم اس نور کو کوئی مصیبت اور بیماری ہی نہ سمجھے۔ جو اسلام لانے کی وجہ سے مجھے لاحق ہو گئی ہو۔ اس لئے دعا کی کہ یا اللہ یہ نور میرے تازیانہ میں آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے

[1] تاریخ اسلام نجیب آبادی ص۱۲۷

دعا قبول فرمائی۔ وہ نور ان کے تازیانہ میں آگیا۔ آپ نے قبیلہ میں پہنچ کر تبلیغ کی۔ کچھ آدمی مسلمان ہوئے مگر ان کی توقع اور گمان سے کم۔ اس لئے دوبارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیے تاکہ میری سعی کامیاب ہو۔ آپ نے دعا فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ جاؤ، نرمی سے تبلیغ کرو۔ حضرت طفیلؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مکہ والے آپ کو بہت ستاتے ہیں۔ آپ ہجرت فرمائیں اور میرے گھر چل رہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ مجھ کو ہجرت کا حکم دے گا، تب ہی ہجرت کروں گا اور جس جگہ کے لئے حکم ہو گا، اسی جگہ ہجرت کر کے جاؤں گا۔

حضرت طفیل واپس ہوئے اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اور خدا کے فضل سے ایسے کامیاب ہوئے کہ غزوۂ خندق کے بعد سترّ، اسیّ گھرانے مسلمان کر کے غزوۂ خیبر میں اپنے ساتھ لائے، اور سب شریکِ جہاد ہوئے۔

اسباق و اشارات

(۱) مسلمان کا اولین فریضہ اشاعت اسلام ہے جیسا کہ حضرت طفیلؓ کے عمل سے ظاہر ہے۔

(۲) تبلیغ نرمی سے کرنا چاہیئے۔

(۳) ان کے چہرہ اور تازیانہ پر نُور کا چمکنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ، اور اُن کی کرامت ہے۔

معراج

۱۱ سنہ نبوی

راہِ حق میں ٹھوکریں کھانے اور پست ہونے کا نتیجہ | اللہ کی راہ میں جان کھپانا اور ٹھوکریں کھانا ہر ایک کو کہاں نصیب ہے۔ اس کی بارگاہِ عالی کے سامنے

انتہائی عاجزی اور بے بسی ہی کامیابی اور عروج کا زینہ ہے۔ اس راستہ میں جس قدر کوئی گرایا اور دبایا جاتا ہے مقامِ قرب میں اسی قدر اُٹھایا اور بلند کیا جاتا ہے اور اس راستہ میں جتنا کوئی ذلت اور رسوائی اُٹھاتا ہے اتنا ہی عزت و رفعت سے نوازا جاتا ہے۔

عجز و بے بسی کا ثمرہ جب شعبِ ابی طالب اور سفرِ طائف سے بے کسی و بے بسی انتہا کو پہنچ گئی اور آزمائش کی سب منزلیں طے ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج کی عزت سے سرفراز فرمایا۔ جو ستایا اور گرایا جاتا تھا، وہ اتنا اونچا کیا گیا، کہ مقرب فرشتہ بھی پیچھے اور نیچے رہ گیا، اور ایسے[1] مقام تک سیر کرائی جہاں جا کہ کائنات کی تمام بلندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

اِسرا اور معراج طائف سے واپسی کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف آنِ واحد میں بحالتِ بیداری رات کے وقت مسجدِ حرام[2] سے مسجدِ اقصیٰ[3] تک اور وہاں سے آسمانوں کے اُوپر تک سیر کرائی اور عجیب و غریب اسرار و انوار کا مشاہدہ کرایا۔ مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو اَسرا اور وہاں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کو معراج[4] کہتے ہیں۔

معراج کا مقصد اور حکمت جس طرح دنیا کے بادشاہ اپنے کسی مشیر کو سلطنت کے بعض رموز سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح شہنشاہ ارض و سما بھی کبھی اپنے برگزیدہ رسولوں کو کائنات کے اسرار و رموز کا مشاہدہ کرا دیتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر کائنات کے نظم و نسق کا راز کھولا گیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ تاکہ آپ کو اپنی قدرت کے عظیم الشان نشان اور حکیمانہ انتظامات کے عجیب و غریب نمونے دکھائے جائیں۔

واقعہ ایک رات آپ حضرت اُمِّ ہانی[5] کے ہاں آرام فرما رہے تھے کہ حضرت جبرائیل

---

[1] عرشِ عظیم۔ [2] بیت اللہ۔ [3] بیت المقدس۔ [4] معراج کب ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے۔ اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ ۲۷ رجب سلنہ نبوی کو معراج ہوئی۔ [5] حضرت علیؓ کی ہمشیرہ۔

علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کو مسجد حرام میں لے گئے۔ اور وہاں آپ کا سینہ اور شکمِ مبارک چاک کرکے قلبِ مبارک کو نکال کر زریں طشت میں آبِ زمزم سے دھویا گیا۔ پھر اسے ایمان و حکمت سے بھر کر اس کے اصلی مقام پر رکھ کر درست کر دیا گیا۔ پھر آپ کو براق[1] پر سوار کرکے جس کا ایک قدم انسان کی حدِ نظر تک پڑتا تھا، بیت المقدس لے گئے۔ وہاں تمام انبیاء آپ کے استقبال کے لئے پہلے سے موجود تھے۔ ایک مؤذن نے آذان کہی اور تکبیر کہی گئی۔ انتظار تھا کہ کون امام بنے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو آگے کھڑا کر دیا۔ آپ نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی[2]۔ پھر براق پر سوار ہوئے۔ اور سب سے پہلے آپ کو عجائباتِ برزخ کا مشاہدہ کرایا گیا اور ایسے لوگ دکھائے گئے جن کو عبرت ناک سزائیں دی جا رہی تھیں۔

عجائبات برزخ | آپ کو دکھایا گیا کہ:۔

(۱) بے نمازوں کے سر پتھر سے کچلے جا رہے ہیں۔

(۲) جھوٹے آدمیوں کی باچھیں لوہے کے زنبور سے چیری جا رہی ہیں۔

(۳) علمائے سُو اور واعظِ بے عمل کی زبانیں اور ہونٹ قینچی سے کاٹے جا رہے ہیں۔

(۴) یتیموں کا مال کھانے والے آگ کی چنگاریاں نگل رہے ہیں۔

(۵) غیبت کرنے والے اپنے ناخنوں سے جو تانبے کے ہیں، اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے ہیں۔

(۶) سود خوار پیٹ میں سانپ بھرے ہوئے ہیں، اور خون کی نہر کے بیچ میں پڑے ہیں، باہر نکلنے کے لئے کنارے پر آتے ہیں تو ایک آدمی پتھر مار کر دھکیل دیتا ہے۔

---

[1] براق، برق سے ہے۔ برق کی رفتار فی سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی ہے۔ اس سے براق کی تیز رفتاری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ [2] آپ کو سیادت و امامت کا جو منصب دیا گیا تھا اسی کا حسی نمونہ آپ کو اور مقربینِ بارگاہ کو دکھایا گیا۔

⑦ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ایک ہی دن میں بو بھی لیتے ہیں اور کاٹ بھی لیتے ہیں۔ جب کاٹتے ہیں، پھر ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے راستہ میں جو خرچ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے، اور ان کی ایک نیکی سات سو گنا تک بڑھتی ہے۔

⑧ زکوٰۃ نہ دینے والے اپنی شرم گاہوں پر چیتھڑے باندھے ہوئے مویشیوں کی طرح چر رہے ہیں۔

⑨ زنا کرنے والے مرد اور عورتیں آگ کے تنور میں ننگے جل رہے ہیں اور آگ کے زور سے نیچے سے اوپر اُٹھتے ہیں کہ نکلنے کے قریب ہو جاتے ہیں مگر پھر نیچے چلے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ زانیہ عورتوں کو پستانوں سے بندھی ہوئی لٹکتے بھی دیکھا۔ اور یہ بھی دیکھا کہ بدکار اور حرام کار پاکیزہ گوشت چھوڑ کر کچا اور سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں۔

عالمِ ملکوت پھر آپؐ وہاں سے آگے روانہ ہوئے اور بالترتیب آسمانوں کی سیر کرتے اور پیغمبروں[1] سے ملاقات کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ زمین سے جو اعمال صعود کرتے ہیں وہ اس سدرہ تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے اُوپر اُٹھائے جاتے ہیں۔ اور جو احکام اُوپر سے آتے ہیں وہ اوّل اسی پر نزول کرتے ہیں، پھر وہاں سے نیچے عالمِ دنیا میں لائے جاتے ہیں اور اسی واسطے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ[2] ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب انوار و تجلیات کا مشاہدہ کیا۔ راستہ میں حوضِ کوثر پر گذر ہوا۔ پھر جنّت کی سیر کی، اور اس کے عجائب و غرائب دیکھے۔ پھر دوزخ آپ کے سامنے پیش کی گئی، جس میں

---

[1] آسمانِ اوّل پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے پر حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام، تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

[2] اس مقام سے آگے قدم بڑھانا بجز آپؐ کے مخلوق کی طاقت سے باہر ہے۔

آپ نے مختلف قسم کے لوگوں کو عذاب میں مبتلا دیکھا۔

دیدارِ الٰہی اور ہم کلامی سدرۃ المنتہٰی پر پہنچ کر حضرت جبریلؑ ٹھہر گئے۔ آپ نے فرمایا۔ اے جبریل کیا ایسے مقام میں کوئی دوست اپنے دوست کو چھوڑتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اگر میں اس مقام سے بال برابر بھی بڑھوں تو نور سے جل جاؤں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں ؎

بدو گفت سالار بیت الحرام	کہ اے حاملِ وحی برتر خرام
چو در دوستی مخلصم یافتی	عنانم ز صحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند	بماند کہ نیروئے بالم نماند
اگر یک سرِ موئے برتر پرم	فروغِ تجلّی بسوزد پرم

"جبریل سے بیت الحرام کے سردار یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے جبریل! آگے بڑھے چلو"۔ "جب تو نے دوستی میں مجھ کو مخلص پایا ہے، تو میرا ساتھ دینے سے کیوں رک گئے"۔ "جبریلؑ نے کہا کہ مجھ میں اس سے آگے جانے کی ہمت نہیں اسلئے رک گیا ہوں کہ میرے بازوؤں میں طاقت نہیں رہی"۔ "اگر میں بال برابر بھی آگے بڑھوں گا، تو تجلّی اور نور کی زیادتی میرے پروں کو جلا دے گی"۔

وہاں آپ کے لئے ایک رفرف یعنی سبز مسند اتاری گئی اور اس پر آپ کو بٹھایا گیا ——— جو آپ کو کرسی وغیرہ سب مکاناتِ آسمانی اور حجاباتِ نورانی طے کراتے ہوئے عرش تک لے گیا ——— غرضیکہ آپ کو بارگاہِ خداوندی میں وہ مقامِ قرب حاصل ہوا کہ نہ کسی نبی کو نصیب ہوا، اور نہ ہی کسی فرشتہ کی وہاں تک رسائی ہوئی۔ چنانچہ آپ اللہ پاک کے دیدار اور ہم کلامی سے مشرف ہوئے اور ایسے علوم و فیوض آپ کو عطا فرمائے گئے کہ زبان ان کے بیان کرنے سے قاصر ہے۔[1]

نماز پنج گانہ کی فرضیت اسی موقعہ پر آپ کی اُمّت کے لئے پچاس نمازوں کا

---

[1] فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ۔ پس وحی بھیجی اللہ تعالےٰ نے اپنے بندے کی طرف جو کچھ کہ وحی بھیجی۔

حکم ہوا۔ واپسی میں موسیٰ علیہ السّلام پر گذر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کو کیا حکم ہوا۔ فرمایا، رات دن میں پچاس نمازوں کا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ کی اُمّت رات دن میں پچاس نمازیں ہرگز نہ پڑھ سکے گی۔ آپ واپس جایئے اور ربّ العزّت سے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ آپ واپس گئے۔ بارگاہِ الٰہی سے دس نمازوں کی تخفیف ہوئی۔ آپ پھر موسیٰ علیہ السّلام کے پاس آئے۔ انہوں نے پھر اسی طرح کہا۔ آپ پھر لوٹے تو دس نمازوں کی اور تخفیف ہوئی۔ پھر موسیٰ علیہ السّلام کے پاس آئے انہوں نے پھر وہی مشورہ دیا۔ آپ واپس ہوئے تو دس نمازیں اور کم ہوگئیں۔ آپ پھر موسیٰ علیہ السّلام کے پاس آئے۔ انہوں نے پھر اسی طرح کہا۔ آپ واپس گئے، تو آپ کو روزانہ دس نمازوں کا حکم ہوا۔ مگر پھر موسیٰ علیہ السّلام کے مشورہ سے واپس ہوئے تو روزانہ پانچ نمازوں کا حکم باقی رہ گیا۔ اور ارشاد ہوا کہ یہ پانچ برابر ہیں پچاس[1] کے اور میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی۔ آپ سمجھ گئے کہ پانچ نمازیں مرضیٔ حق اور مطلوب ہیں، اس سے مزید کمی ممکن نہیں۔ اس لئے پھر موسیٰ علیہ السّلام کے کہنے پر کہ آپ اپنے رب کے پاس جایئے اور اپنے لئے اور تخفیف مانگئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے رب سے بہت درخواست کی، اب مجھے عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اب میں راضی ہوتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں[2]۔ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کہ میں نے اپنا فرض جاری کر دیا۔ اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔ یعنی ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے۔ پس پانچ نمازیں ثواب کے لحاظ سے پچاس ہوئیں جتنی کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فرض کی تھیں سبحان اللہ! پانچ نمازیں پڑھیں گے اور پچاس کا ثواب پائیں گے۔

نوٹ: آپ کے سامنے شبِ معراج میں تین پیالے پیش ہوئے۔ ایک دودھ کا

---

[1] تعداد میں پانچ ہوں گی مگر ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہوگا۔ [2] مسلم کی روایت میں پانچ پانچ کا کم ہونا آیا ہے۔

دوسرا شہد کا تیسرا شراب کا۔ مگر آپ نے دودھ کا پیالہ لیا۔ حضرت جبریل علیہ السّلام نے فرمایا کہ آپ نے فطرت اسلام کو اختیار کیا جس پر آپ اور آپ کی اُمّت قائم رہے گی۔

واپسی شرفِ دیدار اور ہم کلامی اور قدرت کے بڑے بڑے نشانات دیکھنے کے بعد آپ واپس ہوئے۔ براق پر سوار ہو کر مکّہ معظمہ کی طرف تشریف لے چلے۔ راستہ میں مختلف مقامات میں قریش کے تین تجارتی قافلوں پر گذر ہوا۔ جن میں سے بعض کو آپ نے سلام کیا اور انہوں نے آپ کی آواز پہچانی اور مکّہ واپس ہونے کے بعد اس کی شہادت دی۔ صبح سے پہلے ہی یہ مبارک سفر ختم ہو گیا۔ ابھی تک آپ کا بستر گرم تھا کیونکہ اس ہزاروں برس کی مسافت کا ایک آن میں طے ہونا ایک قدرتی کرشمہ تھا، جس کے لئے وقت یا زمانہ کی ضرورت نہ تھی۔

قریش کی تکذیب صبح کے بعد آپ نے یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کیا۔ وہ سن کر حیران ہوئے۔ کسی نے تعجّب سے سر پر ہاتھ رکھا اور کسی نے تالیاں بجائیں اور مذاق اُڑایا۔ پھر بغرض امتحان آپ سے بیت المقدس کے متعلق سوالات کرنے اور علامتیں پوچھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کی نظروں کے سامنے کر دیا۔ آپ اس کو دیکھتے جاتے اور کفار کے سوالات کا جواب دیتے جاتے۔ پھر قریش نے راستہ کا حال اور اپنے قافلے والوں کی نسبت بعض باتیں دریافت کیں اور صحیح جواب پا کر خاموش ہو گئے۔ قافلہ والوں نے بھی آکر آپ کے بیانات کی تصدیق کی۔

تصدیق صدّیق کچھ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے، اور کہا۔ کیوں صاحب اپنے دوست کی بھی کچھ خبر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بیت المقدس ہوتا ہوا آسمانوں کی سیر کر آیا اور ایک آن میں بحالتِ بیداری جنّت دوزخ سب کچھ دیکھ آیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ اگر حضورؐ نے یہ فرمایا ہے تو بالکل سچ ہے۔ لوگوں نے کہا کہ تم اس بیان میں انکی تصدیق کرتے ہو کہ اتنی مسافت پر جا کر رات کے ایک حصّے میں واپس بھی آگئے؟ انہوں نے فرمایا

ہاں مَیں تو اس سے کہیں زیادہ بعید امر میں ان کی تصدیق کرتا رہتا ہوں کہ صبح شام آسمانی خبریں ان کے پاس آتی رہتی ہیں۔ پس جب آسمان والے ان کے پاس آتے جاتے ہیں تو اگر یہ بھی کبھی آسمان والوں کے پاس پہنچا دیئے جائیں تو اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس جواب اور تصدیق کا علم ہوا تو آپ نے ان کو صدّیق کا قابلِ فخر لقب عطا فرمایا۔

اشارات

(۱) راہِ حق میں پست ہونے والے کو سربلند کیا جاتا ہے اور سرکش کو گرایا جاتا ہے کیونکہ اس راہ میں ذلّت و رسوائی اور عجز و بے بسی کا انجام عزّت و رفعت ہے۔ ؎

پستی سے سربلند ہو، اور سرکشی سے پست
اس راہ کے عجیب نشیب و فراز ہیں

(۲) اللہ کے راستہ میں جس قدر آپ کو ستایا گیا اتنا کسی اور کو نہیں ستایا گیا۔ اسی لئے مقامِ قرب میں جو عروج آپ کو عطا ہوا کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا۔ معراج کا واقعہ اس کی روشن دلیل ہے۔

(۳) واقعہ معراج اگر کوئی خواب یا کشف ہوتا تو مشرکینِ مکہ آپ کا مذاق نہ اُڑاتے، اور نہ ہی آپ سے بیت المقدس کی علامتیں پوچھتے۔ کفار جس مستعدی سے اس واقعہ کے انکار و تکذیب کے لئے تیار ہو کر میدان میں آئے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت ایک خواب یا سیرِ روحانی کی نہ تھی۔ حقیقت یہی ہے کہ معراج و اسرا کا واقعہ حالتِ بیداری میں جسم اور روح کے ساتھ ہوا۔ ہاں اگر اس کے علاوہ خواب میں بھی اس طرح کے واقعات دکھلائے گئے ہوں تو انکار کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۴) حکومتیں اپنے معزز مہمان کی آمد پر تعطیل کر دیتی ہیں۔ جب گورنمنٹ اپنے نظامِ حکومت کو کسی معزز مہمان کی آمد پر بدل سکتی ہے تو کیا احکم الحاکمین یہ اختیار

نہیں رکھتا کہ اپنے معزز مہمان یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر کائنات کے نظام کو بدل دے اور ہزاروں برسوں کا سفر اپنی قدرتِ کاملہ سے آنِ واحد میں طے کرادے۔

مدینہ میں اسلام کی ابتدار

سلہ ۱۱-۱۲ نبوی

عقبہ کی پہلی بیعت موسمِ حج میں آپؐ کی عادتِ شریفہ تھی کہ جو قبائل حج کو آتے۔ ان سے مل کر اسلام کی حقیقت اور خوبیاں بیان فرماتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی اشاعت اور ترقی کا ارادہ فرمایا تو مدینہ طیبہ کے چند آدمیوں[1] کو آپکی خدمت میں بھیج دیا۔ منیٰ میں عقبہ[2] کے مقام پر رات کے وقت آپ کی ان سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان کو اسلام کی تبلیغ فرمائی اور قرآن مجید کی آیتیں سُنائیں۔ یہ لوگ یہود سے سُنا کرتے تھے کہ عنقریب عرب میں ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں۔ وہ سُن کر آپس میں کہنے لگے کہ یہ وہی نبی ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس فضیلت اور سعادت میں یہود ہم پر سبقت لے جائیں فوراً اسلام لے آئے۔

عقبہ کی دوسری بیعت ان حضرات نے مدینہ پہنچ کر ایسی سرگرمی سے دینِ حق کی تبلیغ شروع کی کہ مدینہ میں گھر گھر آپ کا ذکرِ خیر ہونے لگا اور اگلے سال یعنی سلہ ۱۲ نبوی کے موسمِ حج میں بارہ[3] آدمی آپ سے ملنے کے لئے حاضر ہوئے اور عقبہ کے مقام پر آپ سے ملے اور مشرف باسلام ہوئے۔ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ کر دیا کہ ان کو قرآن کی تعلیم اور دین کے احکام سکھائیں۔

---

[1] یہ چھ آدمی تھے۔ [2] حرا اور منیٰ کے درمیان پہاڑ کی ایک گھاٹی ہے (سیرت الکبریٰ ج ۲ صفحہ)
[3] پانچ پہلے اور سات اور تھے۔

حضرت مصعبؓ نے اسعد بن زرارہؓ کے مکان کو مرکز بنا کر دین کی تبلیغ شروع کر دی۔

حضرت مصعبؓ کی تبلیغی سرگرمیاں

حضرت مصعبؓ مدینہ منورہ پہنچ کر ہمہ تن دین کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ ان کا روزانہ معمول تھا کہ ایک ایک گھر جاتے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔ رفتہ رفتہ بنو خزرج میں اسلام کو اتنی مقبولیت ہوئی کہ تھوڑے دنوں میں چالیس آدمی مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت مصعبؓ قبیلہ اوس کی طرف متوجہ ہوئے اور اسعد بن زرارہؓ اور چند مسلمانوں کے ہمراہ ایک باغ میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ سعد بن معاذ کو جو قبیلہ اوس کے سردار اور اسعد بن زرارہ کے خالہ زاد بھائی تھے خبر ہوئی۔ حضرت سعد نے اپنے چچازاد بھائی اسید بن حضیر کو بھیجا کہ جا کر مصعب کو ڈانٹ دو۔ اسید گئے اور چھوٹتے ہی گالیاں دینی شروع کر دیں لیکن حضرت مصعبؓ نے کمال حکیمانہ انداز سے ان کو ٹھنڈا کر کے ایسے مؤثر پیرائے میں اسلام پیش کیا کہ وہ فوراً ان کے قلب میں اتر گیا۔ غسل کیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ اگر سعد بن معاذ مسلمان ہو جائیں تو پھر ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہو جائے گا، میں ان کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ یہ کہہ کر واپس ہوئے اور سعد سے کہا کہ میں نے تو ان کی بات میں کوئی خرابی نہیں دیکھی۔ سعد بن معاذ غصہ میں بھرے ہوئے تلوار لے کر خود وہاں پہنچے اور اسعد بن زرارہؓ سے مخاطب ہو کہا کہ اگر تم میرے رشتہ دار نہ ہوتے تو ابھی تلوار سے کام تمام کر دیتا۔ قوم کے بہکانے کے لئے تم ہی ان کو لے کر آئے ہو۔

حضرت مصعبؓ نے کہا کہ آپ ہماری باتیں سن کر تو دیکھیں۔ اگر دل گواہی دے تو قبول کر لینا۔ ورنہ پھر جو چاہے کرنا۔ چنانچہ وہ بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے اسلام کی خوبیاں بتائیں اور قرآن پاک کی تلاوت کی۔ سنتے ہی سعد کا رنگ بدل گیا۔ فوراً نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کر لیا۔ بلکہ سیدھے اپنی قوم کے پاس پہنچے اور کہا کہ خدا کی قسم! میں تم سے

اس وقت تک کلام نہ کروں گا جب تک تم سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔ غرضیکہ شام نہ گذری تھی کہ ان کے قبیلہ بنی عبد الاشہل کا بچہ بچہ مسلمان ہو گیا۔[1] اس کے بعد حضرت مصعبؓ بدستور اشاعتِ اسلام میں مصروف رہے۔ اس طرح انصار کے اکثر قبائل میں اسلام پھیل گیا۔

مدینہ منورہ میں جمعہ کا قیام اسی سال اسعد بن زرارہؓ نے مدینہ منورہ میں جمعہ[2] قائم کیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کے نام قیامِ جمعہ کے لئے حکم ارسال فرمایا۔

عقبہ کی تیسری بیعت

۱۳ سنہ نبوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس سال تک لوگوں کو گھروں بازاروں اور میلوں میں پکار پکار کر کہتے رہے کہ کون ہے جو مجھے ٹھکانہ دے۔ کون ہے جو میری مدد کرے تاکہ میں خدا

---

[1] اس قبیلہ میں صرف ایک شخص عمرو بن ثابت جس کا لقب اصیرم تھا، رہ گیا۔ مگر وہ بھی جنگِ احد کے دن مسلمان ہو گیا۔ اور اسلام لاتے ہی جہاد کے لئے چل دیا اور شہید ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنّتی ہونے کی بشارت دی۔ یہ وہ شخص ہے جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور جنّت میں پہنچ گیا۔ [2] یہود ہفتہ کے دن اور نصاریٰ اتوار کے دن ایک جگہ جمع ہوتے تھے۔ حضرت اسعد بن زرارہؓ کے دل میں خیال آیا کہ مسلمانوں کو بھی ہفتہ بھر میں ایک دن جمع ہو کر اللہ کی عبادت کرنی چاہیئے چنانچہ انہوں نے جمعہ کا دن تجویز کیا۔ جمعہ کے دن کو جاہلیت میں یوم عَرُوبہ کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ صحابہ کے دونوں اجتہادوں کی تصدیق فرمائی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ (سورۃ جمعہ۔ آیۃ ۹)۔

کا پیغام پہنچا سکوں۔ مگر کوئی ٹھکانہ دینے والا اور مدد کرنے والا نہ ملا حتیٰ کہ جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی سال بھر کی کوشش سے مدینہ میں گھر گھر اسلام پہنچ گیا اور اہلِ مدینہ کو آپ کی اور آپ کے جان نثاروں کی تکالیف اور مصائب کا حال معلوم ہوا جو کفار کے ہاتھوں پیش آرہی تھیں۔ تو حج کے موقعہ پر تہتر[1] مرد اور عورتیں مدینہ کے قافلہ میں مل کر مکہ آئے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر تشریف لانے کی دعوت دیں۔

چنانچہ انہوں نے خفیہ طور[2] پر عقبہ کی گھاٹی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم آپ کی ایسی حفاظت کریں گے جیسی اپنی اور اپنی بیوی بچوں کی کرتے ہیں۔ حضرت عباسؓ بھی آپ کے ساتھ تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ انہوں نے انصار سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں دشمنوں کے مقابلہ میں، ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے ہیں۔ اگر تم ان کو اپنے ہاں لیجانا چاہتے ہو اور مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے خیال چھوڑ دو، اور جواب دے دو۔ انصار نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں اور ان کو اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کی۔ اور فرمایا کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ٹھکانہ دو۔ اور جس طرح اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح میری حفاظت اور حمایت کرنے کا وعدہ اور ہر حال میں میری اطاعت کرنے کا اقرار کرو۔ انصار نے کہا کہ ہم آپ کی حفاظت اور حمایت میں جان و مال اور عزت و آبرو قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اور کسی حال میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

ان میں سے ایک شخص نے پوچھا۔ یارسول اللہ! ہمیں اس کے بدلہ میں کیا اجر

---

[1] سیرت المصطفیٰ ج۔ا ص۲۴۹۔ [2] اہلِ مکہ کی شدید مخالفت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم علی الاعلان کسی کو تبلیغ نہ فرما سکتے تھے۔ اس لئے اہلِ مدینہ نے رازداری سے بیعت کی۔

ملے گا۔ آپ نے فرمایا۔ جنّت اور خدا کی خوشنودی۔ پھر ان لوگوں نے پوچھا کہ آپ ہمیں چھوڑ تو نہیں دیں گے؟ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ میرا جینا مرنا، تمہارے ساتھ ہوگا۔ اس پر سب نے نہایت رغبت اور رضا کے ساتھ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دینی امور کی حفاظت اور تبلیغ کے لئے ان میں سے بارہ بزرگوں کو بحکمِ الٰہی ان کا امیر اور سردار مقرر فرمایا۔ یہ حضرات، اپنے اپنے قبیلوں کے سردار تھے۔ ان کا اسلام قبول کرنا گویا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا۔ رخصت کے وقت انہوں نے پھر مدینہ تشریف لے جانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا مجھے ابھی مکّہ چھوڑنے کا حکم نہیں اور نہ ہی میری ہجرت کا کوئی مقام مقرر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا۔

صبح کو اس بیعت کی خبر مکّہ میں پھیلی۔ قریش انصار کے پاس آئے اور دریافت کیا۔ انصار کے ساتھ جو بُت پرست تھے ان کو اس کی خبر نہ تھی، انہوں نے اس کی تردید کی اور کہا کہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ہمیں ضرور علم ہوتا۔ بعد ازاں یہ قافلہ مدینہ کو روانہ ہوا۔ روانگی کے بعد قریش کو اس کی خبر ہوئی تو انصار کے پیچھے دوڑے مگر قافلہ نکل چکا تھا۔ لیکن سعد بن عبادہؓ کو جو قافلہ سے پیچھے رہ گئے تھے پکڑ لائے اور بہت مارا۔ جبیر بن مطعم نے آکر چھڑایا۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۲۵۵)۔

اسباق و اشارات

(۱) اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کی اشاعت اور ترقی کا ارادہ فرمایا تو اہلِ مدینہ کو آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اللہ تعالیٰ جس سے چاہتے ہیں کام لے لیتے ہیں۔

(۲) دین کی اشاعت میں آپ نے ہر قسم کی مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت

لہ سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۲۵۵

کیا۔ جب سفرِ طائف سے ایک قسم کی مایوسی کی صورت پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور نبی کی مدد اور نصرت انصار مدینہ کے ذریعہ فرمائی۔

(۳) نومسلموں میں دین کو پختہ کرنے کے لئے دینی تعلیم کا بندوبست کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔

(۴) حضرت مصعب بن عمیرؓ کی طرح حکمت اور نرمی سے لوگوں کو دین کی طرف بُلانا چاہیئے۔

(۵) انصار نے خدا کی خوشنودی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کی خاطر اپنی جان و مال اور عزّت و آبرو کو قربان کر دیا۔

(۶) نبی ہر امر میں اللہ کے حکم کے تابع ہوتا ہے۔ اس کا کوئی کام اللہ کی مرضی اور اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔

(۷) مکّہ معظمہ میں مسلمانوں کو اپنی جان بچانی مشکل ہو رہی تھی۔ اہل مدینہ کا ایسے وقت میں محبّت و عقیدت اور جوش و ولولہ سے اسلام قبول کرنا کسی دباؤ یا لالچ کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ اخلاق اور پاکیزہ تعلیم کا نتیجہ تھا۔

معجزہ شق القمر[۱]

ہجرت سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ کفار کا مجمع تھا۔ انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی اور کہا کہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھاؤ۔ آپ نے فرمایا۔ آسمان کی طرف دیکھو۔ ناگاہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا۔ بیچ میں پہاڑ حائل تھا۔ جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا تو دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ باہر سے آنے والے

[۱] علامہ شیخ محمد رضا مصری لکھتے ہیں کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے ملک چین میں ایک عمارت دیکھی، جس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ عمارت فلاں سنہ میں تعمیر ہوئی جس میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا (بقیہ صفحہ آئندہ)

مسافروں نے بھی اس کی تصدیق کی۔ کفار کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چاند پر یا ہم پر جادو کر دیا ہے۔

یہ واقعہ رات کا ہے۔ جہاں رات ہوگی وہاں عموماً لوگ سوتے ہوں گے۔ اور جو بیدار ہوں گے ضروری نہیں کہ وہ آسمان کی طرف تک رہے ہوں۔ اس وجہ سے تاریخوں میں اس کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے اس واقعہ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ مگر اس کے باوجود تاریخِ فرشتہ[1] میں اس کا ذکر موجود ہے اور ہندوستان میں مہاراجہ مالابار (بھوج) کے اسلام کا سبب اسی واقعہ کو لکھتے ہیں۔ تاریخِ حبیبِ الٰہ میں بھی اس راجہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایلچی بھیجنا اور مسلمان ہونا مذکور ہے۔ یہ معجزہ قرآن پاک میں مذکور ہے کسی منکر کو عہدِ نبوّت میں اس کے انکار کی مجال نہیں ہوئی۔

ہجرتِ صحابہؓ

کفّار نے صحابۂ کرام پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ حتّٰی کہ جب مسلمانوں کو احکامِ الٰہی کا آزادی سے بجا لانا اور جان بچانا مشکل ہوگیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو دین و ایمان اور جان بچانے کے لئے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اس حکم کے سنتے ہی خفیہ طور پر ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

ہجرت کی مشکلات سب سے پہلے ابو سلمہؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا۔ جب روانہ ہوئے تو کفار نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو روک لیا اور بچّے کو بھی چھین لیا۔ حضرت ام سلمہؓ سے خاوند اور بچّہ دونوں جُدا ہوگئے[2]۔ ابو سلمہؓ نے بیوی اور بچہ دونوں کو چھوڑ کر

---

[1] دیکھو حاشیہ قرآن مجید حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، سورۂ قمر۔ [2] حضرت ام سلمہؓ روزانہ بے چینی اور بے قراری کے عالم میں گھر سے نکل کر ایک ٹیلہ پر بیٹھ کر دن بھر رویا کرتی۔ آخر خاندان کے لوگوں نے سال بھر کے بعد آپ کی بے کسی سے متاثر ہو کر مدینہ جانے کی اجازت (بقیہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) ایک عظیم آسمانی حادثہ پیش آیا۔ حساب لگایا گیا تو وہ سن شق القمر کے واقعہ کے سال کے عین مطابق تھا۔

ہجرت کی۔ حضرت صہیبؓ مکہ سے جانے لگے تو کفار نے ان کا ہزاروں روپیہ کا مال و زر چھین لیا۔ حضرت ہشام بن عاصؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کو پکڑ کر قید کر دیا اور قسم قسم کی تکلیفیں دیں۔ حضرت عیاشؓ ہجرت کر کے مدینہ گئے تو ابو جہل دھوکہ دے کر وہاں سے لے آیا اور قید کر دیا۔

غرض اس قسم کی رکاوٹوں کے باوجود لوگوں نے ایک ایک دو دو کر کے مکہ معظمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علیؓ اور تھوڑے سے کمزور مسلمانوں کے سوا کوئی مسلمان باقی نہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک ہجرت کا ارادہ نہیں فرمایا تھا۔ آپ حکمِ الٰہی کے منتظر تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا۔ ابھی ٹھہر جاؤ، شاید مجھے بھی اجازت مل جائے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ کی رفاقت کی خاطر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔[۱]

حضرت عمرؓ کے سوا تمام مہاجر چھپ چھپ کر گھروں سے نکلے۔ مگر حضرت عمرؓ نے چلتے وقت بیت اللہ کا طواف کیا اور کہا کہ اے گروہِ قریش! میں مکہ سے جا رہا ہوں۔ جس کسی کی ہمت ہو مجھ کو روکے مگر کسی کی مجال نہ ہوئی۔

مہاجرین کے فضائل (۱) حضرات مہاجرین کا بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے خدا اور اس کے رسول کی رضا اور خوشنودی کی خاطر وطن، اہل و عیال، کنبہ برادری، جائداد اور مال و دولت ہر چیز کو ٹھکرا دیا۔ یہ اتنی بڑی قربانی ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی اور اللہ کے راستہ میں ہر چیز قربان کر دینے کا عملی سبق ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو دنیا میں اچھی جگہ دینے اور آخرت میں بہت بڑا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دے دی اور بچہ بھی آپ کو دے دیا۔ آپ نے توکلاً علی اللہ تن تنہا مدینہ کا سفر اختیار کیا۔ راستہ میں کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ مل گئے۔ انہوں نے آپ کی داستانِ غم سن کر آپ کے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور بحفاظت آپ کو مدینہ پہنچا کر مکہ کو واپس آ گئے۔ ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔ [۱] سیرت الکبریٰ ج-۲ ص ۲۳۷۔

اجر عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ	اور جن لوگوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم
مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا	کیا گیا، اللہ کے لئے اپنا وطن چھوڑا تو ہم
لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً	ضرور ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے
وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ م	اور آخرت کا ثواب تو اس سے بہت بڑا
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۙ	ہے۔ کاش یہ کافر اس ثواب کو جانتے
(سورہ نحل آیۃ ۴۱)	(تو مسلمان ہو جاتے)۔

چنانچہ مہاجرین کو مدینہ منوّرہ پہنچنے کے بعد جو خوشحالی، عزّت و شوکت اور دنیا بھر میں اوج و عظمت نصیب ہوئی وہ ظاہر و باہر ہے لیکن آخرت میں جو بلند مقامات اور عظیم الشان مدارج ملیں گے ان کا تو کون اندازہ کر سکتا ہے۔

(۳) انصار کی فضیلت مہاجرین کے خدمتگذار ہونے کی وجہ سے ہے (سیرت الکبریٰ ج ۲ ص ۵۳۷)۔

(۴) مہاجرین کو اللہ کے راستہ میں جو تکالیف پیش آئیں، حق تعالےٰ نے خود اس کا اعتراف فرمایا ہے اور اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ (میری راہ میں ستائے گئے) کے شفقت آمیز لطف و انعام سے نوازا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مقدّسہ

اصولِ ہجرت پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نورِ ہدایت لے کر آتا ہے۔ قوم کو جنّت کی ترغیب دیتا اور دوزخ کے عذاب سے ڈراتا ہے۔ جو لوگ اس کی تکذیب کرتے اور مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں، کبھی فرمائشی معجزے طلب کرتے، تو کبھی نزولِ عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جب وہ حد سے گذر جاتے ہیں اور ان کی گرفت کا وقت آجاتا ہے تو پیغمبر کو حکم ہوتا ہے کہ نافرمان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر ہجرت

کر جائیں۔[1]

جب کفار نے اسلام کو مٹانے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی فتح و نصرت کی خاطر کفار کو نافرمانی کی پاداش میں سزا دینے کے لئے آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔

مشورۂ قتل مشرکینِ مکہ دار الندوہ میں جمع ہوئے اور آخری مشورہ یہ قرار پایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک جوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر بیک وقت آپ پر تلوار دن کی ضرب لگائیں تاکہ خون بہا دینا پڑے تو سب قبائل پر تقسیم ہو جائے اور بنی ہاشم کی یہ ہمت نہ ہو کہ خون کے انتقام میں سارے عرب سے لڑائی مول لیں۔ جبریل امینؑ نے آپ کو اس مشورہ کی اطلاع دی اور ہجرتِ مدینہ کی اجازت کا پیغام پہنچایا۔[2]

رات کے وقت قریش نے آپ کے مکان کو گھیر لیا اور آپ کے باہر نکلنے کا انتظار کرتے رہے کیونکہ عرب کسی کے زنانہ مکان میں گھسنا معیوب سمجھتے تھے، اس لئے باہر ٹھہرے رہے۔ قریش کو باوجود عداوت کے آپ کی دیانت پر بہت اعتماد تھا۔ اپنی امانتیں حضرت کے پاس ہی رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹایا تاکہ آپ کے بعد لوگوں کی امانتیں احتیاط سے مالکوں کے حوالہ کریں۔ اور حضرت علیؓ کو تسلی دی، کہ کافر تمہارا بال بیکا نہ کر سکیں گے۔ پھر خود بنفسِ نفیس سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں پڑھتے ہوئے اور ان کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے صاف نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اونگھ اور نیند مسلط کر دی۔

نوٹ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں فَاَغْشَيْنٰهُمْ

---

[1] کیونکہ پیغمبر کی موجودگی میں کسی قوم پر عذاب نہیں آتا۔ مکہ میں حضرتؐ کی برکت سے عذاب اٹکا رہا تھا۔ آپ تشریف لے گئے تو مخالفین بدر کے میدان میں مبتلائے عذاب ہوئے۔ [2] آپ نے دریافت کیا کہ میرے ساتھ کون ہجرت کریگا۔ تو جبریل امین نے کہا۔ ابو بکر صدیق۔ (سیرت المصطفیٰ ج۔۱ صفحہ ۲۶۵)۔

فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ تک پڑھ کر ایک مٹھی خاک ان کے سروں پر ڈال دی۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اور آپ ان کے سامنے سے اس طرح گذر گئے کہ کسی کو نظر نہیں آئے۔ (سیرت المصطفٰی ج۔ اصٓ ۲۶۷)۔

غارِ ثور آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لیا اور مکہ سے چند میل ہٹ کر غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ یہ غار پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے جس میں داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا۔ وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا۔ صرف لیٹ کر داخل ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اندر جا کر اسے صاف کیا۔ سب سوراخ کپڑے سے بند کئے کہ کوئی کیڑا کانٹا گزند نہ پہنچا سکے۔ ایک سوراخ باقی تھا۔ اس میں اپنا پاؤں رکھ دیا۔ یہ سب انتظام کر کے حضورؐ سے اندر تشریف لانے کو کہا۔ آپ صدیقؓ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرما رہے تھے کہ سانپ نے حضرت ابوبکرؓ کا پاؤں ڈس لیا۔ مگر صدیقؓ پاؤں کو حرکت نہ دیتے تھے مبادا حضورؐ کے آرام میں خلل پڑے۔ جب آپ کی آنکھ کھلی، قصہ معلوم ہوا تو آپ نے لعابِ مبارک حضرت صدیقؓ کے پاؤں کو لگا دیا۔ جس سے فوراً شفا ہو گئی۔

ادھر مکہ میں کفار آپ کے باہر تشریف لانے کے منتظر تھے۔ صبح ہوئی اور حضرت علیؓ آپ کے بستر سے اُٹھے تو ان سے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں حضرت علیؓ نے کہا۔ مجھے علم نہیں۔ قریش نے حضرت علیؓ کو پکڑا اور بہت مارا۔ بالآخر چھوڑ دیا اور ایک سراغ رساں کو ہمراہ لے کر جو قدموں کے نشان کی شناخت میں ماہر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ اس نے غارِ ثور تک نشانِ قدم کی شناخت کی مگر خدا کی قدرت کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالا تن دیا اور جنگلی کبوتر نے انڈے دے دیئے یہ دیکھ کر سب نے سراغ رساں کو جھٹلایا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اندر سے کفار کے پاؤں نظر آتے تھے۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی فکر ہے کہ خدا نہ کرے آپ پر کوئی آنچ آئے۔ گھبرا کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر نظر کی تو ہم کو دیکھ پائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ آپ ڈریں نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے

اور سیرت الکبریٰ میں فتح الباری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ وہ ہمیں ہرگز نہیں دیکھ سکتے کیونکہ فرشتوں نے اپنے پروں سے ہمیں چھپا رکھا ہے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے سکون و اطمینان کی خاص کیفیت آپ کے قلبِ مبارک پر اور آپ کی برکت سے حضرت صدیقِ اکبر کے قلب پر نازل کی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت اور تائید فرمائی۔ آپ اس غار میں تین دن چھپے رہے۔ رات کے وقت حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کھانا دے جاتیں اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ اہل مکہ کی باتیں سنا جاتے۔ عامر بن فہیرہ حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام عشاء کے وقت آکر بکریوں کا دودھ پلا جاتے۔

غارِ ثور سے روانگی کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ کی گرفتاری کے لئے سو سو اونٹ کے انعام کا اعلان کیا۔ تین دن کے بعد جب کفار آپ کی تلاش سے نا امید ہو کر بیٹھ گئے تو عامر بن فہیرہ دو اونٹنیاں لے کر آگئے جن کو اسی سفر کے لئے خوب فربہ اور تیار کیا گیا تھا۔ ایک ناقہ پر آپ اور دوسری پر حضرت صدیقِ اکبرؓ اور عامر بن فہیرہ سوار ہوئے۔ اور عبداللہ بن اریقطؒ اپنے اونٹ پر آگے آگے راستہ دکھانے کے لئے سوار ہوا۔

یہ مختصر قافلہ مدینہ کی طرف عام راستہ سے بچتا ہوا رات کے پہلے ہی حصہ میں روانہ ہو گیا اور ایک عورت امِ معبد کے خیمہ پر پہنچا۔ آپ نے امِ معبد کی اجازت سے اس کی

لہ عبداللہ بن اریقط کو رہبری کیلئے اجرت پر مقرر کیا۔ عبداللہ کو فر اور مشرک تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس پر اعتماد اور بھروسہ کیا۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۱ صفحہ ۲۶۹)

بے دودھ اور لاغر بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ دودھ سے بھر گئے۔آپ نے اُمِّ معبد کو پلایا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا۔ اس کے بعد خود پیا۔ اور دوبارہ دودھ کا مٹکا بھر کر اُمِّ معبد کو عطا کیا۔ شام کو اس کا شوہر آیا تو دودھ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔ اُمِّ معبد نے کہا کہ یہ ایک مہمانِ عزیز کی برکت ہے اور آپؐ کا حال بیان کیا۔ اُس نے کہا کہ یہ تو وہی مکّہ والے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔کچھ دنوں کے بعد میاں بیوی ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ پہنچے اور سعادتِ ایمانی سے بہرہ اندوز ہوئے۔(سیرت الکبری ج-۲ ص۷۹)۔

سراقہ کا تعاقب کرنا آپ اُمِّ معبد کے ہاں سے روانہ ہو کر تھوڑی دُور ہی پہنچے ہوں گے کہ پیچھے سے سراقہ بن مالک انعام کے لالچ میں آپ کا تعاقب کرتا ہوا آپہنچا۔قریب آیا تو گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ سراقہ گر پڑا۔ پھر سوار ہو کر پیچھے چلا۔آپؐ نے فرمایا۔ الٰہی ہمیں اس کے شر سے بچا۔ اسی وقت سراقہ کا گھوڑا گھٹنوں تک پتھریلی زمین میں دھنس گیا تو اسے اسلام کے غلبہ کا یقین ہو گیا اور عاجزانہ الفاظ میں آپ سے پناہ چاہی۔آپ کی دعا کی برکت سے گھوڑا وہاں سے نکلا۔ تو زادِ راہ پیش کیا۔آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ اتنا فرمایا کہ ہمارا حال کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ سراقہ واپس[1] ہوا۔ اور راستہ میں جو شخص آپ کے تعاقب میں آتا ہوا ملا اُسے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اب اِدھر جانے کی ضرورت نہیں۔میں دیکھ آیا ہوں۔

بریدہ اسلمی مسلمانانِ مدینہ کو آپ کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔اِدھر تو وہ آپ کی

---

[1] سراقہ جب واپس ہونے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سراقہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سراقہ نے عرض کیا۔ مجھے؟ فرمایا۔ ہاں تجھے۔ عرض کیا اس کی تحریر لکھ دیجئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر لکھوا دی۔ سراقہ جنگِ احد کے بعد مسلمان ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب مدائن فتح ہوا، اور کسریٰ کا تاج اور مرصع زیورات مالِ غنیمت میں آئے تو امیرالمومنین نے سراقہ کو بُلایا اور اس کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنا دیئے۔ اس طرح یہ پیشین گوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔

آمد آمد کے منتظر تھے۔ اور اُدھر کفارِ یثرب[1] میں سے بریدہ اسلمی ستر آدمیوں کو ہمراہ لئے انعام کے لالچ میں مدینہ سے باہر آپ کو گرفتار کرنے کی غرض سے کھڑا تھا۔ جس وقت آپ مدینہ کی حد میں داخل ہوئے اور بریدہ کی نظر آپ پر پڑی تو اس کے قلب میں ایک ہیبت سما گئی اور آپ کے کلام سے بہت متاثر ہوا۔ اس کی قلبی حالت یک لخت پلٹ گئی اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں داخلہ کے وقت آپ کے ساتھ نشان ہو۔ اور اپنی پگڑی کو ایک لکڑی پر لپیٹ کر عَلَم بنایا۔ آپ نے اسی کو عَلَم بردار کیا۔ چنانچہ وہ جھنڈا لئے آپ کے آگے آگے روانہ ہوا (سیرت المصطفیٰ ج۱ص ۲۹۶)۔

اشارات

① ہجرت انبیائے سابقین کی سنت ہے اس کے بعد نصرتِ الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔

② خدا کے تمام برگزیدہ رسولوں کو ابتلا پیش آتا ہے۔ اس کے بعد فتح و نصرت ان کے قدم چومتی ہے۔

③ یہ تائیدِ الٰہی کا کرشمہ ہے کہ گرفتار کرنے والے، ایک کو پاسبان بنا دیا جو تعاقب میں آنے والے دوسرے لوگوں کو واپس کرتا رہا۔ اور دوسرے کو علم بردار بنا دیا۔

④ اللہ تعالیٰ راہِ حق میں چلنے والوں کی فرشتوں کی فوج سے مدد کرتے اور حفاظت فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے غار پر فرشتوں کا پہرا لگا دیا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطرہ کا اظہار کیا کہ یہ شخص جو غار کے سامنے کھڑا ہے، ہمیں دیکھ لے گا تو آپ نے فرمایا۔ ہرگز نہیں فرشتے ہم کو اپنے پروں سے چھپائے ہوئے ہیں۔ (سیرت کبریٰ بحوالہ فتح الباری)۔

⑤ مکڑی کا جالا جو کمزور سے کمزور ہوتا ہے بڑے بڑے مضبوط اور آہنی قلعوں سے بڑھ کر حفاظت کا ذریعہ بن گیا۔

⑥ جب دشمن جان کے درپے ہوں اور اخراج کے سوا چارہ نہ ہو۔ تو اپنے

---

[1] مدینہ کو پہلے یثرب کہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے پر مدینہ نام ہوا۔

بچاؤ کی تدبیر کرنا ضروری ہے۔

⑦ حالات نازک ہوں تو فوری سفر اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اسی نواح میں ایسی جگہ پناہ[1] لینی چاہیئے جہاں دشمن کی طرف سے تعاقب کا گمان نہ ہو۔ پھر تین دن تک وہاں توقف کرے تاکہ مخالفین کی تلاش کا زور مدھم اور سرد پڑ جائے۔ تین دن کے بعد رازداری سے جائے پناہ سے نکل کر غیر معروف راستہ سے اپنا سفر اختیار کرے۔

⑧ سفر میں کسی رفیق اور رہبر کا ہونا سہولت اور خوش دلی کا موجب ہے ایسا ہی دین کے سفر کے لئے بھی راہنما کی ضرورت ہے ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگذشت و نہ شد آگاہِ عشق

قبا میں ورود

داخلہ آپؐ کی روانگی کی خبر مدینہ میں پہنچ چکی تھی۔ ہر فرد بشر شوقِ دید میں چشم براہ تھا۔۔۔ اہل مدینہ روزانہ استقبال کے لئے بستی سے باہر آتے اور دوپہر تک انتظار کرکے گھروں کو واپس ہو جاتے۔ ایک روز انتظار کرکے واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی آپ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھا کہ لوگو! تمہارا مقصود آگیا۔ جس کا تمہیں انتظار تھا وہ تشریف لے آئے۔ اس خبر کا کانوں میں پڑنا تھا کہ انصار بے تابانہ اور والہانہ آپ کے استقبال کے لئے دوڑے اور نعرۂ تکبیر سے قبا کی تمام آبادی گونج اٹھی۔

قبا مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے

---

[1] مدینہ مکہ سے جانب شمال ہے۔ آپ کے تعاقب کے لئے کفار کا غالب گمان اسی طرف ہو سکتا تھا۔ اس لئے آپ نے احتیاطاً جنوب کی طرف غارِ ثور میں پناہ لی۔

عمرو بن عوف کا خاندان ممتاز تھا۔ کلثوم بن ہدم اس خاندان کا سردار تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے مکان پر قیام فرمایا۔ انصار جوق در جوق نیاز مندانہ سلام کے لئے حاضر ہوتے۔ حضرت علیؓ بھی اہل مکہ کی امانتیں سپرد کر کے قبا میں آپ کے ساتھ آملے۔

مسجدِ قبا قبا میں آپ نے چودہؐ روز قیام فرمایا اور ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ یہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں بنائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا اور یہاں کے لوگوں کی طہارت اور پاکیزگی کی تعریف فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ مسجد قبا کی زیارت کو تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے چلے اور مسجد قبا میں جا کر ایک دوگانہ ادا کرے، تو ایک عمرہ کا ثواب پائے۔ (سیرت المصطفیٰ ج۔۱ صـ۲۹۸)۔

نوٹ : آپ مکہ مکرمہ سے ۲۷ صفر بروز پنجشنبہ نکلے۔ یکم ربیع الاوّل بروز دوشنبہ غارِ ثور سے روانہ ہوئے۔ ۸ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ دوپہر کے وقت قبا میں نزول فرمایا۔

مدینہ منوّرہ میں داخلہ اور استقبال

مدینہ کو روانگی آپ نے قبا میں چند روز قیام فرما کر جمعہ کے روز مدینہ منوّرہ کا ارادہ فرمایا راستہ میں جمعہ کا وقت آگیا۔ آپ نے محلہ بنو سالم میں نماز جمعہ ادا فرمائی اور پھر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ سارا شہر زیارت کے لئے اُمڈ آیا۔ تین میل تک دو رویہ جاں نثاروں کی صفیں شوقِ دید کے لئے کھڑی تھیں۔ کوئی پیدل کوئی سوار، آپ کے ارد گرد چل رہے تھے۔ کوئی اونٹنی کی مہار تھامنے کی عزّت حاصل کرنے میں دوسروں سے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بچوں کو عید سے بڑھ کر خوشی تھی۔ چھوٹی بچیاں دف بجا بجا کر گیت گا رہی تھیں۔ جوشِ مسرت کا یہ عالم تھا کہ خواتین بھی جمالِ نبوی کی زیارت کے لئے چھتوں پر چڑھی ہوئی خوشی کے

لہ بعض روایات میں بائیس دن مذکور ہیں۔ (سیرت خاتم الانبیاء صـ۸۵)۔

ترانے گا رہی تھیں۔ جس شخص کا مکان راستہ میں آتا، وہ بے تابانہ التجا کرتا کہ یا رسول اللہؐ غریب خانہ حاضر ہے۔ قیام فرمایئے (جوشِ عقیدت کا سمندر تھا جو دلوں میں امڈا چلا آرہا تھا) آپ ان کو دعا دیتے اور فرماتے کہ ناقہ من جانب اللہ مامور ہے جہاں اللہ کا حکم ہوگا وہیں ٹھہرے گی۔

غرض ناقہ مبارک اسی شان سے آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور شمع نبوّت کے پروانے دائیں بائیں آگے پیچھے نثار ہو رہے تھے اور ہر شخص کی تمنّا اور آرزو تھی کہ کاش میرے ہاں قیام فرمائیں۔ بالآخر ناقہ بنی نجار[1] میں خود بخود اس مقام پر بیٹھ گئی جہاں اب مسجد کا دروازہ ہے۔ لیکن آپ اُترے نہیں۔ اُونٹنی پھر اٹھی اور تھوڑی دُور چل کر مُڑی اور اُسی جگہ پر جہاں پہلے بیٹھی تھی، واپس آئی اور[2] بیٹھ گئی۔ اب آپ اُترے۔ حضرت ابو ایوبؓ کا گھر قریب تھا۔ انہوں نے انتہائی مسرّت سے آپ کا سامان اُتارا اور اپنے گھر لے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ماہ تک اسی مکان میں قیام فرمایا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمُ

حضرت ابو ایوبؓ نے اپنی خواہش کے مطابق اپنے مکان کا زیریں حصّہ خالی کر دیا خود بالاخانے میں جا رہے۔ ایک دن اتّفاق سے بالاخانہ پر پانی کا بھرا ہُوا برتن ٹوٹ گیا۔ حضرت ابو ایوبؓ سخت پریشان ہوئے کہ مبادا پانی نچلی منزل میں جاکر آپ کی تکلیف کا باعث ہو۔ گھر میں ایک ہی لحاف تھا۔ میاں بیوی نے جھٹ پانی پر رکھ دیا اور اس سے پانی جذب کرنے لگے۔ تاکہ سرکارِ دو عالمؐ کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچے۔

انصار کے مرد اور عورتیں آپ کی خوشنودی اور حصولِ تقرّب کے لئے ہدایا لالا کر پیش کرتے تھے۔ حضرت انسؓ کی والدہ اُمِ سلیم چونکہ نادار تھیں۔ انہیں اپنی اس

---

[1] بنی نجار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی رشتہ دار تھے۔ [2] اتنی ہی جگہ مسجد کے لئے مخصوص کر لی گئی۔ گویا اونٹنی نے مسجد کی حد بندی کر دی۔

بات پر افسوس تھا کہ آپ کے حضور بطور تحفہ اور ہدیہ لے جانے کے لئے کوئی چیز موجود نہیں۔ اس لئے انہوں نے اپنے فرزند انسؓ کو خدمت گار کی حیثیت سے بھیج دیا، اور عرض کیا کہ انسؓ کو خدمت گاری کے لئے قبول فرمائیں۔ آپ نے انسؓ کو اپنی خدمت کے لئے جو فی الحقیقت ہفت اقلیم کی بادشاہت سے بھی بہتر تھی، قبول فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر نو ۹ سال تھی۔

مدنی آب و ہوا کے خوشگوار ہونے کی دُعا مدینہ میں وبائی امراض بکثرت ہوا کرتے تھے۔ جب مہاجرین یہاں آئے تو سب کو بُخار آنے لگا اور وہ بہت کمزور ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے لئے مدینہ کو اسی طرح محبوب بنا دے جس طرح ہمیں مکہّ محبوب ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور اسے ہمارے لئے صحت افزا بنا دے اور اس کے صاع اور مُد[1] میں برکت عطا فرما، اور بخار کو یہاں سے جحفہ کی طرف منتقل کر دے۔ جحفہ مدینہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر یہود کی ایک آبادی تھی۔ یہ لوگ مکہّ سے آنے والے مہاجرین کو ایذا دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ بُخار اور وبا کو جحفہ منتقل کر دیا، اور ان کی بستی ویران ہو گئی جو دوبارہ آج تک آباد نہیں ہو سکی۔

---

[1] صاع اور مُد: وزن اور پیمانہ۔

مدنی زِندگی

مسجدِ نبویؐ کی تعمیر

۱ھ

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مسجد کے لئے وہ جگہ تجویز کی گئی جہاں آپ کی اونٹنی بیٹھی تھی، اور اسے خرید کر مسجد کی تعمیر کی گئی۔ جس کی دیواریں کچّی اینٹوں کی، اور چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس اس کی تعمیر میں حصّہ لیا۔ یہ مسجد اپنی سادگی میں بے مثل تھی۔ جب بارش ہوتی تو پانی اندر آجاتا۔ اس لئے بعد میں چھت کو گارے سے لیپ دیا گیا۔ ۷ھ میں فتح خیبر کے بعد بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے آپ نے از سرِ نو تعمیر کرائی۔

پہلی مرتبہ کی تعمیر میں مسجد کا طول و عرض سو گز سے کم تھا اور دوسری مرتبہ کی تعمیر میں سو گز سے کچھ زائد تھا۔ مسجد کے متصل ایک انصاری کی زمین تھی۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ زمین جنّت کے ایک محل کے عوض ہمارے ہاتھ فروخت کر دو۔ لیکن وہ اپنی غربت اور تنگی کی وجہ سے مفت نہ دے سکے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس اس قطعۂ زمین کو دس ہزار درہم دے کر خرید لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو قطعۂ زمین آپ اس انصاری سے جنّت کے محل کے

عوض خریدنا چاہتے تھے وہ اس ناچیز سے خرید فرمالیں۔ آپ نے وہ قطعہ جنت کے معاوضہ میں حضرت عثمانؓ سے خرید کر مسجد میں شامل فرمالیا۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مسجدِ نبوی میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ صرف جو ستون بوسیدہ ہونے کی وجہ سے گر پڑے تھے ان کی جگہ اسی طرح کھجور کے ستون نصب فرمائے۔ حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں قبلہ کی طرف اور مغرب کی طرف مسجد کو بڑھایا۔ شرقی جانب چونکہ ازواجِ مطہرات کے حجرے تھے، اس لئے اس طرف کوئی اضافہ نہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے صرف مسجد کی توسیع فرمائی مگر اس کی اصلی شان اور ہیئت میں کوئی تغیّر و تبدل نہیں فرمایا۔ یعنی نبیِٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کچّی اینٹوں سے مسجد کی تعمیر کرائی اور کھجور کے ستون اور کھجور کی شاخوں اور پتّوں کی چھت ڈالی اور اس کی اصلی سادگی کو برقرار رکھا۔ لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسجد کی توسیع بھی فرمائی اور بجائے کچّی اینٹوں کے منقش پتھروں اور قلعی چونہ سے اس کی تعمیر کرائی اور ستون بھی پتھر کے لگوائے اور سال کی لکڑی کی چھت ڈالی۔

ازواجِ مطہّرات کی وفات کے بعد ولید بن عبدالملک کے حکم سے یہ تمام حجرے بھی مسجدِ نبوی میں شامل کر لئے گئے۔

صفہ مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا۔ یہ ان لوگوں کے لئے تھا جو گھر بار نہیں رکھتے تھے۔

حجرے مسجد کے ساتھ دو حجرے[1] بھی بنائے گئے۔ ایک حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے

---

[1] بقیہ حجرے بعد میں حسبِ ضرورت تعمیر ہوتے رہے۔ اکثر حجرے کھجور کی شاخوں کے اور بعض کچّی اینٹوں کے تھے۔ دروازوں پر کمبل اور ٹاٹ کے پردے تھے۔ حجرے کیا تھے زہد و قناعت کی تصویر اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ تھے۔

اور دوسرا حضرت سودہؓ کے لئے۔ اس کے بعد زید بن حارثہؓ کو مکّہ بھیج کر اپنے بیوی بچوں کو مدینہ بُلالیا۔ ام المؤمنین حضرت سودہؓ اور دو صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ تشریف لے آئیں۔ مگر تیسری صاحبزادی حضرت زینبؓ کو انکے شوہر ابوالعاص نے نہ آنے دیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بھی اپنی والدہ اور دونوں بہنوں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے۔ مکّہ میں صرف چند مسلمان رہ گئے جو کسی مجبوری کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتے تھے۔

اِسلامی تاریخ اسلامی تاریخ کی ابتدا سن ہجری سے ہوئی اور اس کا پہلا مہینہ محرّم قرار دیا گیا۔

اشارات

(۱) نئی آبادی میں سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی جائے اور حتی الوسع سادگی سے کام لیا جائے۔ مسجد ہی مسلمانوں کی تعمیر اور تنظیم کا مرکز ہے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نماز کے برابر ہے۔

(۳) دو یا زیادہ بیویوں کی صورت میں ہر ایک کے لئے جداگانہ رہائش کا انتظام کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن سلام علمائے یہود میں سے تورات کے بہت بڑے عالم تھے۔ یہود ان کا اعزاز و اکرام کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چہرۂ مبارک دیکھتے ہی یقین کی دولت سے

مالا مال ہو گئے اور اسلام قبول کیا۔ مگر ان کو خیال ہوا کہ مسلمان ہو جانے کے بعد یہود کے غلط پراپیگنڈے کی وجہ سے کہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجر رفقار کی نظر میں مشتبہ نہ ہو جاؤں۔ اس لئے اس موقعہ پر نہایت دانشمندی اور ہوشیاری سے کام لیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے اسلام کے اظہار سے پہلے آپ یہود کے عمائدین سے معلوم کرلیں کہ وہ میرے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں آپ نے یہود کے سرداروں کو بلایا۔ وہ حاضر ہوئے۔ حضرت عبداللہ آڑ میں چھپ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگوں میں عبداللہ کیسے آدمی ہیں۔ یہود نے کہا۔ ہمارے سردار اور بہت بڑے عالم ہیں۔ ان کے والد بھی بہت بڑے سردار اور عالم تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں اور حق لے کر آیا ہوں، اسلام لے آؤ۔ یہود نے انکار کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر عبداللہ مجھ پر ایمان لے آئے، پھر تو میرے نبی برحق ہونے کا اقرار کرو گے۔ یہود نے کہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عبداللہ اسلام قبول کرلے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر ایسا ہو جائے۔ یہود نے کہا ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ نے عبداللہ کو آواز دی۔ وہ سامنے حاضر ہوئے اور کہا کہ اے یہود تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں خدا سے ڈرو اور ایمان لے آؤ۔ یہود نے جیسے ہی یہ سُنا۔ فوراً بدل گئے اور کہنے لگے کہ تم ہمیشہ کے جھوٹے ہو۔ تمہارے باپ بھی ایسے ہی جھوٹے تھے، ہمیشہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

نوٹ: یہود کو غلط پراپیگنڈے کی مہارت اور بہتان تراشی کی عادت تھی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

حضرت سلمانؓ فارس کے شاہی خاندان میں سے تھے۔ دینِ حق کی تلاش میں گھر سے نکلے اور ملک شام میں جا کر کئی عیسائی عالموں کی خدمت میں رہے۔ شہر عموریہ

کے ایک عالم کے پاس پہنچے۔ جب اس کا انتقال ہونے لگا تو اس نے کہا کہ میری نظر میں اس وقت کوئی ایسا عالم نہیں جو صحیح راستہ پر ہو۔ البتہ آخری نبی کا زمانہ قریب ہے ملکِ عرب میں ان کا ظہور ہوگا۔ وہ صدقہ نہیں لیں گے ہدیہ قبول کریں گے۔ اُن کے شانوں کے درمیان مُہرِ نبوّت[1] ہوگی۔ یہ اسی طلب اور تلاش میں عرب کو جانے والے ایک قافلہ کے ساتھ ہولئے۔ مگر راستہ میں انہوں نے یہ بدسلوکی کی کہ غلام بناکر آپ کو ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ پھر آپ یکے بعد دیگرے دس سے زیادہ مرتبہ فروخت ہوئے۔ غرضیکہ مختلف جگہ فروخت ہوتے ہوئے غلامی کی زندگی میں مدینہ پہنچ گئے۔ آپ کی عمر ڈھائی سو سال سے زائد ہوئی ہے۔

حضرت سلمانؓ خود فرماتے ہیں کہ میں بنی قریظہ کے ایک یہودی کے ہاں درختوں کا کام کرتا رہا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، اور قبا میں قیام فرمایا۔ میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر کام کر رہا تھا۔ میرا آقا نیچے بیٹھا تھا۔ اتنے میں میرے آقا کے چچازاد بھائی نے آکر کہا کہ انصار قبا میں ایک شخص کے گرد جمع ہیں۔ جو مکّہ سے آیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی اور پیغمبر ہے۔ یہ سنتے ہی مجھ پر وجد کی حالت طاری ہوگئی۔ درخت سے اُترا، اور آنے والے سے کہا کہ مجھے بھی ذرا بتائیں کہ آپ کیا خبر لائے ہیں۔ میرے آقا نے غصّہ سے میرے ایک طمانچہ رسید کیا، اور کہا۔ تجھ کو اس سے کیا مطلب تُو اپنا کام کر۔

میں جب شام کو کام سے فارغ ہوا تو سیدھا قبا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میں آپ اور آپ کے رفقاء کے لئے کچھ صدقہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو صدقہ نہیں لیتا۔ صحابہؓ کو اجازت دے دی، کہ تم

---

[1] کتبِ سابقہ میں آپ کی علاماتِ نبوّت مذکور تھیں۔ علمائے اہل کتاب ان علامات کی رُو سے آپ کو خوب پہچانتے تھے۔ مگر ضد اور حسد قبولِ حق سے مانع تھا۔

لے لو۔ جب آپ مدینہ تشریف لے آئے تو میں پھر حاضر خدمت ہوا، اور عرض کیا کہ صدقہ تو آپ قبول نہیں فرماتے، یہ ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے قبول فرمایا۔ خود بھی کھایا اور صحابہؓ کو بھی کھلایا۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ دو علامتیں تو پوری ہوئیں۔ دو چار روز کے بعد پھر حاضر ہوا۔ آپ اس وقت ایک جنازے کے ہمراہ بقیع میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام کیا اور سامنے سے اُٹھ کر پیچھے آبیٹھا۔ آپ سمجھ گئے اور پُشت مبارک سے چادر کو اُٹھا دیا۔ میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اُٹھ کر مُہرِ نبوّت کو بوسہ دیا اور رو پڑا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ سامنے آؤ۔ میں سامنے آیا اور اپنا واقعہ تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے صحابہؓ کی مجلس میں بیان کیا، اور اسی وقت مشرف باسلام ہوا۔ آپ بہت مسرور ہوئے۔

اس کے بعد میں اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہو گیا۔ اسی وجہ سے غزوۂ بدر اور اُحد میں شریک نہ ہو سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ سلمان! اپنے آقا سے کتابت کر لو[1]۔ میں نے اپنے آقا سے کہا تو اُس نے کہا کہ اگر چالیس اوقیہ سونا ادا کرو، اور تین سو کھجور کے درخت لگا دو، جب وہ پھل لے آئیں تو تم آزاد ہو۔ میں نے قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ترغیب دی کہ کھجور کے پودوں سے سلمان کی مدد کریں۔ چنانچہ حضرات صحابہؓ نے میرے لئے پودے جمع کر دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے سلمان گڑھے تیار کرو۔ جب گڑھے تیار ہو گئے تو آپ نے دستِ مبارک سے تمام پودوں کو لگایا اور برکت کی دُعا فرمائی۔ ایک سال کے اندر اندر سب پودے پھل لے آئے۔ اس طرح درختوں کا قرضہ تو ادا ہو گیا۔ صرف سونا رہ گیا۔ ایک روز ایک شخص آپ کے پاس بیضہ کی مقدار سونا لے کر آیا۔ آپ نے فرمایا وہ مسکین مکاتب یعنی سلمان کہاں ہے۔ اس کو بلاؤ۔ میں حاضر

---

[1] کتابت اس کو کہتے ہیں کہ غلام اپنے آقا سے یہ مقرر کرے کہ اگر اس قدر رقم وضع کما کر ادا کر دوں تو آزاد ہو جاؤں۔

ہوا۔ تو آپ نے وہ بیضہ کی مقدار سونا مجھے عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس کو لے جاؤ۔ اللہ تمہارا قرضہ ادا کر دے گا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ تو بہت تھوڑا ہے۔ اس سے میرا قرض کہاں ادا ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ اللہ اسی سے تمہارا قرض ادا کر دیگا۔ چنانچہ میں نے اسے تولا تو پورا چالیس اوقیہ تھا۔ میرا کُل قرض ادا ہوگیا اور میں غلامی سے آزاد ہوا، اور پھر آپ کے ساتھ جنگِ خندق اور تمام غزوات میں شامل رہا۔

تکمیلِ نماز اور اذان

نماز کی تکمیل مکہ معظمہ میں صرف دو رکعت نماز فرض تھی لیکن مدینہ آکر جب مذہبی آزادی اور سکون ہوا تو ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں پوری کی گئیں۔ لیکن مغرب کی تین اور فجر کی بدستور دو رکعتیں ہی بطور فرض باقی رہیں۔

اذان جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو مسلمانوں کو نماز کا وقت معلوم کرنے میں کچھ مشکل پیش آئی۔ اندازہ سے مسجد میں جمع ہوتے اور نماز پڑھتے تھے۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی ایسا انتظام ہو جائے جس سے تمام نمازی وقت پر جمع ہو سکیں۔ آپ نے اس بارہ میں صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے دی مگر کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو خواب میں اذان کے کلمات تعلیم کئے۔ یہ صبح اُٹھتے ہی حاضر خدمت ہوئے اور اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ خواب سچا ہے۔ پھر حضرت عبداللہؓ کو حکم دیا کہ یہ کلمات بلالؓ کو بتا دو تاکہ وہ اذان دے کیونکہ بلالؓ کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ حضرت عمرؓ اذان سُنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بھی خواب میں یہی کلمات تلقین کئے گئے ہیں۔

اشارات: (۱) اذان اسلام کا ایک عظیم شعار ہے۔

(۲) اس کے کلمات اسلام کے تین بنیادی اصولوں توحید، رسالت اور آخرت پر مشتمل ہیں۔

(۳) اذان سراسر دعوتِ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والی ہے۔

چاہِ رُومہ ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ منوّرہ آئے تو مدینہ کے تمام کنووں کا پانی کھاری تھا۔ صرف چاہِ رُومہ کا پانی شیریں تھا۔ جس کا مالک ایک یہودی تھا جو بغیر قیمت کے پانی نہ دیتا تھا۔ غریب مسلمانوں کو اس سے مشکل پیش آتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من اشترٰی بئر رومۃ فلہ الجنّۃ (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۵۲۲) — جس نے بیرِ رُومہ خریدا، اس کیلئے جنّت ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر بیرِ رُومہ کو خرید کر وقف کر دیا۔

۱ھ کے متفرّق واقعات

(۱) اسی سال بستی قبا کے سردار کلثوم بن ہدم کا انتقال ہوا۔

(۲) اسی سال اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نقیب بنی نجار انتقال کر گئے۔

(۳) اسی سال مشرکین مکّہ کے دو سرداروں ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل نے انتقال کیا۔

(۴) اسی سال مدینہ پہنچنے کے آٹھ ماہ بعد ماہِ شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ عقد کے وقت ام المؤمنین کی عمر چھ یا سات سال تھی اور رخصتی کے وقت نو سال تھی۔

مہاجرین اور انصار میں مؤاخات

ضرورت | مہاجرین اپنا گھر بار، مال و دولت اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر بے بسی کی حالت میں مدینہ آئے۔ غربت و افلاس اور خویش و اقارب کی جدائی کے غم میں مبتلا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ مہاجر تمہارے بھائی ہیں، ان کی دل جوئی کرو، اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا کر ان میں بھائی چارہ قائم کر دیا۔ تاکہ :۔

مقصد | (۱) فریقین ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنیں۔

(۲) مہاجرین کی غربت اور افلاس دُور ہو اور عزیز و اقارب کی جدائی کا غم ہلکا ہو۔

(۳) تربیت یافتہ مہاجرین کی صُحبت اور رفاقت میں انصارِ مدینہ پر گہرا رنگ چڑھ جائے۔

ہر انصاری نے اپنے مہاجر بھائی کو حقیقی بھائی کی طرح اپنی جائداد میں برابر کا حصہ دار بنا لیا۔ اور اپنے کاروبار میں شریک کر لیا۔ یہ رشتہ خون کے رشتوں سے بڑھ کر ثابت ہوا انصار نے اسے اس خلوص سے نباہا کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

حضرت سعد بن ربیعؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کہ میری نصف جائداد لے لو اور میری دو بیویوں میں سے جونسی آپ کو پسند ہو، اُسے طلاق دے دیتا ہوں اس سے نکاح کر لو۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مال و دولت اور اہل و عیال میں برکت عطا فرمائے۔ ہر چیز تمہیں مبارک ہو۔ مجھے تو آپ کاروبارِ تجارت کے لئے بازار تک پہنچا دیں۔ (سیرت اکبریٰ ج-اص ۸۲۵)۔

یہ رشتہ نسبی رشتہ کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ جب کوئی انصاری مرتا تو مہاجر بھائی اس کا وارث ہوتا۔ خیبر کے فتح ہونے پر جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو تمام مہاجرین

نے انصار کے باغات اور جائدادیں واپس کر دیں۔

اشارات

(۱) مؤاخات نے مہاجرین اور انصار کے باہمی تعلقات کو خوش گوار بنا دیا اور مسلمان آپس میں متحد اور متفق ہو گئے۔

(۲) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان کی مثال جسمِ واحد کی سی ہے جس طرح جسم کے ایک جوڑ کی تکلیف سے دوسرے تمام جوڑ درد میں مبتلا اور بے چین ہو جاتے ہیں اسی طرح مسلمانانِ عالم کو ایک دوسرے کے غم میں شریک ہونا چاہیئے۔

(۳) باہمی اخوّت اور خلوص کا جذبہ ہی تنظیم کی بنیاد اور جان ہے۔

(۴) اس قدر قلیل مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت اور مذاق کا صحیح صحیح اندازہ کر کے ہم مذاق اور ہم خیال لوگوں کو آپس میں بھائی بھائی بنانا، شانِ نبوّت کی خصوصیات میں سے ہے۔

مدینہ کی حالت اور یہود سے معاہدہ

مدینہ کی حالت | مکّہ میں صرف ایک قوم قریش کا غلبہ تھا۔ مگر مدینہ میں آ کر آپ کو یہود، نصاریٰ اور منافقین تین مخالف جماعتوں سے واسطہ پڑا۔

انصار کے دونوں قبیلے اوس و خزرج شروع میں بُت پرست تھے اور ایک دوسرے کے جانی دشمن[1] تھے۔ جب اسلام لائے تو ان کی ایک سو بیس[۱۲۰] برس کی خانہ جنگی اور عداوت کا خاتمہ ہوا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کی دشمنی دوستی سے بدل گئی۔ اور آپس میں بھائیوں کی طرح رہنے سہنے لگے۔

---

[1] ان کے درمیان ہمیشہ لڑائی رہتی تھی، اور یہ لڑائی ایک سو بیس سال تک قائم رہی جسے جنگِ بعاث کہتے ہیں۔

یہود تجارت پیشہ، سُود خوار اور بڑے مال دار تھے[1] - مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں ان کا بڑا زور تھا - اوس و خزرج بھی ان کے زیر اثر مقروض تھے - یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے اور آپ کو خوب جانتے اور پہچانتے تھے کہ آپ وہی نبی ہیں، جن کا ذکر پہلی کتابوں میں ہے - مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے یہودیوں کی برتری کا خاتمہ ہوگیا، اس لئے وہ اسلام کو رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور اکثر یہود بغض و عناد کی وجہ سے دولتِ ایمان سے محروم رہے، اور آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے۔

مدینہ میں کچھ نصاریٰ بھی آباد تھے - جب آپ نے ان کے خود ساختہ عقائد[2] کی مخالفت اور ردّ کی تو وہ بھی ضد اور حسد کی وجہ سے مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔

تیسرا گروہ منافقین کا تھا جنہوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اندرونی طور پر کفّار کے ساتھ ساز باز رکھتے تھے، اور مسلمانوں کی ہر حالت سے ان کو آگاہ کرتے رہتے تھے - یہ لوگ مارِ آستین ہونے کی وجہ سے دونوں سے زیادہ خطرناک تھے۔

غرضیکہ مدینہ کے یہود، نصاریٰ اور منافقین بھروسے کے آدمی نہیں تھے اور اُدھر مشرکینِ مکّہ کی مخالفت کا خطرہ بھی بدستور تھا - اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے اس جگہ بھی بہت سی مشکلات کا سامنا تھا۔

معاہدہ کی غرض وغایت یہود کو چونکہ مذہبی، سیاسی اور معاشی ہر لحاظ سے برتری اور اقتدار حاصل تھا - ان کے تعاون کے بغیر قیامِ امن کا کوئی منصوبہ پورا

---

[1] یہود کے دو قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر مدینہ میں آباد تھے اور ایک دوسرے کے مخالف تھے - اوس، بنی قریظہ کے اور خزرج بنی نضیر کے دوست تھے اور لڑائی کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے -[2] عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننا - تین خدا ماننا، اُمّت کے گناہوں کے بدلے عیسیٰ علیہ السلام کا سولی پانا - دنیا ترک کرنا - (ابنیت - تثلیث - کفارہ - رہبانیت)

نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی فضا کو خوشگوار بنانے، نظم و نسق قائم رکھنے اور مسلمانوں کو اندرونی اور بیرونی فتنوں یا حملوں سے بچانے کے لئے یہود اور مدینہ کے باشندوں کے درمیان ایک معاہدہ کیا جس کی بعض ضروری اور اہم شرائط یہ تھیں۔

شرائط معاہدہ (۱) ہر شخص کی جان و مال محفوظ ہوگی۔

(۲) فریقین کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ خوں بہا کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے، اب بھی قائم رہے گا۔

(۳) اگر کوئی دشمن، باہر سے حملہ آور ہو تو یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔

(۴) کوئی یہودی مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کو یا قریش کے کسی مددگار کو پناہ نہیں دے گا اور نہ ہی ان کی مدد کرے گا۔

(۵) جو یہود مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں گے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔ ان پر نہ کسی قسم کا ظلم ہوگا اور نہ ان کے مقابلہ میں انکے دشمن کی کوئی مدد کی جائے گی۔

(۶) مدینہ کے اندر کشت و خون اور فتنہ و فساد حرام سمجھا جائے گا اور مظلوم کی امداد سب پر فرض ہوگی۔

(۷) مسلمان اگر کسی سے صلح کریں تو یہودی بھی اس صلح میں شریک ہوں گے۔

(۸) ہر قسم کے جھگڑوں کا آخری فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے یعنی عدالتی، تشریعی، فوجی، ہر قسم کے اختیارات آپ کے ہاتھ میں ہوں گے۔

یہود سے معاہدہ ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ گرد و نواح کے قبیلوں سے بھی اس قسم کے معاہدے کئے جائیں تاکہ آئے دن کی بدامنی اور قبائل کی باہمی خانہ جنگی اور خون ریزی کا انسداد ہو جائے اور قریش مکہ ان لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کر سکیں۔ چنانچہ آپ نے قبیلہ جہینیہ سے جو مدینہ سے تین منزل ہے

غیر جانب دار رہنے کا معاہدہ کیا۔ پھر آپ نے بنو ضمرہ، بنو مدلج اور کوہ بواط کے لوگوں سے معاہدہ کیا۔ ابھی آپ کی یہ کوششیں شروع ہی تھیں کہ مدینہ کے اندر خفیہ طور پر، اور باہر اعلانیہ طور پر دشمنوں نے سازشیں اور حملے شروع کر دیئے۔

اشارات

(۱) اندرونی اتحاد اور نظم و نسق کے بغیر بیرونی حملوں کا دفاع مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

(۲) اتحاد و اتفاق کا ثمرہ جرأت و قوت اور عزت و سربلندی ہے لیکن پستی و بزدلی اور مایوسی، نا اتفاقی اور بد نظمی کی پیداوار ہے۔

(۳) دشمن سے مقابلہ کرنے اور امنِ عامہ کے لئے اپنے مسلک اور عقائد پر قائم رہتے ہوئے دوسری جماعتوں سے تعاون اور معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

(۴) اسلام سلامتی اور امن کا پیغام ہے۔ ہر شخص کی جان و مال کی حفاظت اور مذہبی آزادی کا داعی اور ذمہ دار ہے۔

(۵) یہود، اوس، خزرج اور دوسرے متصلہ قبائل کو مذہبی، تمدنی اور معاشی اختلاف کے باوجود ایک نظم میں پرو دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت کا درخشاں ثبوت ہے۔

قریش کی ریشہ دوانیاں

کمزور مسلمانوں سے سلوک اور اہلِ مدینہ کو دھمکی جب مسلمان مکہ سے چلے آئے، تو قریش نے مسلمانوں کی جائداد، گھر بار وغیرہ ہر چیز پر قبضہ کر لیا، اور جو بے کس اور کمزور مسلمان عورتیں اور بچے ہجرت نہیں کر سکتے تھے ان کو اپنی حراست میں لے لیا۔ تاکہ وہ ان کے پنجہ ظلم سے نکل کر مدینہ نہ جانے پائیں، اور ان کو خانہ کعبہ میں جانے اور حج کرنے

---

[۱] سیرت النبی ج ۱ صفحہ ۳۱

سے بھی روک دیا۔ اور اُدھر مدینہ کے یہودیوں سے ساز باز شروع کر دی اور عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کو خط لکھ کر دھمکی دی کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے ان کو اپنے ہاں سے نکال دو، ورنہ یاد رکھو ہم تمہارے شہر پر حملہ کر کے اس کا مزہ چکھائیں گے۔ تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں پر قبضہ کر لیں گے۔

حضورؐ کا تدبّر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ عبداللہ کے پاس تشریف لے گئے اور اسے سمجھایا کہ قریش تم سے ایسی چال چلے ہیں جس سے تم اہلِ مدینہ آپس میں ہی کٹ مرو۔ کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟ چونکہ انصار اکثر مسلمان ہو چکے تھے، یہ بات عبداللہ کی بھی سمجھ میں آگئی، اور تمام منافق جو عَلَمِ بغاوت بلند کرنے والے تھے منتشر ہو گئے۔

ابوجہل کی حضرت سعدؓ سے سخت کلامی چند روز بعد حضرت سعد بن معاذؓ جو قبیلۂ اوس کے رئیسِ اعظم تھے، عمرہ کرنے مکہ آئے اور امیہ بن خلف کے ہاں مہمان ہوئے۔ ایک دن امیہ کو ساتھ لے کر کعبہ کے طواف کو جا رہے تھے کہ ابوجہل سامنے آگیا۔ اس نے امیہ سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ امیہ نے کہا۔ سعد بن معاذ ہیں۔ ابوجہل نے کہا کہ تم ایک صابی[1] کو اپنے ہاں پناہ دے کر کعبہ میں لے آئے، میں اس کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر حضرت سعدؓ سے کہا۔ اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے کسی طرح بچ کر نہ جا سکتے۔ حضرت سعدؓ نے ابوجہل کو منہ توڑ جواب دیا کہ اگر تم نے ہمیں حج سے روکا تو ہم تمہاری شام کی تجارت کا راستہ بند کر دیں گے۔ امیہ نے حضرت سعدؓ سے کہا کہ یہ یہاں کے سردار ہیں ان سے سخت کلامی نہ کرو۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ ابوجہل ہی امیہ کے قتل کا باعث ہو گا۔ یہ بات امیہ کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی اسی بنا پر اس نے بدر کی لڑائی میں جانے سے گریز کرنے کی کوشش کی۔

---

[1] جو شخص ایمان لے آتا۔ کفار اس کو صابی یعنی بے دین کہتے تھے۔

نوٹ : ابوجہل کی اس دھمکی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ عالی اس طرف منعطف ہوئی اور تجارتی قافلوں کا تعاقب کیا جانے لگا تاکہ اس کے ذریعہ قریش پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ مسلمانوں کے راستہ میں حائل نہ ہوں اور حسبِ دستور مکہ میں حج اور عمرہ کے لئے داخلہ بے خطر ہو۔

بیرونی حملے کا خطرہ قریش مدینہ پر حملہ کرکے اسلام کو مٹانے کی فکر میں ہر وقت لگے رہتے تھے۔ مکہ سے مدینہ تک جو قبائل پھیلے ہوئے تھے، سب قریش کے زیرِ اثر تھے۔ قریش نے ان سب قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا۔ اب نہ صرف اہلِ مکہ بلکہ تمام قبائلِ عرب جو اسلام کے دشمن تھے، لڑنے کے لئے تیار ہوگئے۔ اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رات کو ہتھیار باندھ کر سویا کرتے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاگ جاگ کر راتیں بسر کرتے تھے۔

حضرت سعدؓ اور حضرت ابو ایوبؓ کی پہرہ داری ایک دن آپؐ نے فرمایا۔ کاش آج رات کوئی نیکوکار یہاں آکر پہرہ دیتا۔ اتنے میں سعد بن وقاصؓ مسلح ہوکر آئے آپ نے فرمایا۔ کیسے آئے۔ عرض کیا۔ میں نے حضورؐ کے حق میں خطرہ محسوس کیا۔ اس لئے نگہبانی کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے حضرت سعدؓ کے حق میں دعائے خیر فرمائی، کہ خدا تعالیٰ تمہاری اس طرح حفاظت فرمائے جس طرح تم نے اس کے نبی کی نگہبانی کی۔

اب کفّار کا فتنہ حد سے بڑھ چکا تھا اور قانونِ خداوندی کے مطابق انکی ہلاکت اور بربادی کا وقت آ پہنچا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں تلوار اُٹھانے کی اجازت مل گئی اور غزوات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

اسباق و اشارات

(۱) دشمن سے مل جانے والی جماعت کو توڑنا اور دشمن کی حمایت سے باز رکھنا

اعلیٰ درجہ کی سیاسی تدبیر ہے۔

(۲) اپنی حفاظت کا انتظام کرنا مسنون ہے۔ خصوصاً خطرہ کے وقت حفاظتی تدابیر کو کام میں لانا نہایت ضروری ہے۔

جہاد

محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے دین کے دشمنوں سے لڑنا جہاد ہے۔ کسی لالچ یا ناموری کے لئے لڑنا یا قوم اور وطن کی خاطر مدافعت کرنا جہاد نہیں۔ بت پرستی کے بعد قوم پرستی اور وطن پرستی ایک فتنہ ہے۔ اتحاد کا مدار قومیت اور وطنیت پر نہیں بلکہ مسلک اور نظریہ پر ہے۔ غیر برادری کا آدمی اگر ہم خیال ہے تو دوست ہے۔ اور اپنے کنبہ اور خاندان کا آدمی ہم عقیدہ نہیں تو دشمن ہے اور مخالفت پہ کمربستہ ہے شریعت نے اتحاد اور اخوت کا مدار اسلام پر رکھا ہے۔ پس روئے زمین کے مسلمانوں کو اپنا بھائی اور کُل کافروں کو اپنا ایک دشمن سمجھو۔ قوم اور وطن پرستی کی لعنت اسلام کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے انگریز کی مسلّط کی ہوئی ہے۔

جہاد عبادت ہے رسولُ اللہ کا نائب ہوتا ہے۔ اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور اس کی مخالفت اللہ کی مخالفت اور اس کے دین سے بغاوت ہے جو ناقابلِ معافی جرم ہے۔ دنیا کی حکومتیں بھی جرم بغاوت کو ناقابلِ معافی سمجھتی ہیں۔ جب حکومت کے باغی کو موت کے گھاٹ اُتار دینا عین مصلحت اور ثواب ہے تو پھر شہنشاہِ دو عالم، (جو خالق اور مالک بھی ہے) کے باغی کی سرکوبی کو کیوں ظلم قرار دیا جاتا ہے بلکہ یہ تو عین اطاعت، وفاداری اور عبادت ہے۔

جب سلاطینِ عالم کا اپنے مخالفین پر فوج کشی کرکے ان کو قتل کرنا، قید کرنا، ان کے مال واسباب اور جائداد کو ضبط کرنا، پھر اس مال و دولت کو خیر خواہانِ سلطنت پر

بطور انعام تقسیم کرنا عین شانِ حکومت اور تقاضائے سلطنت ہے تو احکم الحاکمین سے بغاوت کرنے والوں سے جہاد و قتال کرنے اور ان کو گرفتار کرنے اور ان کے مال و متاع ضبط کرنے پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے ؟

جہاد کی اجازت مکی زندگی میں مسلمان کافروں کی زیادتیوں اور ایذا رسانیوں کا مقابلہ صبر و تحمل سے کرتے رہے لیکن جب مشرکین کا ظلم و ستم اور مسلمانوں کی بے کسی حد سے گذر گئی حتیٰ کہ مال و دولت، عزیز و اقارب کو چھوڑ کر خدا کی خوشنودی کے لئے گھروں سے نکل پڑے اور مخلوق سے کٹ کر خالق سے جُڑ گئے۔ اشیاء اور اسباب سے ہٹ کر خالقِ اسباب پر یقین جما لیا تو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے کفار کے فتنہ کو کچلنے اور دفع کرنے کے لئے جہاد کی اجازت[1] عطا فرمائی اور فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا۔

جہاد کے آداب (۱) جہاد کے لئے گھر سے اللہ کا نام لے کر نکلو۔ اِتراتے اور اکڑتے ہوئے نہ نکلو۔

(۲) جہاد میں ثابت قدم رہو۔

(۳) کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔ تاکہ اس کے نام کی برکت سے کامیابی ہو۔

(۴) آپس میں متحد رہو۔ جھگڑا اور اختلاف نہ کرو۔ ورنہ بزدل اور کمزور ہو جاؤ گے اور تمہارا رعب اور وقار[2] جاتا رہے گا۔

(۵) اپنی کثرت اور سازو سامان پر کبھی مغرور نہ ہو۔ قلت سے کبھی نہ گھبراؤ۔

---

[1] ابتدائے اسلام میں آپ کو کفار سے قتال کی اجازت نہیں تھی۔ جواز قتال کا حکم صفر ۲ھ میں اس آیت کے ذریعہ ہوا۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ (الحج) اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دی جاتی ہے جن سے کافر لڑتے ہیں۔ یہ اجازت اس لئے دی گئی کہ یہ لوگ بڑے مظلوم ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔ [2] آج اسی وجہ سے مسلمان دنیا بھر میں کمزور اور ذلیل ہیں۔

(۶) امیر کی ہر حالت میں اطاعت کرو۔

(۷) فتح وظفر پر اللہ کی حمد وثنا اور شکر ادا کرو۔

جہاد کا مقصد (۱) جہاد کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا دین غالب ہو کر رہے مسلمان عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور امن وعافیت کے ساتھ خدا کی عبادت کرسکیں ۔ کافروں سے کوئی خطرہ نہ رہے اور ان کی شوکت وحشمت جو اسلام کے لئے خطرہ کا باعث ہو ،مٹ جائے۔ اور خود غرض افراد اور پارٹیاں دنیا کے امن کو خراب نہ کرسکیں پس ایسی جنگ جس کا مقصد عدل وانصاف قائم کرنا ،رشوت ،چوری ،زنا ، بدکاری ، بداخلاقی ، بے حیائی غرضیکہ تمام برائیوں اور خود غرضیوں کا قلع قمع کرنا ہو وہ اعلیٰ ترین عبادت اور خلقِ خدا پر انتہائی شفقت اور رحمت ہے ۔

(۲) اس سے کھرے اور کھوٹے کا امتحان ہو جاتا ہے ۔ جان نثار مخلص اور باغی و منافق الگ الگ پہچانے جاتے ہیں۔

(۳) بقاءِ باہم ،امن وانصاف ، مذہبی آزادی اور آزادیٔ رائے وغیرہ انسانیت کے بنیادی حقوق ہیں۔ مگر یہ کسی قوم کو اس وقت حاصل ہوتے اور باقی رہتے ہیں . جب اس کی قوتِ دفاع مضبوط ہو۔ مقصدِ جہاد یہ ہے کہ اگر بنیادی حقوق سلب ہونے لگیں تو قوت کے ذریعہ ان کو بحال رکھا جائے ۔ اور اگر سلب ہو چکے ہوں تو قوت کے ذریعہ ان کو زندہ کیا جائے ۔

جہاد کی حقیقت جہاد کی مثال اس ڈاکٹر کی سی ہے جو جسم کے گلے سڑے عضو کو جس سے دوسرے اعضاء کے خراب اور بے کار ہو جانے کا اندیشہ ہو، اپریشن کرکے کاٹ دیتا ہے جب شرک کے زہریلے جراثیم نے دنیا کو کفر وشرک کی بیماری میں مبتلا کر دیا تو رحمتِ خداوندی نے ان کے لئے ایک مشفق طبیب (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھیجا۔ جس نے تیرہ[۵۳] سال تک متواتر اس کے ہر عضو اور ہر رگ وریشہ کی اصلاح کی فکر کی۔ جس سے قابلِ اصلاح

اعضاء تندرست ہوگئے۔ مگر بعض جو بالکل سڑ چکے تھے اور ان کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ بلکہ خطرہ ہو گیا کہ ان کا زہر تمام بدن میں سرایت کر جائے گا تو حکیمانہ اصول کے مطابق عین رحمت اور شفقت تھی کہ اپریشن کرکے ان اعضاء کو کاٹ دیا جائے۔ یہی جہاد کی حقیقت اور غرض و غایت ہے۔

جہاد کی قسمیں جہاد کی مختلف قسمیں ہیں۔ ایک دفاعی جہاد ہے۔ یعنی کفّار اگر ابتداءً حملہ آور ہوں تو مدافعت کے لئے ان کا مقابلہ کرنا۔

جہاد کی دوسری قسم اقدامی جہاد ہے۔ جب کفر کی قوّت اور شوکت سے اسلام کی آزادی خطرہ میں ہو تو ایسی حالت میں جارحانہ اقدام کرنا اقدامی جہاد ہے۔

خطرہ کو پیش آنے سے پہلے ختم کر دینا عقل و فراست اور تدبیر و سیاست کا تقاضہ ہے۔ اس انتظار میں رہنا کہ جب خطرہ سر پر آجائے تو اس وقت مدافعت کریں گے۔ یہ پرلے درجے کی حماقت ہے۔ شیر اور چیتے کو حملہ کرنے سے پہلے قتل کر دینا اور کاٹنے سے پہلے سانپ بچھو کا سر کچل دینا ظلم نہیں۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کا تدبّر اور انجام بینی ہے۔ اسی طرح سر اٹھانے سے پہلے کفر و شرک کی سرکوبی کر دینا اعلیٰ درجہ کا تدبّر ہے۔ چور اور درندوں کو شہر کا رُخ کرنے سے پہلے ہی ختم کر دینا عقل و تدبیر کا کام ہے اور ان کے قتل میں اقدام اور پیش قدمی لازمی ہے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوهُمْ۔ (توبہ۔ پ۱)	ان مشرکوں کو جہاں پاؤ، وہاں قتل کرو۔
مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا (احزاب)	(اور ان کی حالت یہ ہوگی کہ) ہر طرف سے پھٹکارے ہوئے جہاں ملے جائیں گے گرفتار کئے جائیں گے اور شدّت کے ساتھ قتل کئے جائیں گے۔

ان آیات میں اسی قسم کے کافر مراد ہیں۔ درندوں کے قتل میں دفاع کا تصوّر کرنا

اور یہ سوچنا کہ جب یہ درندے ہم پر حملہ آور ہوں گے اس وقت ان کی مدافعت کریں گے کھلی ہوئی حماقت اور نادانی ہے۔

قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ — اے مسلمانو! تم کافروں سے یہاں تک جہاد و قتال کرو کہ کفر کا فتنہ باقی نہ رہے۔

اس آیت میں بھی اسی قسم کا جہاد مراد ہے۔

پس جارحانہ جہاد کا مطلب ہی یہ ہے کہ کفر کا فتنہ[1] اور اس کی قوت و شوکت باقی نہ رہے اور اللہ کے دین کو پورا غلبہ ہو، تاکہ کفر اس کے مقابلہ میں سر نہ اٹھا سکے۔ جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو جائے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کرتے رہیں۔

اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اپنی صداقت اور خوبیوں سے پھیلا ہے

جہاد کا مقصد کافروں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں، بلکہ جہاد فتنہ کو دور کرنے اور اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے ہے۔ جہاد کا حکم کفار محاربین کیلئے ہے، کافر ذمی اور معاہد[2] کیلئے نہیں۔

(۱) پہلے پہل جب آپ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو اس وقت آپ کے پاس کوئی حکومت اور سلطنت نہیں تھی بلکہ کفار کی سختیوں اور ایذاؤں سے مسلمانوں کو جان بچانا مشکل ہو رہا تھا۔ تو ایسے وقت میں جبکہ اسلام قبول کرنا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا تھا، ہزاروں انسانوں کا اسلام قبول کرنا، پھر مصیبتیں اور تکلیفیں سہہ کر اس پر ثابت قدم رہنا ایسے حقائق ہیں جن کو دیکھ کر ہر انسان یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا، کہ

---

[1] فتنہ سے مراد کفر کی قوت اور شوکت کا فتنہ ہے۔ [2] جو کافر اسلام کے مقابلہ میں آئیں یا اشاعت اسلام میں رکاوٹ ہوں، وہ محارب ہیں۔ اور جو کافر جزیہ ادا کرے یا مسلمانوں کی پناہ میں آ جائے، یا پُرامن معاہدہ کرے وہ ذمی اور معاہد ہے۔ اس کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہے۔

اسلام کسی جبر و اکراہ سے نہیں بلکہ اپنی صداقت اور خوبیوں سے پھیلا ہے۔

(۲) اسلامی قانون کی رُو سے لڑائی میں کسی کافر عورت، بچّے، بوڑھے، اپاہج اور اندھے کا قتل جائز نہیں کیونکہ ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ اگر جبر کی اجازت ہوتی، تو ان کو کفر پر کیسے چھوڑا جا سکتا تھا۔

(۳) ممالکِ اسلامیہ میں غیر مسلموں کو وہی حقوق حاصل تھے جو خود مسلمانوں کو تھے اور ان کی جان و مال اور عزّت و آبرو کی حفاظت مسلمانوں پر فرض تھی۔ اگر کفر کی سزا تلوار ہوتی تو نہ اس قانون کی ضرورت ہوتی نہ ہی مسلمان ممالک میں کوئی کافر نظر آتا۔

(۴) اگر کافر جزیہ دینا قبول کریں یا مسلمانوں سے پُر امن معاہدہ کر لیں، یا مسلمانوں کی پناہ میں آجائیں تو ایسے کفّار سے جہاد کا حکم اُٹھ جاتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جہاد کا مقصد کافروں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں بلکہ کفر کی قوت و شوکت پر دینِ حق کو غالب کرنا ہے۔

(۵) اسلامی حکومتیں مُلک کی حفاظت اور نظم و نسق چلانے کے لئے مسلمانوں سے فوجی خدمت لیتیں اور عُشر[1] وصول کرتی تھیں مگر غیر مسلموں سے ان کی جان و مال اور عزّت و آبرو کی حفاظت کے بدلے میں بجائے فوجی خدمت اور عشر کے صرف جزیہ وصول کرتی تھیں۔ جس کی مقدار عشر کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر تھی۔ اور جو لوگ فوجی خدمت کی طاقت نہیں رکھتے تھے انہیں جزیہ معاف تھا۔ پس تلوار کی غرض اعزازِ دین اور رفع فساد ہے۔ یعنی تلوار کفر کی سزا نہیں بلکہ کفر کے فتنہ اور خطرہ کو دُور کرنے کے لئے ہے۔ اور جزیہ فوجی خدمت کا بدل اور کفّار کی جان و مال اور عزّت و آبرو کی حفاظت کا صلہ ہے۔

---

[1] عُشر۔ زمین کی پیداوار کا دسواں حصّہ۔ اگر پانی وغیرہ دیا گیا ہو تو بیسواں حصّہ مسلمانوں سے لیا جاتا تھا۔ مگر ذمی کافر کو معاف تھا۔

(۶) شریعتِ اسلامیہ میں کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کی سخت ممانعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ یعنی دین (قبول کرنے) میں کسی پر جبر نہیں۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ کیا آپ لوگوں پر جبر کرتے کہ وہ ایمان لے آئیں؟

چنانچہ نجران کے عیسائیوں نے مصالحت کرکے جذیہ دینا قبول کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدنامہ لکھ کر دے دیا جس میں یہ شرط تھی کہ نجران کے نصاریٰ کو کسی طرح تبدیلِ مذہب پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ان سے عشر لیا جائے گا۔ یہ ہے شریعت کا اصل حکم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل۔ اس کے بعد کسی مسلمان کو گنجائش نہیں رہتی کہ وہ کسی کافر کو اسلام لانے پر مجبور کرے۔

نوٹ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ تم میں مضبوطی سے جم جانے والے صابرین بیس ہوں گے تو دو سو پر، اور سو ہوں گے تو ایک ہزار غالب آئیں گے۔ اس کے بعد اس میں تخفیف کی گئی کہ اگر صبر و استقامت والے مسلمان سو ہوں گے تو دو سو پر، اور ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر غالب ہوں گے (سورۂ انفال) اس آیت شریفہ میں دس گنے یا دگنے کا لفظ نہیں بولا گیا۔ بلکہ تعداد بیان کی گئی ہے اس طرزِ بیان سے ایک لطیف اشارہ ہے کہ فرضیتِ جہاد کے لئے جماعت ہونی ضروری ہے یہ نہیں کہ ایک آدمی دو دو آدمی ہی ہوں تو لامحالہ ان کو جہاد کے نام پر قربان کر دیا جائے۔ عاد، ثمود جیسی اقوام میں دعوتِ حق قبول کرنے والوں کی تعداد افراد سے بڑھ کر جماعت تک نہیں پہنچ سکی تھی اس لئے ان پر جہاد فرض نہیں ہوا۔ (عہدِ زریں ص۳۴۴)

نتیجہ: اسلام نے محض اپنی صداقت اور خوبیوں کی بدولت لوگوں کے دلوں کو مسخّر

کرلیا، اور اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ اس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں مل سکتی۔ کوئی مخالف سے مخالف بھی کسی صحیح واقعہ سے یہ ثابت نہیں کر سکتا، کہ لوگوں کو اسلام لانے پر کبھی مجبور کیا گیا ہو، یا طمع دلانے کے لئے ایسے سامان کئے گئے ہوں کہ لوگ اپنے مذہب کو چھوڑ کر دین اسلام قبول کریں۔ غرضیکہ اسلام اپنی اشاعت میں ہرگز تلوار کا محتاج نہیں ہے

باآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
"قدرتی حسن کو ظاہری ٹیپ ٹاپ کی ضرورت نہیں"

غزوات کا سلسلہ

غزوہ اور سریہ مکی زندگی میں آپ کافروں کی تمام زیادتیوں اور ایذا رسانیوں کا مقابلہ صبر و تحمل سے کرتے رہے۔ جب کفار کی مخالفت حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالٰے نے اپنے بندوں کو ان کے مقابلہ میں تلوار اُٹھانے کی اجازت[1] عطا فرمائی۔ اس کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس جہاد میں آپ بنفسِ نفیس تشریف لے گئے، اس کو مؤرخین غزوہ کہتے ہیں اور جس میں آپ نے شمولیت نہیں فرمائی، اس کو سریہ کہتے ہیں۔

تعداد غزوات کی مجموعی تعداد تیئیس ۲۳ ہے۔ جن میں سے صرف نو ۹ میں لڑائی کی نوبت آئی اور بقیہ میں مقابلہ نہیں ہوا۔ سریوں کی کل تعداد چوالیس ۴۴ ہے۔ یہ عجب ہے کہ حق و باطل کے ان تمام معرکوں میں باوجود مسلمانوں کی قلت اور بے سروسامانی کے حق غالب رہا

---

[1] ابتدائے اسلام میں کفار سے قتال کی اجازت نہیں تھی۔ جوازِ قتال کا حکم صفر ۲ھ میں اس آیت کے ذریعہ نازل ہوا۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (سورۃ الحج۔ آیۃ ۳۹) "ایسے لوگوں کو جہاد و قتال کی اجازت دی گئی کہ جن سے کافر لڑتے ہیں۔ یہ اجازت اسلئے دی گئی کہ یہ لوگ بڑے مظلوم ہیں اور بیشک اللہ تعالٰی انکی مدد پر قادر ہے۔"

اور باطل سرنگوں ہوا۔ ہر چھوٹی اور بڑی لڑائی میں مسلمان ہی فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے اور کافروں نے شکست کھائی۔ صرف جنگِ اُحد میں تھوڑی دیر کے لئے شکست ہوئی۔ جو ایک اُصولی غلطی کا نتیجہ تھا مگر بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کفّار میدان چھوڑ گئے۔

نوٹ: بعض نے غزوات کی تعداد ستائیس (۲۷) بتائی ہے اور سریوں کی تعداد کی روایتیں چوالیس سے زیادہ کی بھی ہیں۔

اسباق و اشارات

(۱) فتح و شکست کا مدار قلّت و کثرت اور سامان پر نہیں بلکہ عنایتِ خداوندی اور اس کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ (بقرہ پ۲)

بہت (دفعہ ایسا) ہوا ہے کہ تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئی ہے اللہ کے حکم سے۔

(۲) جو جماعت اللہ کے راستہ میں لڑتی ہے وہ کبھی ناکامیاب نہیں ہوتی کیونکہ اس جماعت سے اللہ تعالیٰ کا نصرت کا وعدہ ہے۔

إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ (سورہ محمد)

اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کریگا۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ (سورہ حج۔ رکوع ۱۲)

اور اللہ اس کی ضرور مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے۔

(۳) حق، باطل کے مقابل کامیاب ہوتا ہے۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ○ (بنی اسرائیل آیۃ ۸۱)

اور آپ کہہ دیجئے کہ حق یعنی اسلام آ پہنچا اور باطل یعنی شرک گیا گذرا ہوا اور واقعی باطل تو زائل ہوجانے والی چیز ہے۔

(۴) دولت و لشکر اور سامانِ جنگ سے فتح و نصرت حاصل نہیں ہوتی بلکہ کامیابی کا راز تدبیر و اسباب کے علاوہ ایمانِ کامل، ثابت قدمی، صبر و استقلال، قوت و

طمانیتِ قلب، یادِ الٰہی، خدا اور رسول اور اس کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور باہمی اتفاق و اتحاد پر موقوف ہے۔

قریش کے تجارتی قافلوں کا تعاقب

قریشِ مکّہ اسلام کے مٹانے پر تُلے ہوئے تھے اور اہلِ مدینہ کو حملہ کی دھمکی بھی دے چکے تھے اور انصارِ مدینہ پر حرمِ کعبہ کے دروازے بند کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ قبائلِ عرب بھی ان کے زیرِ اثر تھے، اس لئے اہلِ مدینہ کی حفاظت اور آنے والے خطرہ کا انسداد ضروری تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی قوّت کمزور کرنے کے لئے ان کے تجارتی قافلوں کا تعاقب شروع کیا۔ دنیا کی مہذّب اور متمدّن قوموں میں کسی مطالبہ کے تسلیم کرانے کا پُرامن اور معتدل ذریعہ اقتصادی ناکہ بندی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے مجاہدین کی جماعتیں بھیجنی شروع کیں اور گرد و نواح کے قبائل کو اپنے ساتھ جوڑنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

ف: تجارتی قافلوں کے تعاقب کا منشا صرف یہ تھا کہ قریش متأثر ہوں اور ان کی طرف سے آنے والے خطرہ کا انسداد ہو، اور حسبِ دستورِ سابق بے خطر بیت اللہ کا داخلہ ہو۔

چنانچہ قتال کی اجازت ہو جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضؓ حضرت عبیدہ رضؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ کی سرکردگی میں یکے بعد دیگرے مہاجرین کے تین دستے مختلف مقامات کی طرف روانہ فرمائے۔

سریہ حمزہ (رضی اللہ عنہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ہجرت کے سات ماہ بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجرین پر امیر لشکر بنا کر ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا۔ اور ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کیا، تاکہ قریش کا جو قافلہ ابو جہل کی سرگردگی میں شام سے

آرہا ہے اس کا تعاقب کریں۔ وہاں پہنچ کر جب فریقین آمنے سامنے ہوئے تو مجدی بن عمرو جہنی نے درمیان ہو کر بیچ بچاؤ کر دیا۔ حضرت حمزہؓ مدینہ واپس آگئے، اور ابو جہل قافلہ لے کر مکّہ چلا گیا۔

سریّہ عبیدہ بن حارث (رضی اللہ عنہ) اسی سال ماہ ربیع الاوّل ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ یا اسّی مہاجر سواروں کا ایک دستہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں رابغ کی طرف قریش کی ایک جماعت کے تعاقب کے لئے روانہ فرمایا۔ دونوں لشکر بالمقابل ہوئے تو تیر اندازی شروع ہو گئی۔ پہلا تیر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے پھینکا جو خدا کیلئے پھینکا جانے والا پہلا تیر تھا۔ حضرت سعد کے پاس آٹھ تیر تھے۔ انہوں نے آٹھوں چلائے۔ ان میں کوئی خطا نہ گیا۔ کفار یہ خیال کر کے کہ مسلمانوں کی پشت پر امدادی فوج موجود ہے، راہِ فرار اختیار کر گئے۔ تلوار کی لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

حضرت مقداد بن اسودؓ اور عتبہ بن غزوانؓ جو کفّار کے دباؤ کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے تھے لشکرِ کفّار کے ساتھ اس غرض سے ہوئے تھے، کہ موقعہ ملا تو مسلمانوں سے جا ملیں گے چنانچہ یہ دونوں حضرات کفّار کے گروہ سے نکل کر مسلمانوں کی جماعت میں آملے۔

سریّہ سعد بن وقاص (رضی اللہ عنہ) تیسرا سریّہ بیس مہاجرین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت پا پیادہ خرار کی طرف روانہ فرمایا۔ مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ان کے جانے سے پہلے قریش کا قافلہ نکل چکا تھا۔ اس لئے یہ لوگ مدینہ واپس چلے آئے۔

نوٹ: بعض کے نزدیک یہ تینوں سریّے ۱ھ میں واقع ہوئے اور محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ یہ تینوں سریّے ۲ھ میں روانہ کئے گئے۔

تحویلِ قبلہ اور آغازِ غزوات

قبلہ اللہ کی ذات کسی مکان اور جہت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اس لئے قبلہ کی طرف منہ کرنا اصل عبادت ہرگز نہیں بلکہ طریقۂ عبادت ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا معاملہ جُدا جُدا ہے۔ ہر قوم و ملت کے لئے اس کے مناسب ایک ایک قبلہ ہے جس کی طرف بوقت عبادت منہ کرنے کا حکم ہے۔

تحویلِ قبلہ کی حکمت (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملتِ ابراہیمی کی موافقت کے مامور تھے۔ تو آپ کے مناسب یہی تھا کہ آپ کا اصلی قبلہ خانہ کعبہ ہو۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا اور تمام قبلوں سے افضل اور بہتر ہے۔ مگر آپ کی ذات تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات اور اوصاف کا مجموعہ اور آپ کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے۔ اس لئے آپ کی اس جامعیت اور کمال کا ظہور لازمی امر تھا۔ چنانچہ شبِ معراج میں انبیاء علیہم السلام کی امامت اور اس کے بعد چند عرصہ کے لئے بیت المقدس کو قبلہ بنانے سے آپ کا اظہارِ شرف و فضل مقصود تھا۔

(۲) مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے۔ معراج[۱] کے بعد بحکمِ الٰہی بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے اور بیت اللہ کے سامنے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ مگر مدینہ میں یہ صورت نہ ہو سکی کہ دونوں قبلوں کو جمع فرما سکیں کیونکہ کعبہ اور بیت المقدس مدینہ سے دو مختلف سمتوں میں واقع ہیں۔ اس لئے سولہ یا سترہ مہینہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ یہودی اعتراض کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دین میں تو ہماری مخالفت کرتے ہیں،

---

[۱] تفسیر مظہری میں ہجرت کے بعد بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم مذکور ہے مگر تفسیر عزیزی اور قرآن مجید مترجم حضرت شیخ الہندؒ میں معراج کے بعد بیت المقدس کا قبلہ مقرر ہونا مذکور ہے۔

مگر اتباع ہمارے ہی قبلہ کا کرتے ہیں۔ اس لئے آپ چاہتے تھے کہ بیت اللہ قبلہ ہو جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے اپنی یہ تمنا ظاہر کی کہ بیت اللہ چونکہ میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے قبلہ بنا دے۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں تو مثل آپ کے بندہ ہوں، اور آپ اللہ تعالےٰ کے نزدیک مجھ سے زیادہ بزرگ اور مقرب ہیں۔ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے آپ نے دُعا فرمائی اور اکثر اللہ تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے رہے الغرض اللہ تعالیٰ نے شعبان سنہ ۲ ہجری کو اپنے رسول کی رضا جوئی کے لئے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم نازل فرمایا۔ تاکہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ کون تابعداری پر قائم رہتا ہے اور کون دین سے پھر جاتا ہے (از تفسیر مظہری و عزیزی)۔

اطاعتِ رسولؐ کا منظر جب تحویلِ قبلہ کا یہ حکم نازل ہوا تو آپ مسجدِ بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ دو رکعت بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے تو جبرائیل علیہ السلام نے آکر اشارہ کیا کہ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھو۔ چنانچہ آپ نے اور آپ کی پیروی میں سب مقتدیوں نے نماز ہی میں کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا۔ اس مسجد کو ذو قبلتین کہتے ہیں۔

ایک صحابی آپ کے ساتھ نماز پڑھ کر گئے۔ بنی حارثہ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اور رکوع میں تھے انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ کر آرہا ہوں۔ وہ سُن کر فوراً بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ قبا میں لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر تبدیلیٔ قبلہ کی اطلاع دی۔ سب کے سب اسی وقت کعبہ کی طرف پھر گئے۔ بنی عبد الاشہل نماز پڑھ رہے تھے کہ کسی نے آکر پکارا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو گیا ہے۔ امام یہ سُن کر کعبہ کی طرف پھر گیا، اور سب مقتدی بھی اُسی طرف پھر گئے۔

سُبحان اللہ! صحابہ کرامؓ کی اطاعت سے

جہاں کر دیا گرم، گرما گئے وُہ　　جہاں کر دیا نرم، نرما گئے وُہ

اصحابِ صفّہ

صفّہ تحویلِ قبلہ کے بعد قبلۂ اوّل کی دیوار کے متصل کی جگہ غرباء، فقراء اور مساکین کے ٹھہرنے کیلئے چھوڑ دی گئی اور اس پر چھپر بنا دیا گیا۔ یہ جگہ صفّہ کے نام سے مشہور تھی۔

لباس اصحابِ صفّہ اسلام کے مہمان تھے۔ نہ ان کا گھر تھا نہ ان کے پاس کچھ مال تھا یہ لوگ صابر اور متوکّل تھے۔ رات دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے اور دین سیکھتے۔ دنیا کے کاروبار سے انکو کوئی سروکار نہ تھا۔ اکثر ننگے اور بھوکے رہتے تھے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ستّر اصحابِ صفّہ کو دیکھا کہ ان کے پاس چادر تک نہ تھی۔ فقط تہ بند تھا جس کو گردن میں باندھ لیتے۔ یا فقط کمبل ہوتا جو کسی کے پنڈلیوں تک اور کسی کے ٹخنوں تک پہنچتا۔ اور اسے ہاتھ سے تھامے رکھتے کہ ستر نہ کُھل جائے۔

خوراک آپ کے پاس جب کہیں سے صدقہ آتا تو اصحابِ صفّہ کے پاس بھیج دیتے۔ خود کچھ نہ لیتے۔ اور جب ہدیہ آتا تو خود بھی اس میں سے تناول فرماتے اور اصحابِ صفّہ کو بھی شریک کرتے۔ جب شام ہوتی تو آپ اصحابِ صفّہ کو لوگوں پر تقسیم فرما دیتے۔ کوئی دو کوئی تین کو لے جاتا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ اسّی اسّی آدمی اپنے ہمراہ لے جاتے۔ اور ان کو کھانا کھلاتے۔ اور جو لوگ بچ جاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ساتھ شریکِ طعام فرماتے۔ انصار اپنے اپنے باغات سے خوشے لا کر اصحابِ صفّہ کے لئے مسجد میں لٹکا دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آتے اور ان الفاظ میں تسلّی فرماتے کہ اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے لئے کیا کچھ تیار ہے تو تم تمنّا کرنے لگو کہ ہمارا یہ فقر و فاقہ اور بڑھ جائے۔

نوٹ : بھوکوں اور پیاسوں کے لئے مسجد میں پانی اور اشیائے خوردنی لاکر رکھنا نہایت پسندیدہ اور مبارک عمل ہے۔

فرضیتِ رمضان اسی سال شعبان کے اخیر عشرہ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ صدقۂ فطر اور نمازِ عید کا حکم نازل ہوا۔ اور یہ آیت اتری :-

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ۔ (سورہ اعلیٰ)

فلاح پائی اس شخص نے جس نے زکوٰۃِ فطر ادا کی اور عید کی نماز پڑھی۔

قربانی اور اسی سال بقرعید کی نماز اور قربانی واجب ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ (سورۂ کوثر)

اللہ کے لئے عید کی نماز پڑھئے، اور قربانی کیجئے۔

درود شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم بھی ۲ھ میں نازل ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شبِ معراج میں یہ حکم ہوا۔

زکوٰۃ مال کی سالانہ زکوٰۃ بھی اسی سال فرض ہوئی۔

غزوات

مسلمانوں کو اب ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت مل چکی تھی لیکن مکّہ کا ادب مانع تھا کہ وہاں ابتداءً چڑھ کر جائیں۔ اسلئے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک یہ دستور رہا مشرکینِ مکّہ کے تجارتی سلسلہ کو جو شام یا یمن وغیرہ سے قائم تھا، شکست دے کر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور کر دی جائے اور اس سے مسلمانوں کی مالی پوزیشن کو مضبوط کیا جائے۔ چنانچہ ابوا، بواط، عشیرہ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات یا سرایا اسی سلسلہ میں واقع ہوئے۔

غزوات و سرایا

(جن کا ذکر کیا گیا ہے)

۱ھ : سریہ حمزہ رضؓ - سریہ عبیدہ رضؓ - سریہ سعد بن ابی وقاص رضؓ -

۲ھ : غزوہ ابواء - غزوہ بواط - غزوہ سفوان - غزوہ عشیرہ - غزوہ بدر - غزوہ بنی سلیم - غزوہ بنی قینقاع - غزوہ سویق - سریہ عبداللہ بن جحش رضؓ -

۳ھ : غزوہ غطفان - غزوہ احد - غزوہ حمراء الاسد - سریہ محمد بن مسلمہ رضؓ - سریہ زید بن حارثہ رضؓ -

۴ھ : غزوہ بنی نضیر - غزوہ بدر ثانی - سریہ ابو سلمہ رضؓ - سریہ عبداللہ بن انیس - سریہ القراء (بیر معونہ) - سریہ عاصم رضؓ (مقام رجیع) -

۵ھ : غزوہ ذات الرقاع - غزوہ دومۃ الجندل - غزوہ بنی المصطلق - غزوہ خندق - غزوہ بنی قریظہ -

۶ھ : غزوہ بنی لحیان - غزوہ غابہ یا بنی قرد - غزوہ حدیبیہ - سریہ محمد بن مسلمہ (ثمامہ) - سریہ عکاشہ - سریہ محمد بن مسلمہ رضؓ - سریہ ابو عبیدہ رضؓ - سریہ زید بن حارثہ رضؓ (بنی سلیم) - سریہ کرز بن جابر رضؓ - سریہ عمرو الضمری رضؓ - سریہ زید بن حارثہ رضؓ (بنی ثعلبہ) - سریہ زید بن حارثہ (ہنیہ جذامی) - سریہ عبداللہ بن رواحہ رضؓ - سریہ عبدالرحمن بن عوف رضؓ (دومۃ الجندل) - سریہ علی (بنی سعد) - سریہ زید بن حارثہ (بنی فزارہ) -

۷ھ : غزوہ خیبر - سریہ اسامہ بن زید رضؓ - سریہ ابو قتادہ رضؓ - سریہ اخرم رضؓ -

۸ھ : فتح مکہ معظمہ - غزوہ حنین - غزوہ طائف - سریہ موتہ - سریہ عمرو بن عاص رضؓ (ذات السلاسل) - سریہ غالب رضؓ (الملوح) - سریہ ابو عبیدہ بن الجراح (سیف البحر) -

۹ھ : اسی سال غزوہ تبوک واقع ہوا - جو اہم غزوات میں سے ہے - سریہ علقمہ رضؓ - سریہ بجانب عمرو بن حارثہ - سریہ بجانب بنی کلاب -

۱۰ھ : سریہ خالد بن ولید رضؓ (نجران) - سریہ علی رضؓ (یمن) -

۱۱ھ : سریہ اسامہ بن زید جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد روانہ ہوا -

غزوۂ ابوا

محلِ وقوع ابوا۔ مدینہ سے مکہّ کی جانب تیئیس میل کے فاصلہ پر جحفہ کے پاس فرع کے مضافات میں ایک بستی ہے۔ اس کو ودّان بھی کہتے ہیں۔

واقعات یہ پہلا غزوہ ہے جس میں آپ نے شرکت فرمائی۔ حضرت سعد بن عبادہؓ کو مدینہ منوّرہ میں اپنا جانشین مقرّر کیا اور ۱۲ رصفر سنہ ۲ ہجری کو ساٹھ مہاجرین کو ساتھ لے کر قریش کے ایک تجارتی قافلہ کے تعاقب کے لئے جو شام سے واپس آ رہا تھا تشریف لے گئے۔ جب آپ ابواء پہنچے تو قریش کا قافلہ نکل چکا تھا اسلئے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

نتیجہ قریش سے مقابلہ نہیں ہوا۔ البتّہ آپ نے چند روزہ قیام فرما کر بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا۔

شرائطِ معاہدہ (۱) بنو ضمرہ کا جان و مال محفوظ رہے گا۔

(۲) جو دشمن ان پر حملہ کرے، اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی۔ بشرطیکہ بنو ضمرہ اللہ کے دین میں کوئی مزاحمت نہ کریں۔

(۳) نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم جب ان کو مدد کے لئے بُلائیں تو وہ حاضر ہوں گے۔

(سیرت المصطفیٰ ج ۲ صفحہ ۴۶)

غزوۂ بواط

محلِ وقوع بواط مدینہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر ینبع کے قریب ایک پہاڑ ہے۔

واقعات اسی سال ربیع الاوّل میں جبکہ ہجرت کو تیرہ [13] مہینے گذر چکے تھے آپ قریش کے ایک تجارتی قافلہ کا تعاقب کرنے کے لئے دو سو [200] مہاجرین کے ہمراہ بواط کی طرف تشریف لے گئے۔ بواط پہنچنے پر معلوم ہوا کہ قافلہ نکل چکا ہے اسلئے بلا قتال واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

غزوۂ سفوان

سفوان، بدر کے قریب ایک موضع ہے اس لئے اسے غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے
قریش کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے موقعہ پا کر مدینہ پر چھاپا مارا، اور اہل مدینہ کے
کچھ اونٹ لُوٹ کر لے گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو مدینہ کا حاکم بنایا
اور خود مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ سفوان تک اس کا تعاقب کیا۔ مگر کرز وہاں
سے جا چکا تھا۔ ہاتھ نہ آیا۔ اس لئے واپس تشریف لے آئے۔

کرز بعد میں ایمان لے آیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا اور فتحِ
مکہ میں شہید ہوا۔

غزوۂ عشیرہ

عُشَیْرہ ینبوع کے قریب بنی مُدلج کی ایک جگہ کا نام ہے۔

قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ جا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو سو (۲۰۰)
مہاجرین کو ہمراہ لے کر ان کے تعاقب کو نکلے۔ آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی قافلہ نکل چکا تھا
آپ بنی مُدلج سے معاہدہ کر کے واپس تشریف لے آئے۔ بنی مُدلج بنو ضمرہ کے حلیف
تھے جو پہلے ہی اسلام کے معاہدہ میں داخل ہو چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے آسانی سے
انہی شرائط پر معاہدہ قبول کر لیا۔

فائدہ: گو ان مہمات میں جن کا ذکر ہو چکا ہے، دشمنانِ دین کو کوئی جانی یا
مالی نقصان نہیں پہنچایا جا سکا۔ مگر اصل مقصد جو جہاد فی سبیل اللہ کی تعمیل تھی، پورا
ہوتا رہا لیکن کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے بندوں کے اختیار سے باہر ہے۔

سریہ عبداللہ بن جحش (رضی اللہ عنہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر سے

قریباً دو مہینے پہلے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں بارہ[۱۲]
مجاہدین کا ایک چھوٹا سا سریّہ مکّہ والوں کے ایک قافلہ پر حملہ کرنے کی غرض سے بھیجا تھا۔
اس قافلہ میں آٹھ مہاجر تھے۔ ان بارہ آدمیوں کے پاس صرف ایک اُونٹ تھا۔ جس پر
باری باری سوار ہوتے تھے۔ چلتے وقت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہدایت نامہ
لفافہ میں بند کرکے حضرت عبداللہ کو دے کر فرمایا کہ دو منزلیں طے کرنے کے بعد اس کو پڑھنا
اور اپنے ساتھیوں کو سُنا دینا، اور کسی کو اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت
عبداللہ نے دوسری منزل پر پہنچ کر وہ ہدایت نامہ پڑھا اور لوگوں کو سُنایا۔ اس
ہدایت نامہ میں مقامِ قیام اور حملہ کا پروگرام بتایا گیا تھا۔ آخر میں کامیابی کی دُعا تھی۔
چنانچہ سب لوگ امیر کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوگئے، کسی نے ساتھ نہیں چھوڑا اور طے شدہ
پروگرام کے مطابق چل دیئے۔ نجران کے قریب اتفاق سے وہ اونٹ گُم ہوگیا۔ یہ سعد
بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کا اونٹ تھا۔ یہ دونوں ان کی تلاش میں پیچھے رہ گئے اور
بقیہ حضرات نے مقامِ نخلہ پہنچ کر قیام کیا۔

اسلام میں پہلی غنیمت مجاہدین نخلہ پہنچ کر قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر
میں قریش کا ایک قافلہ وہاں سے گذرا جو طائف سے سامانِ تجارت لے کر آرہا تھا۔ یہ قافلہ
عمرو بن حضرمی، حکم بن کیسان اور نوفل بن عبداللہ اور عثمان بن عبداللہ پر مشتمل تھا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قافلہ پر حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اسمیں
خبر لانے اور حالات معلوم کرنے کی ہدایت تھی۔ یہ اقدام حضرت عبداللہ بن جحش رضؓ کا ایک
فیصلہ[ؒ] تھا۔ آپ نے خیال کیا کہ اگر ان کو اس وقت گرفتار نہ کیا تو صبح تک یہ لوگ حرم میں

ؒ وہ عمل یا مشورے جو صحابۂ کرامؓ نے موقع بموقع پیش کئے اور وحیِ خداوندی نے ان کی تصدیق
فرمائی۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ کی سیرت میں اس کی مثالیں تقریباً بیس ہیں۔ اسی طرح وحیِ الٰہی نے
اس اقدام کی بھی حمایت اور تائید کی۔

داخل ہو جائیں گے۔ اس لئے مشورہ یہی ہوا کہ ان کو گرفتار کر لیا جائے اور ان کے سامان پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ حملہ کر دیا گیا۔ قافلہ کا سردار عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ حکم بن کیسان اور نوفل بن عبداللہ اور عثمان بن عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا، اور تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا گیا۔

جس دن یہ واقعہ پیش آیا اُس دن رجب کی پہلی تاریخ تھی اور مسلمانوں کا گمان تھا کہ آج جمادی الثانیہ کی تیس تاریخ ہے۔ جب مسلمان واپس مدینہ حاضر ہوئے تو تمام مال اور تینوں قیدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے۔ کفار قریش نے یہ مشہور کیا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے اشہرِ حرام[1] کے احترام کو ترک کر دیا اور اس میں جنگ و خون ریزی کو جائز کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں اور مالِ غنیمت کو وحی کے انتظار میں روک رکھا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ (سورۃ)	لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے کو دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس مہینہ میں جنگ کرنا بڑے گناہ کی بات ہے۔ لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا اور مسجدِ حرام سے روکنا اور مسجدِ حرام سے اس کے اہل یعنی مسلمانوں کو نکال دینا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس لڑائی سے بھی بڑا گناہ ہے۔

اور ایسی فتنہ انگیزی خون ریزی سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔

---

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں ذیقعدہ، ذی الحج، محرم اور رجب میں جنگ حرام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے شروع اسلام تک یہی حکم رہا۔

اس آیت کے نازل ہونے پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں سے — خمس نکالنے کے بعد باقی مال مجاہدین پر تقسیم فرما دیا۔

نوٹ : جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بے شک شہرِ حرم میں قتال نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن مسلمانوں نے دانستہ ایسا نہیں کیا بلکہ جمادی الثانیہ کا مہینہ سمجھ کر کیا۔ چونکہ قصداً اور جان بوجھ کر شہرِ حرام میں لڑائی نہیں کی، اس لئے وہ قابلِ مؤاخذہ نہیں۔ اور تم جو شرارتیں اور فتنہ پردازیاں مسلمانوں کے ساتھ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے رہے، وہ خدا کے نزدیک اس لڑائی سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ اس قسم کا فتنہ اور کفر و شرک کا ایسا کھلا مظاہرہ اور دینِ حق سے روکنا اور خدا کے ساتھ کفر کرنا اور مسجدِ حرام سے ان لوگوں کو جو اس کے صحیح خدمت گذار ہیں جلاوطن کرنا، یہ سب باتیں تو قتل سے بڑھی ہیں۔ (کشف الرحمٰن)

قریش نے قیدیوں کا فدیہ بھیجا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک میرے ساتھی سعد اور عتبہ واپس نہ آجائیں، اس وقت تک تمہارے قیدیوں کو رہا نہیں کیا جائے گا۔ اس کے چند دن بعد سعد اور عتبہ واپس آگئے تو آپ نے فدیہ لے کر عثمان، حَکَم اور نوفل کو چھوڑ دیا۔ لیکن حَکَم بن کیسان نے جو ایامِ اسیری میں آپ کی حقانیت اور صحابہؓ کی عملی زندگی کا نظارہ آنکھوں سے دیکھ چکے تھے، قید سے رہائی پانے کے بعد حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے اور مکہ جانے کی بجائے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی۔

غزوۂ بدر

رمضان سنہ ۲ھ

بدر قرآن عزیز نے جن اہم غزوات کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سب سے نمایاں حیثیت غزوۂ بدر کو حاصل ہے۔ بدر دراصل ایک کنوئیں کا نام ہے جس کی نسبت سے یہ وادی بھی بدر ہی کہلاتی ہے۔ حرمین شریفین کے راستہ میں مدینہ طیبہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اسی جگہ وہ اہم غزوہ پیش آیا جس نے دنیا کی تاریخِ ادیان و ملل ہی کا نہیں بلکہ ہر شعبۂ حیات کا رُخ پلٹ کر ظلم سے عدل کی جانب پھیر دیا۔

اسباب

ظاہری (۱) کفار شروع ہی سے مسلمانوں کے مٹانے پر تُلے ہوئے تھے۔ ہجرت نے ان کو اور بھی مشتعل کر دیا مسلمانوں کو مدینہ میں محفوظ دیکھ کر برداشت نہ کر سکے۔ منافقین اور یہود کے ساتھ ساز باز شروع کر دی۔ اہلِ مدینہ کو دھمکیاں دیں اور حملہ کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

(۲) چنانچہ ابتداءً قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں مدینہ کی طرف گشت لگانے لگیں۔ کُرز فہری مدینہ کی چراگاہوں تک آکر لُوٹ مار کر گیا۔

(۳) سامانِ جنگ کی فراہمی کے لئے ابوسفیان کی قیادت میں تقریباً ستر قریشیوں

کا تجارتی قافلہ جس میں ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، ملک شام بھیجا گیا۔ تاکہ اجتماعی منافع سے سامانِ جنگ حاصل کر کے مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔

(۴) قافلہ ابھی شام سے روانہ نہیں ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا واقعہ، اتفاقیہ پیش آگیا جس نے قریش کی آتشِ غضب کو اور بھڑکا دیا۔

حقیقی (۱) کفّار کا ظلم وستم اور مسلمانوں کی مظلومیت حد سے گذر چکی تھی۔ آزمائش کی وہ سب منزلیں طے ہو چکی تھیں جن پر فتح ونصرت کا مدار اور وعدہ ہے۔

(۲) پیغمبر کے ہوتے کسی پر عذاب نہیں آتا۔ حضرت کے وجود کی برکت سے مکّہ والوں سے عذاب رُکا ہوا تھا۔ کفّار نے جب آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بلا وجہ اور بِلا قصور گھروں سے نکال دیا، تو وہ نافرمانی کی پاداش میں عذابِ الٰہی کا مزہ چکھنے کیلئے میدانِ بدر کی طرف ہانکے گئے۔

فائدہ: مشرکینِ مکّہ کے کاروانِ تجارت کو روکنا، اور ان پر قابض ہونا لُوٹ گھسوٹ نہیں۔ بلکہ جنگی نقطۂ نظر سے اور مسلمانوں کی جماعتی بقا وحفاظت کے اعتبار سے ازبس ضروری تھا۔

صحابہؓ کی روانگی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی کہ قریش کا تجارتی قافلہ شام سے واپس آرہا ہے تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، اور فرمایا کہ "کیا تعجب ہے اللہ میاں مالِ غنیمت سے نوازیں"۔ تو بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلو تہی کی کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ ابتداءً اقدام کر کے جانا انصار کے معاہدہ میں شامل نہ تھا۔ مگر حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ وغیرہ اکابر صحابہ نے بخوشی قافلہ کے تعاقب کے لئے آمادگی کا اظہار کیا۔ غرضیکہ مسلمانوں کا ایک لشکر جس کی تعداد تین سو تیرہ ۳۱۳ بیان کی جاتی ہے جس میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے، سامانِ حرب سے بے پرواہ ہو کر صرف آٹھ تلواریں، دو گھوڑے اور ستّر اونٹ (جن پر نوبت بہ نوبت

سوار ہوتے تھے) لے کر قافلے کے تعاقب کو نکلا۔

حضرت ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابولبابہؓ عرض کرتے کہ یارسول اللہ آپ سوار ہو جائیں، ہم آپ کے بدلہ میں پیدل چلیں گے۔ آپ ارشاد فرماتے۔ تم چلنے میں مجھ سے زیادہ قوی نہیں اور میں تم سے زیادہ خدا کے اجر سے بے نیاز نہیں۔

مدینہ سے ایک میل باہر جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا جائزہ لیا، اور کم سن بچوں کو واپس کر دیا۔ عمیر بن وقاص کو جب جہاد سے روکا گیا تو وہ رونے لگے۔ سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ناز برداری فرمائی۔ حضرت سعد بن وقاص نے کم سن بھائی کے گلے میں تلوار حمائل کی۔ حضرت ابولبابہؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے واپس کر دیا گیا۔

قریش کی روانگی ابوسفیان کو اس صورت حال کا علم ہوا، تو اس نے ایک تیز رو قاصد ضمضم غفاری کے ذریعہ مکّہ والوں کو خبر بھیجی کہ اپنے قافلہ کی جلد خبر لو۔ ابوجہل مشتعل ہو گیا، اور تمام سردارانِ قریش ایک ہزار مسلّح اور جنگ آزمودہ سپاہی لے کر بزعمِ خویش مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کے لئے تکبّر کے نشے میں اتراتے اور اکڑتے ہوئے نکل پڑے۔

صحابہؓ کا ولولۂ جہاد مسلمان جب وادیٔ صفرا کے قریب پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی کو تجارتی قافلہ کا سراغ لگانے کے لئے مقامِ بدر کی جانب اس راستہ پر بھیجا جو مدینہ سے مکّہ کو جاتا ہے اور حضرت طلحہؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ کو شام کی جانب روانہ کیا۔ جب لشکر وادیٔ صفرا سے گذر کر دفران پہنچا، تو بسبس اور عدی نے آکر اطلاع دی کہ عنقریب ابوسفیان کا قافلہ بدر پہنچنے والا ہے۔ اس لئے شام کی طرف کوچ کرنا بے کار تھا۔ اب بدر ہی ایسا مقام تھا جہاں اسے پکڑا جا

---

[۱] دو دو اور تین تین آدمی ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔

سکتا تھا۔ مگر دوسرے ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ قریش کا ایک جرار لشکر بڑے کرّ و فر کے ساتھ یلغار کرتا ہوا مسلمانوں سے لڑنے کی غرض سے بدر کی جانب بڑھ رہا ہے۔ آپ نے صحابہ کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا، اور دوبارہ مشورہ کرنا ضروری سمجھا اور ارشاد فرمایا کہ اس وقت دو جماعتیں تمہارے سامنے ہیں۔ ایک تجارتی قافلہ اور دوسرا فوجی لشکر۔ خدا نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ "دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو غلبہ عطا فرماؤنگا" ۔ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے۔ صحابہ چونکہ جنگ کے لئے تیار ہو کر نہیں آئے تھے صرف تجارتی قافلہ کے تعاقب کے لئے نکلے تھے، اس لئے اپنی تعداد اور قلتِ سامان کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رائے سے خوش نہ تھے[ع]، آپ کے منشا مبارک کو پاکر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے جذبۂ وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے ایسی پُر زور تقریریں کیں، جن کے الفاظ میں جاں نثاری اور سرفروشی کی بجلیاں تڑپ رہی تھیں۔ آپ نے پھر مشورہ طلب کیا۔ تو انصار[لہ] سمجھے کہ روئے سخن ہماری طرف ہے۔ تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ!

"ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں۔ آپ کی اطاعت کا عہد و پیمان کر چکے ہیں۔ اللہ کا جو حکم ہے، آپ اس پر عمل کیجئے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق و صداقت کا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، آپ کا اشارہ چاہیئے، ہم سمندر میں کودنے کو تیار ہیں۔"

اور حضرت سعد نے بھی یہ عرض کیا:

لہ انصارِ مدینہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاہدہ تھا کہ جبتک دشمن خود مدینہ پر حملہ آور نہ ہو انصار مدینہ سے نکل کر جنگ کے لئے مجبور نہ ہوں گے۔

ع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طبعی رجحان یہ تھا کہ قافلے کا تعاقب کرنے کی بجائے قریش کے لشکر کا مقابلہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک جماعت پر غلبہ کا وعدہ ہے اس صورت میں اگر قافلہ کو غنیمت بنایا جاتا تو لشکرِ کفار سے شکست کا اندیشہ ہے۔

"یا رسول اللہ! آپ کو غالباً یہ احساس ہے کہ آپ ایک ارادہ سے چلے تھے اور دوسرا معاملہ آپ کے سامنے آگیا۔ آپ قطعاً خیال نہ فرمائیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ جس سے چاہیں جوڑیں جس سے چاہیں اعلانِ جنگ کریں اور جس سے چاہیں مصالحت کریں۔ بہرحال ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارا مال آپ کا ہے جو چاہیں لیں جو چاہیں ہمیں دیں۔ اور خدا کی قسم جو آپ منظور فرمالیں گے وہ ہمیں زیادہ محبوب ہوگا اس سے جو ہمارے پاس رہ جائے گا"

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ :

"یا رسول اللہ! ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہ کہیں گے کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو۔ بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہو کر لڑیں گے"

یہ سُن کر آپ کا چہرہ فرطِ مسرّت سے چمک اُٹھا۔ اور آپ نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر چلو۔ تمہیں بشارت ہو، اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ میں سردارانِ قوم کی قتل گاہیں[1] دیکھ رہا ہوں۔

ابوجہل کا کبر و غرور ابوسفیان نے اپنا راستہ بدل کر ساحلی راستہ اختیار کر لیا اور قافلے کو بچا کر لے گیا۔ جب قافلہ زد سے نکل گیا تو ابوجہل کو دوبارہ پیغام بھیجا، کہ قافلہ صحیح سلامت بچ نکلا ہے تم واپس مکّہ لوٹ جاؤ۔ مگر ابوجہل کی ضدّی طبیعت جو پہلے ہی بہانے تلاش کر رہی تھی، واپسی پہ آمادہ نہ ہوئی اور کہا کہ ہم بدر جائیں گے۔ چند

---

[1] جس شب میدانِ کارزار گرم ہونے والا تھا اس شب آپ نے صحابہؓ کو اہل مکّہ کی قتل گاہیں دکھا دیں۔ اور بتا دیا کہ یہ فلاں کی قتل گاہ ہے اور یہ فلاں کی۔ چنانچہ اگلے روز وہ اُسی جگہ مقتول پائے گئے۔

روز وہاں ٹھہر کر خوشیاں منائیں گے، رقص و سرود کا رنگ جمائیں گے اور شراب و کباب کی محفلیں گرم کریں گے۔ تاکہ عرب بھر میں ہماری دھاک جم جائے۔ اور کوئی ہمارا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ مگر اسے کیا خبر تھی کہ ہم اپنی ذلت و رسوائی کی طرف رواں دواں ہیں اور فرشتۂ اجل کی دعوت پہ بدر میں خیمہ زن ہونا چاہتے ہیں۔ الغرض قریش کا لشکر مسلمانوں کو ختم کرنے کا عزم لے کر بڑھتا چلا گیا۔ مگر اخنس بن شریق نے ابوجہل کی بات کو نہ مانا اور تمام بنی زہرہ کو لے کر واپس چلا گیا۔

اُمیّہ کی پہلوتہی امیہ نے اپنی ہلاکت کی نسبت حضرت سعدؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا ذکر سُنا ہوا تھا، اس لئے بدر آنے سے پہلوتہی کر رہا تھا لیکن ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط نے اس کے پاس سرمہ دانی اور آتش دان لے جا کر اس کو طعنہ دیا تھا کہ تم عورت ہو۔ وہ ناچار اپنی جورو سے (جو اسے جنگ میں جانے سے روکتی تھی) یہ کہہ کر چل پڑا تھا کہ جونہی کوئی موقع ہاتھ آئے گا، لشکر سے علیحدہ ہو کر واپس آجاؤں گا مگر قضا و قدر نے بھاگنے کا موقع نہ دیا۔ بدر پہنچا، اور صحابہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

عداس کا عتبہ اور شیبہ کو روکنا جب عتبہ اور شیبہ جنگ کی تیاری کرنے لگے تو ان کے غلام عداس نے جو مسلمان ہو چکا تھا، انہیں روکا کہ اللہ کے رسول سے مقابلہ کا خیال تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ انہوں نے روانگی کا ارادہ فسخ بھی کر دیا لیکن ابوجہل نے ان کو بزدلی کا طعنہ دیا، اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک ان کو چلنے پر آمادہ نہ کر لیا، اور اسی نامردی کی تہمت اور طعنہ کے سبب دونوں نے لڑائی میں پیش قدمی کی۔

نوٹ: خاندانِ بنی ہاشم نے بھی مجبوراً اس جنگ میں شرکت کی۔

عاتکہ کا خواب اِدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو یہ خبر دی کہ مجھے اہلِ مکہ کی

قتل گاہیں دکھائی گئی ہیں۔ اُدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہؓ نے خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار آیا اور اس کنکریلی زمین پہ رُک کر کھڑا ہو گیا اور زور سے چیخا کہ اے آلِ غدر[۱] تین دن کے اندر اپنی قربان گاہوں کی جگہ نکل جاؤ۔ لوگ اس کے گِرد جمع ہو گئے۔ پھر وہ آگے بڑھا اور کعبہ میں آ گیا۔ یہاں بھی اس نے یہی اعلان کیا۔ پھر وہ کوہ بوقبیس پر آیا، اور بڑی وزنی چٹان اُٹھا کر نیچے پھینکی جو پہاڑ سے لڑھکتی ہوئی پاش پاش ہو کر مکّہ کے ہر گھر کو گراتی چلی گئی۔ کوئی مکان ایسا نہیں جو اس کی تباہ کاری سے بچا ہو۔

عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی حضرت عبّاسؓ سے ذکر کیا اور کہا کہ ساری قوم پر کسی بڑی مصیبت کا سامنا ہو گا۔ دیکھنا اس خواب کو کسی سے بیان نہ کرنا۔ حضرت عبّاسؓ گھر سے نکلے اور اپنے دوست ولید بن عتبہ سے اس خواب کا ذکر کیا اور اسے تاکید کی کہ کسی اور سے ذکر نہ کریں۔ مگر ولید نے اپنے باپ عتبہ سے اس کا ذکر کر دیا۔ اس طرح ہوتے ہوتے تمام مکّہ میں یہ بات پھیل گئی۔ ابو جہل کو علم ہوا تو اس نے حضرت عبّاسؓ سے کہا، کہ اب تمہاری عورتیں بھی نبوّت کا دعویٰ کرنے لگی ہیں۔ اسی اثنا میں ضمضم غفاری، ابوسفیان کا پیام لے کر پہنچ گیا کہ اے گروہِ قریش اپنے کارواں کی خبر لو، اور ابوسفیان کی مدد کو پہنچو۔ یہ خبر سُنتے ہی قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ مکّہ سے نکل کھڑے ہوئے اور بدر میں پہنچ خواب کی تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

---

[۱] اربابِ سیرت نے اس موقع پر حضرت عاتکہ کے خواب کا تذکرہ کیا ہے۔ عاتکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت عباسؓ کی بہن تھیں۔ ان دونوں بہن بھائیوں کے دلوں میں ایمان تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کرتے تھے، مگر باقاعدہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے مکّہ میں ٹھہرے ہوئے تھے مگر قریش کی نظر میں معتوب تھے۔ [۲] چونکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول سے غدر کیا تھا اس لئے عالمِ رویا میں ان کو آلِ غدر کہا گیا۔

جہیم بن الصلت کا خواب قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ گاتے بجاتے جب مقام جحفہ میں پہنچے تو جہیم بن صلت نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار آیا۔ اور ہمارے قریب آ کر کہنے لگا۔ لوگو سنو! عتبہ، شیبہ، ابوجہل اور امیہ بن خلف لڑائی میں مارے گئے۔ پھر اس سوار نے اونٹ کے برچھا مار کر لشکر میں چھوڑ دیا۔ کوئی خیمہ ایسا نہ تھا جس پر اس کے خون کے چھینٹے نہ پڑے ہوں۔ ابوجہل نے خواب سن کر کہا، کہ لو بنی عبدالمطلب میں یہ دوسرا نبی بھی پیدا ہو گیا۔

جنگ کے لئے روانگی ذفران سے روانہ ہو کر آپ نے اصافر نامی گھاٹیوں کی راہ اختیار کی اور بدر کے قریب پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ حضرت حباب بن منذرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس جگہ کا انتخاب وحی کے حکم سے ہوا ہے یا کسی فوجی مصلحت کی بنا پر اپنی رائے سے کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی رائے سے تجویز کیا ہے۔ حضرت حبابؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! یہ جگہ پڑاؤ کے لئے موزوں نہیں۔ اس سے آگے ایک جگہ زیادہ موزوں اور مناسب ہے اور وہ پانی سے قریب بھی ہے۔ چنانچہ آپ نے حباب بن منذر کے مشورے سے آگے بڑھ اس چشمہ کے قریب جو قریش کے نزدیک تر واقع تھا، پڑاؤ کیا۔ اور دشمن کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو چشمہ کی طرف بھیجا۔ یہاں ان کو قریش کے دو سقّے ملے۔ یہ ان کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں لائے۔

سقّوں سے استفسار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہؓ کرامؓ نے سقّوں سے دریافت کرنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم قریش کے آدمی ہیں، پانی لینے کے لئے نکلے ہیں۔ صحابہؓ کو ان کے کہنے کا یقین نہ آیا اور یہ سمجھ کر ان کو کچھ مارا کہ شاید مار پیٹ کے ڈر سے ابوسفیان کا کچھ حال بتائیں۔ جب ان پر کچھ مار پڑی تو کہنے لگے کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ یہ سن کر صحابہؓ نے ان کو مارنا چھوڑ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جب ان غلاموں نے سچ کہا تو تم نے ان کو مارا اور جب جھوٹ بولے تو چھوڑ دیا۔ یہ واقعی قریش کے آدمی ہیں۔ ابوسفیان کے ہمراہیوں میں سے نہیں۔ آپ نے سقّوں سے دریافت فرمایا کہ قریش کہاں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس عقنقل نامی ٹیلے کے پیچھے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کتنے لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بہت ہیں۔ آپ نے روزانہ کھانے کے لئے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن نو ۹ اور ایک دن دس ۱۰۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہزار اور نوسو کے درمیان ہیں۔

بعد ازاں آپ نے دریافت کیا کہ سردارانِ قریش میں سے کون کون آئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ اور ابوالبختری بن ہشام اور حکیم بن حزام نوفل بن خویلد اور حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی اور نضر بن حارث، زمعہ بن اسود۔ اور ابوجہل بن ہشام اور امیہ بن خلف اور منبہ اور منبہ پسران حجاج اور سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ یہ سن کر آپ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ مکّہ نے آج اپنے تمام جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔ الغرض اس طرح آپ نے قریش کا حال معلوم کیا۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۲ ص ۶۹ بحوالہ ابن ہشام)۔

نوٹ: اکابر قریش میں سے ابولہب کے سوا کوئی آدمی مکّہ میں نہ رہا۔ ابولہب کے چار ہزار درہم عاص بن ہشام کے ذمہ تھے۔ ابولہب نے اپنی جگہ اُسے بھیج دیا۔

فوجوں کے مورچے اتفاق سے مسلمانوں کا قیام بلندی پر تھا۔ زمین ریتلی تھی۔ جہاں چلنا مشکل تھا۔ آدمیوں اور سواریوں کے پاؤں ریت میں دھنس جاتے تھے۔ پانی نام کو نہ تھا۔ ایک طرف وضو اور غسل کی تکلیف دوسری طرف پیاس ستا رہی تھی۔ اس سے مسلمانوں کو بڑی تکلیف کا سامنا ہوا۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ باراں کے لئے دعا فرمائی۔ حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے زور کا مینہ برسایا

نقشہ جنگِ بدر
مدینہ منورہ کا راستہ
نخلستان
نرم زمین
جبل اسفل
شام کا راستہ
تشریح علامات
۱ مجاہدین کا پڑاؤ
۲ چشمہ
۳ اسلامی فوج
۴ کفار کی فوج
۵ عریش
۶ کفار کا پڑاؤ
مشرق
شمال
جنوب
مغرب
بحیرہ قلزم کے ساحل کا راستہ
بطرف جدہ
بطرف ینبوع
بحیرہ قلزم
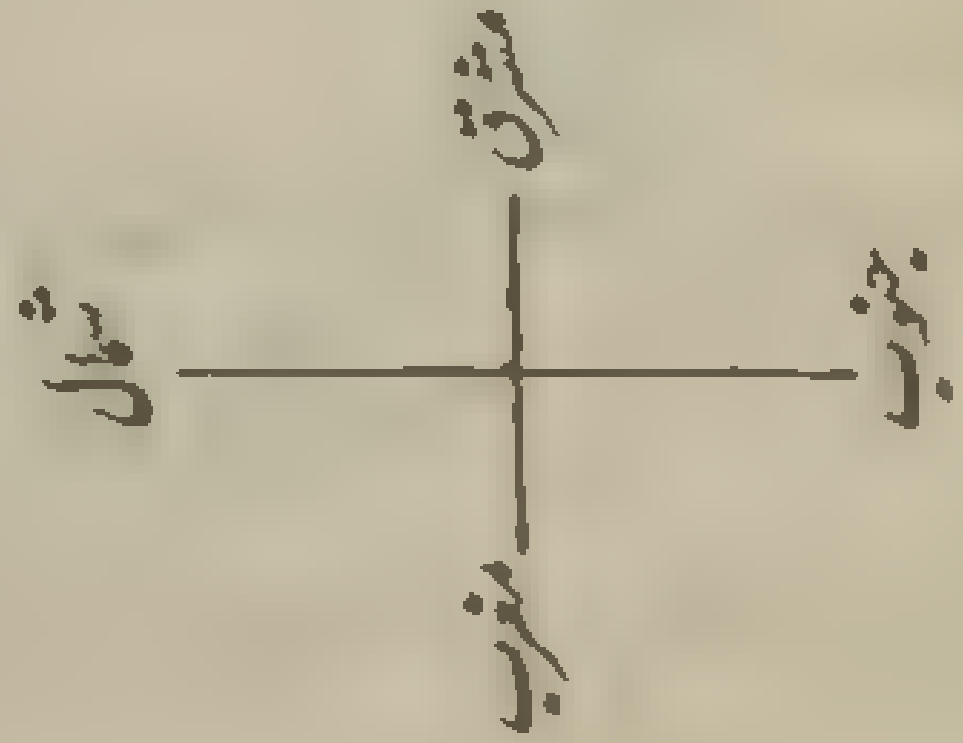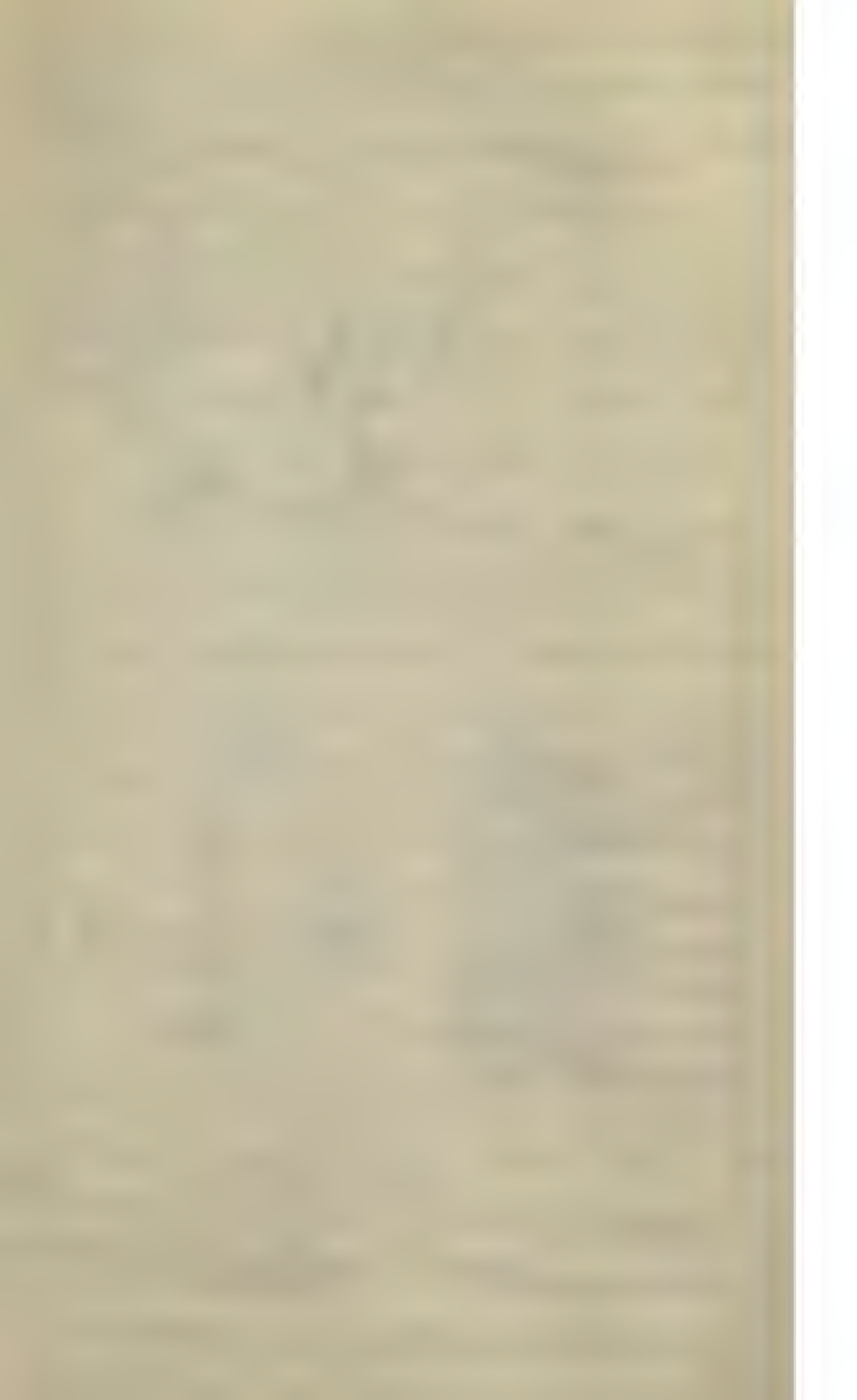
بارش سے ریت جم گئی۔ چلنا پھرنا آسان ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف جاتا رہا۔ طمانیت اور سکون حاصل ہوا اور ڈھارس بندھ گئی۔

کفّار پہلے پہنچ چکے تھے۔ ان کا پڑاؤ عقنقل ٹیلے کے پیچھے نرم اور نشیب زمین پر تھا۔ بارش کی وجہ سے وہاں دلدل اور کیچڑ ہو گئی۔ چلنا پھرنا دشوار ہو گیا اور وہ مسلمانوں سے پہلے پانی کے چشمہ پر قبضہ نہ کر سکے۔ مسلمانوں نے پہلے پہنچ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا۔ صحابہ کرامؓ نے ایک بڑا حوض اور چھوٹے چھوٹے متعدد حوض بنا چشمے کا پانی قریش کے پاس جانے سے روک دیا۔ کفار کے لشکر میں پانی کی سخت قلت ہو گئی۔ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دشمن کے کسی آدمی کو پانی سے نہ روکا جائے۔

اسود مخزومی حوض کی طرف چلا اور اسے منہدم کرنے کی قسم کھائی۔ حضرت حمزہؓ نے تلوار کے وار سے اس کی ٹانگ نصف ساق سے کاٹ دی۔ وہ منہ کے بل گرا۔ اور گھسٹتا ہوا حوض کی طرف بڑھا۔ حضرت حمزہؓ نے تلوار کے دوسرے وار سے اُسے موت کی نیند سُلا دیا۔

ایفائے عہد قلّتِ تعداد اور بے سروسامانی کی حالت میں ایک دو آدمی کا اضافہ بھی بسا غنیمت ہے۔ دو مسلمان کہیں سے آرہے تھے۔ دشمنوں نے روک لیا کہ مسلمانوں کی مدد کو جارہے ہیں۔ انہوں نے جان چھڑانے کے لئے انکار کر دیا اور وعدہ کر لیا کہ ہم جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صورتِ حال عرض کی اور جہاد میں شرکت کی درخواست کی۔ ارشاد ہوا، ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے ہمیں صرف خدا کی مدد درکار ہے۔ (عہدِ زریں ص۲۴۳)

عریشِ نبوی حضرت سعد بن معاذؓ کی تجویز کے مطابق آپ کے لئے ایک ٹیلہ پر کھجور کی شاخوں سے ایک چھپر تیار کیا گیا تاکہ آپ وہاں بیٹھ کر رفتارِ جنگ کا معائنہ کریں، اور

احکام نافذ فرمائیں۔ حضرت سعدؓ کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر خدانخواستہ لڑائی کا رُخ ہمارے خلاف ہوا تو آپ کو حفاظت کے ساتھ مدینہ پہنچا دیا جائے۔ کیونکہ جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں وہ بھی جاں نثاری میں ہم سے کچھ کم نہیں۔ اگر ان کو گمان ہوتا کہ جنگ کا سامنا ہوگا، تو ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ وہ آپ کی حفاظت اور حمایت میں جانیں لڑا دیں گے۔ آپ نے حضرت سعدؓ کے اس مخلصانہ جذبہ کی قدر کی اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

صف بندی بارش سے ایسا سکون ہوا کہ سب کو نیند آگئی۔ مگر سردارِ قافلہؐ کی ایک ذات تھی جو بیدار تھی۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر یادِ خدا میں مشغول و مصروف رہے، اور گریہ زاری کرتے رہے۔ زبانِ مبارک پر یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ کا ورد تھا۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی تو آپ نے نماز کے بعد لوگوں کو جہاد پر آمادہ کیا اور صف بندی کا حکم دیا۔ ادھر کفار کی صفیں تیار تھیں۔ ماہ رمضان کی سترہ تاریخ جمعہ کا دن ہے ایک طرف اہلِ باطل کا ایک ہزار کا لشکر سامانِ جنگ سے پوری طرح آراستہ اور لوہے میں غرق پہاڑ کی طرح کھڑا ہے۔ دوسری طرف تین سو تیرہ مسلمان جو قلتِ تعداد کے علاوہ ہتھیار بھی نہیں رکھتے، صرف چند تلواریں تھیں، لیکن دست و بازو میں حق و صداقت کی ایسی قوت اور سینوں میں ایسی حرارت رکھتے تھے جو باطل کو دم کے دم میں پھونک کر رکھ دے۔ بغرض دونوں جماعتیں میدان **فرقان** کی طرف بڑھیں۔

دُعا آپ نے لشکر کو بے سر و سامان دیکھ کر دعا فرمائی۔ الٰہی یہ ننگے ہیں انہیں کپڑا دے۔ الٰہی یہ بھوکے ہیں انہیں کھانا دے۔ الٰہی یہ پیادہ ہیں انہیں سواری دے۔ راوی کا بیان ہے کہ فتح کے بعد تم میں سے کوئی ایسا نہ رہا جس کے پاس سواری، کپڑا اور نقد جنس موجود نہ ہو۔

جنگ روکنے کی سعی قریش کے بعض سنجیدہ مزاج لوگوں نے جنگ روکنے کی کوشش کی اور سپہ سالارِ فوج عتبہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اگر تم حضرمی کا خون بہا منظور کرو۔

اور رقم اپنے پاس سے دے دو تو یہ آپ کی نیک نامی کا باعث ہوگا اور قوم قریش مصیبت سے بچ جائے گی۔ عتبہ نے یہ تجویز خوشی سے منظور کر لی اور ابوجہل کو پیغام بھیجا۔ وہ غصہ سے آگ بگولا ہوگیا اور بڑے طنز سے کہا کہ عتبہ اسلئے لڑائی سے جی چراتا ہے کہ اس کا بیٹا ابوحذیفہؓ مسلمان ہوچکا ہے وہ کہیں مارا نہ جائے۔ اور حضرمی کے وارثوں کو بھڑکا کر طوفان کھڑا کر دیا۔ عتبہ کو خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ کل ابوجہل دیکھ لے گا کہ لڑائی سے کون جی چراتا ہے۔ پھر جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

غیبی امداد ابلیسؓ اور اس کی فوجیں کفار کی مدد کے لئے میدان میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتوں کا لشکر نازلؓ فرمایا۔ پہلے ایک ہزار پھر تین ہزار فرشتوں سے مدد کی گئی۔ چنانچہ بعضوں نے فرشتوں کا لشکر پہاڑ پر سے دیکھا۔ اور اکثر صحابہ نے دیکھا کہ کفار کے سر ان کے سامنے گرتے ہیں مگر سر کاٹنے والا نظر نہیں آتا تھا۔

۲ : مسلمانوں کی نظر میں دشمنوں کی تعداد کم دکھائی گئی تاکہ مسلمان مرعوب نہ ہوں اور مشرکین کو شروع میں مسلمان مٹھی بھر دکھائی دیئے تاکہ جنگ سے جی نہ چرائیں اور لڑائی کے وقت دوگنے نظر آئے تاکہ وہ مرعوب ہو جائیں۔

ہدایاتِ جنگ لڑائی شروع ہونے سے پہلے آپ نے اپنے جاں نثاروں کو چند اہم ہدایتیں دیں۔

لہ قریش کو بنی کنانہ سے خطرہ تھا۔ ابلیس بنی کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کی صورت میں ابوجہل کے پاس آیا اور اطمینان دلایا کہ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ مگر جب فرشتوں کو دیکھا تو الٹے پاؤں میدان سے بھاگا۔ لہ فرشتوں نے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کیا۔ کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈ. مسلمانوں کے دشمنوں سے بحکم الٰہی جدال و قتال کیا۔ یہ غزوۂ بدر کی خصوصیت ہے کہ فرشتوں نے بھی قتال کیا۔ بدر کے علاوہ دیگر غزوات میں فرشتوں کے نزول سے مجاہدین کے حوصلے بلند ہوئے اور ان کی ہمتیں بڑھیں۔

(۱) صف بندی کو نہ توڑا جائے۔

(۲) جب تک اجازت نہ دی جائے، لڑائی شروع نہ کریں۔

(۳) دشمن زد سے باہر ہو تو تیر چلا کر ضائع نہ کریں۔ زد پر آئے تو تیر برسائیں۔ جب زیادہ نزدیک آجائے تو نیزوں سے روکیں، اور سب سے اخیر میں تلوار رکھنے والے تلواریں کھینچیں۔

آغازِ جنگ جب معرکۂ جنگ بپا ہؤا تو دونوں جانب سے نبرد آزما ایک دوسرے کے مقابل ہو کر ہل من مبارز پکارنے اور دادِ شجاعت دینے لگے۔ قریش کے لشکر سے تین بہادر عتبہ بن ربیعہ سپہ سالارِ لشکر، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ میدان میں آئے۔ مسلمانوں کی فوج سے تین جانباز انصاری ان کے مقابلہ کو نکلے۔ لیکن عتبہ نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ جواب ملا۔ انصار۔ تو وہ بدزبان چلا اُٹھا کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہم مدینہ کے چرواہوں سے لڑنے کیلئے نہیں آئے۔ ہمارے مقابلہ کے آدمی بھیجو۔

(کفار کا یہ پہلو کس قدر عبرت ناک ہے کہ ان کا غرور اور تکبّر میدانِ جنگ میں فرو ہونے کا نام نہیں لیتا)۔

پھر اِدھر سے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ نکلے۔ ان کے نکلنے پر عتبہ نے لاف وگزاف بکنا شروع کیا۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا۔ زبان بند کرو۔ یہاں تلوار فیصلہ کرے گی۔ چنانچہ یہ ہؤا کہ تینوں کافر خاک و خون میں تڑپ کر رہ گئے۔ حضرت عبیدہؓ زخمی ہوئے۔ حضرت علیؓ اُٹھا کر آپ کی خدمت میں لے آئے۔ اس کے بعد بڑے مزے سے آپ کے قدموں میں یہ شہیدِ وفا دنیا سے رخصت ہؤا۔

اب قریش کی طرف سے عبیدہ بن سعید بن عاص صف سے نکلا۔ حضرت زبیرؓ نے ہمیشہ کے لئے اسے موت کی نیند سُلا دیا۔ اس کے بعد سعید بن عاص حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے خنجرِ خوں خوار کا لقمہ بنا۔

پاسِ وفا ① جو لوگ مسلمانوں سے حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے ان کی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ ابوالبختریؓ اور عباس کو قتل نہ کیا جائے۔ ان کے علاوہ خاندانِ ہاشم کے لوگوں کو بھی گرفتار کیا جائے، قتل نہ کیا جائے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ لوگ مجبوراً آئے ہیں۔

② ابو حذیفہؓ کی زبان سے اس وقت یہ کلمہ نکل گیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے بھائی باپ سب مارے جائیں اور بنی ہاشم کی جانیں محفوظ رکھی جائیں۔ میرے سامنے کوئی آگیا تو میں ضرور قتل کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک یہ جملہ پہنچا تو آپ کو ملال ہوا۔ مگر فوری تأثر کی بنا پر یہ جملہ اضطراری طور پر حضرت ابو حذیفہؓ کی زبان پر آگیا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی حضرت ابو حذیفہؓ کو احساس ہوا کہ بنو ہاشم کے متعلق ہدایات اس بنا پر نہیں کہ وہ آپ کے رشتہ دار ہیں بلکہ اس بنا پر ہے کہ وہ مسلمانوں کے حامی اور مددگار مانے جاتے ہیں تو وہ بہت نادم ہوئے۔ اور فرماتے کہ اس کی تلافی اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ میں راہِ حق میں جان دے دوں۔ چنانچہ آپ کی تمنا پوری ہوئی اور جنگِ یمامہ میں درجۂ شہادت حاصل کیا۔

③ اس اعلان پر عمل کیا گیا۔ لیکن ابوالبختری کا جب ایک انصاری سے مقابلہ ہوا تو اس نے کہا کہ ہمارے مولا اور آقا کا حکم ہے کہ ہم تمہیں گرفتار کرلیں قتل نہ کریں۔ ابوالبختری نے یہ رعایت اپنے ساتھی کے لئے بھی چاہی مگر انصاری نے معذرت کر دی۔ اس پر ابوالبختری خود انصاری کے مقابلہ پر اُتر آیا اور اس کی تلوار کا لقمہ بنا۔

④ اسی طرح جب اسیرانِ جنگ کے متعلق آپ نے اعلان فرمایا کہ بلا فدیہ کسی کو نہ چھوڑا جائے تو آپ نے سہیل بن بیضاء کو مستثنیٰ کر دیا تھا۔ کیونکہ آپ سے عرض کیا گیا تھا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہے۔ حضرت سہیل کی طرح حضرت عباس بھی مستثنیٰ کئے جا سکتے تھے کیونکہ اسلام کی طرف میلان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا واقعہ ایک نہیں بلکہ بہت سے

لے حاشیہ اگلے صفحہ پر۔

واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباسؓ یقین رکھتے تھے کہ قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے۔ خاص اسی زمانہ میں جب مسلمانوں کو فتح ہو گئی۔ اور کفار بھاگ گئے۔ تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ابوسفیان کے قافلہ پر حملہ کر دیا جائے جو ابھی تک مکہ نہیں پہنچا اور سمندر کے کنارے سفر کر رہا ہے تو حضرت عباسؓ نے جو تسموں سے بندھے ہوئے تھے، پکار کر کہا کہ ایسا نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آپ سے ایک جماعت کا وعدہ کیا تھا کہ اس پر آپ کو فتح ہوگی۔ چنانچہ فتح ہو گئی۔ دوسری جماعت کے متعلق اللہ کا وعدہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ کا یہ مشورہ قبول کیا گیا۔ اور ابوسفیان کے قافلہ کا خیال چھوڑ دیا۔ بہرحال یہ یقیناً اس کے مستحق تھے کہ ان سے فدیہ نہ لیا جائے۔ مگر فرق یہ تھا کہ سہیل بن بیضاء رشتہ دار نہیں تھے اور حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے۔ چچا سے نہ صرف یہ کہ فدیہ لیا گیا بلکہ زیادہ سے زیادہ لیا گیا اور ایک کی بجائے دو فدیے وصول کئے گئے۔ ایک ان کا اور دوسرا اُن کے بھتیجے عقیل کا۔

ہنگامی جنگ اور بارگاہِ خداوندی میں التجا اب عام حملے شروع ہو گئے اور گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ تو مسلمان جنگِ مغلوبہ لڑنے لگے۔ ادھر میدان کارزار گرم تھا۔ اُدھر اللہ کا رسولؐ میدان سے کچھ دُور الگ چھپر کے نیچے سجدے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہا تھا، اور خدا کے حضور عرض کر رہا تھا کہ:

اللّٰہم ان تھلك ھٰذہ	الٰہی! (گنتی کی) یہ چند جانیں اگر آج
العصابة فلا تعبد فی	صفحۂ عالم سے مٹ گئیں تو پھر قیامت تک
الارض۔	روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ لے ابوالبختری بڑا شریف الطبع انسان تھا۔ اس نے نہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا اور نہ کوئی ایسی حرکت کی جو آپ کو ناگوار ہو۔ بنی ہاشم کے بائیکاٹ کے زمانہ میں حضرت خدیجہؓ کے برادرزادہ حکیم بن حزام نے ان کے لئے کچھ گیہوں بھیجے تو ابوجہل نے مزاحمت کی۔ ابوالبختری نے اس پر ابوجہل کو پیٹا۔

آپ کبھی سجدہ کرتے کبھی ہاتھ پھیلا کر دعا مانگتے۔ محویت کا یہ عالم تھا کہ چادر شانۂ مبارک سے گر گر پڑتی اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی۔ دیر ہو گئی اور گریہ وزاری کی یہی کیفیت رہی۔ رفیقِ غار نے جو اس عریش میں بھی سایہ کی طرح ساتھ تھے۔ آگے بڑھ کر عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! آپ اپنے خدا سے کافی التجا کر چکے، آپ کی دعا یقیناً قبول ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو ضرور پورا فرمائے گا۔ اب آپ باہر تشریف لے چلئے۔ ادھر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے قبولیتِ دعا کے آثار مشاہدہ فرمائے تو اسی حالت میں غنودگی طاری ہو گئی، اور خدا کی طرف سے فتح کی بشارت آئی۔ آپ عریش سے باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔ (سورہ قمر) — عنقریب کافروں کی جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر بھاگے گی۔

پھر آپ اس آیت کی تلاوت فرماتے ہوئے دشمن میں گھس گئے۔ آقا کے ساتھ ساتھ ان کے جاں باز رفقاء بھی ٹوٹ پڑے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھائی اور شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (سیاہ چہرے ہو جائیں) کہہ کر دشمن کی طرف پھینک دی۔ تو میدانِ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ خدائے برحق کی معجزانہ قدرت نے ہوا کے ذریعے اس کے ذرات تمام مشرکین کی آنکھوں تک پہنچا دیئے، اور وہ اس ناگہانی پریشانی سے مضطرب ہو کر آنکھیں ملنے لگے اور جنگِ مغلوبہ جنگِ غالبہ کی شکل میں بدل گئی۔

نتیجہ مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت کافروں کے دل بادل میں گھس گئی، اور ان کے بڑے بڑے بہادروں اور سرداروں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ ان کے رئیسوں کا مارا جانا تھا کہ ان کے پیر اکھڑ گئے، اور مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا۔ کفار اپنی ستّر نعشیں چھوڑ کر اور ستّر قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کو عظیم الشان فتح نصیب ہوئی۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (انعام)

؎ نقشِ اسلام تا اعدا کے مٹانے سے مٹا
مٹ گئے آپ ہی جتنے تھے مٹانے والے

مسلمانوں سے صرف چودہ[1] حضرات نے جرعۂ شہادت نوش فرمایا (سیرت الکبری ج ۲ ص ۹۶۷) ۔ ان میں چھ مہاجر اور آٹھ انصاری تھے ۔

ابوجہل کا انجام حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ صفِ جنگ میں انصار کے کم عمر نوجوان معاذ اور معوذ عفرا کے بیٹے میرے دائیں بائیں کھڑے تھے ۔ مَیں نے دل میں کہا کہ ناتجربہ کاروں کا ساتھ ہے ۔ اتنے میں ایک نے مجھ سے پوچھا ۔ چچا جان سُنا ہے کہ ابوجہل خدا کے برگزیدہ رسول کو گالیاں دیتا ہے ۔ وہ کون شخص ہے ؟ دوسرے نے بھی پہلے کی طرح یہی بات کہی ۔ مَیں نے ان سے کہا کہ وہ جو صفِ جنگ میں چکّر لگا رہا ہے وہی ہے جسے تم پوچھتے ہو ۔ چونکہ دونوں جانباز خصوصیت سے اس کی تاک میں لگ ہوئے تھے یہ سُنتے ہی باز کی طرح جھپٹے ۔ معاذ نے تلوار کی ایک ضرب سے اس کا پاؤں نصف ساق تک کاٹ دیا ۔ وُہ مجروح ہو کر گر پڑا تو معوذ نے ایک کاری ضرب لگا کر اسے خاک و خون میں تڑپا دیا ، اور مردہ سمجھ کر چھوڑ آئے لیکن اس میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی ۔

معاذ اور معوذ دونوں بھائی بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوئے اور دونوں نے ابوجہل کے قتل کا دعویٰ کیا ۔ آپ نے دونوں کی تلواریں دیکھ کر فرمایا کہ واقعی تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے ۔ چونکہ ابوجہل کے گرانے اور زخمی کرنے میں معاذ نے پہل کی تھی اس لئے ابوجہل کا سامان معاذ کو دلوایا ۔ معوذ پھر لڑائی میں گئے اور شہید ہو گئے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ابوجہل کا انجام معلوم کرنے کے لئے بھیجا ۔ تو یہ اس وقت دم توڑ رہا تھا ۔ جب حضرت عبداللہ اس کی چھاتی پر سوار

---

[1] قصص القرآن میں بائیس مجاہدین کی شہادت مذکور ہے ۔ (قصص القرآن ج ۴ ص ۲۰۹)

ہو گئے اور کہا۔ او دشمنِ خدا دیکھ اللہ نے تجھے کیسا ذلیل کیا۔ مگر یہ ظالم نشہ حکومت و سرداری اور نخوت و غرور کے ہاتھوں اتنا مجبور تھا کہ جب ابن مسعودؓ اس کا سر کاٹنے لگے تو کہنے لگا ذرا نیچے سے کاٹنا تاکہ سردار کے سر کی شناخت رہے۔ پھر کہا کہ افسوس مجھے کسانوں نے مار ڈالا۔ کاش میرا قاتل کوئی اور ہوتا۔ اور کہا کہ میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میرے دل میں آج کے دن تمہاری عداوت و بغض پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے اس کا سر تن سے جدا کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے اس کا سر دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ اور فرمایا:

مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔ اس امت کا فرعون مر گیا۔

کمالِ فرعونیت علماء نے لکھا ہے کہ اسلام کا یہ فرعون، موسوی فرعون سے بدتر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کا دل پھر بھی کمزور تھا کہ جب ڈوبنے لگا — تو بے اختیار کہہ دیا:

قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا	اس نے کہا۔ میں اس بات پر ایمان لایا
الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ	کہ اس خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں
وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○	جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں
(سورۂ یونس)	اور میں بھی فرمانبرداروں میں شامل ہوتا ہوں۔

مگر کمالِ فرعونیت یہ ہے کہ بدن زخمی ہے، جان نکل رہی ہے، گردن کٹنے والی ہے۔ فرشتۂ موت سر پر ہے لیکن اپنی عظمت کے تصور اور کبر و غرور کی انتہا ہے کہ اس وقت بھی صدمہ ہے تو اس بات کا کہ کسانوں نے اسے مار ڈالا۔ جس طرح اس کی فرعونیت بڑھی ہوئی تھی، اسی طرح اس کی ایذا رسانی بھی دوسرے فراعنہ سے بڑھی ہوئی ہوگی۔ اس سے ان تکالیف اور مصائب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھوں برداشت کیں۔

عکرمہ کا فرار ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی یہ بڑی کوشش تھی کہ کسی طرح معاذ سے اپنے باپ کا بدلہ لے۔ چنانچہ عکرمہ نے موقع پاکر بے خبری میں پیچھے سے آکر اس زور سے تلوار ماری کہ بازو کٹ گیا جو جلد کے سہارے پہلو میں لٹکتا رہا۔ خون بہ رہا تھا۔ اسی حالت میں حضرت معاذ عکرمہ پر حملہ آور ہوئے۔ مقابلہ شروع ہو گیا۔ چونکہ ہاتھ کے لٹکنے سے مقابلہ میں سخت زحمت پیش آرہی تھی، اس لئے حضرت معاذؓ نے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے رکھ کر زور سے کھینچا اور پہلو سے الگ کر دیا۔ عکرمہ ان کی کمال شجاعت اور بے پناہ جرأت دیکھ کر مقابلہ سے منہ موڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت معاذؓ نے ان کا تعاقب کیا۔ لیکن عکرمہ بچ کر نکل گئے۔

معجزہ حضرت معاذؓ کٹا ہوا ہاتھ اُٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے آپ نے لعاب دہن لگا کر ہاتھ کو اس کی جگہ چپکا دیا تو وہ پہلے کی طرح ٹھیک ہو گیا۔

امیہ بن خلف کا حشر یہ وہی امیہ ہے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر وحشیانہ مظالم کی مشق کیا کرتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اس کے پرانے دوست تھے جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اس وقت سے امیہ کے ساتھ ان کا ایک کاروباری معاہدہ ہوا تھا کہ مدینہ میں امیہ کے مال کی حفاظت یہ کریں گے اور مکہ میں امیہ ان کے مال کی حفاظت کرے گا۔ یہ معاہدہ جان کی پناہ کے لئے نہیں، مال کی حفاظت کے لئے تھا۔ مگر مسلمان کی پناہ کا دامن زیادہ سے زیادہ وسیع ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی معاہدہ کی بنا پر حضرت عبدالرحمٰن نے چاہا کہ اس کی جان بچ جائے تو یہ نظر بچا کر اسکو اور اس کے بیٹے کو پہاڑی پر لے گئے۔ اتفاق سے حضرت بلالؓ نے دیکھ لیا اور انصار کو پکارا کہ دیکھو یہ کفار کا سرغنہ جانے نہ پائے۔ انصار اس کے پیچھے دوڑے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اس کے لڑکے کو آگے کر دیا۔ لوگوں نے اُسے قتل کر دیا۔ پھر اُمیہ کے درپے ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن اس کے اوپر لیٹ گئے۔ مگر مجاہدین اسلام نے اسی حالت میں امیہ کو جہنم رسید کر دیا۔

صحابہؓ کی بے پناہ قوّتِ ایمانی صحابۂ کرام نے اللہ اور رسول کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پرواہ نہیں کی۔ حتیٰ کہ خونی رشتے اور قرابت کے تعلقات بھی اس پر قربان کر دیئے۔ جنگِ بدر میں مہاجرین کے سامنے کسی کا باپ تھا، کسی کا لختِ جگر، کسی کا بھائی، کسی کا چچا، کسی کا ماموں اور عام رشتہ داری تو سبھی سے تھی۔ محض اللہ اور اس کے دین کے لئے صحابہ کی تیغِ بے دریغ بے نیام تھی۔ قوم اور وطن کا تو کیا ذکر ہے، صحابۂ کرامؓ نے تو اپنے ماں باپ، بیوی بچوں اور خویش و اقارب کو خدا اور اس کے رسولؐ کی خاطر چھوڑ دیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے لختِ جگر عبدالرحمٰن نے میدان میں نکل کر مقابلہ کیلئے ھَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ (کوئی ہے جو میرے مقابلہ پر آئے) کا نعرہ لگایا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا، اور خود بڑھ کر مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے۔ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ بیٹے کی جنگ کا خوفناک منظر گوارا نہ فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مقابلہ پر جانے کی اجازت نہ دی۔ (سیرت الکبریٰ ج-۲ ص۹۵۲)

عتبہ میدان میں آیا تو ان کے فرزند حضرت ابوحذیفہؓ مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے والد نے آپ پر حملہ کیا تو آپ نے تلوار کے ایک ہی وار سے باپ کو اسلام پر قربان کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حقیقی ماموں عاص بن ہشام کو واصل جہنم کیا۔ حضرت عوف بن حارث کپڑے اتار کر دشمنوں میں گھس گئے اور جان قربان کر دی۔ حضرت عمیر بن حمامؓ کھجوریں کھا رہے تھے کہ اتنے میں ان کے کان میں آواز پڑی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں شہید ہونے والوں کو جنّت کی خوش خبری سُنا رہے ہیں۔ اتنا سُننا تھا کہ شوقِ شہادت جوش زن ہوا۔ کھجوریں پھینک دیں۔ تلوار لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور یہاں تک لڑے کہ جامِ شہادت نوش فرمایا۔ کم سن مجاہد عمیر بن ابی وقاصؓ اعدا کے نرغہ میں گھس گئے اور دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے آخر عمرو بن عبدود

ایک مشرک کی تلوار نے چمنِ اسلام کے اس نودمیدہ غنچہ کی تمنّائے شہادت فی سبیل اللہ پوری کر دی۔

؎ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

نوٹ: مسلمان تو جب بھی دشمن کے مقابلے کو نکلے، خواہ وہ براہِ راست جنگ کے ارادے سے نکلے ہوں یا دشمن کو دوسرے معاملات میں زک دینے کے لئے، ہمیشہ جہاد اور شہادت ہی کے نقطۂ نظر سے نکلتے تھے، اور مالِ غنیمت تو ان کیلئے خدا کا مزید فضل و احسان تھا۔ جو کبھی بغیر جنگ ہی ہاتھ آگیا اور کبھی خون میں نہانے کے بعد حاصل ہوا۔

فتح و شکست کا فلسفہ اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہو سکتی ہے کہ معرکۂ اُحد کے لئے پوری تیاری کے ساتھ چلے اور شکست کھائی۔ بدر کے لئے کوئی تیاری نہیں تھی۔ تجارتی قافلہ کے تعاقب کے لئے نکلے مگر تین چار گُنی مسلح طاقت سے مٹھ بھیڑ ہو گئی اور اس بے سروسامانی اور قلت کے باوجود دشمن کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ دراصل منشائے خداوندی یہ نہیں تھا کہ دولت مسلمانوں کے پلے پڑے، بلکہ منشائے خداوندی یہ تھا کہ کلمۃُ اللہ بلند ہو، حق کے پرچم لہرائیں اور باطل سرنگوں ہو۔

تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ	تم یہ چاہتے ہو کہ تم کو غیر مسلح جماعت یعنی
تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ	قافلہ ہاتھ لگ جائے مگر اللہ یہ چاہتا
يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ	تھا کہ اپنے حکم سے حق کو حق کر دکھائے اور
دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (انفال)	کافروں کی جڑ کاٹ کر پھینک دے۔

پس فتح و شکست کا مدار قلت و کثرت اور سروسامان پر نہیں بلکہ عنایتِ خداوندی اور اس کی نصرت اور مشیت پر موقوف ہے۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ	بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی چھوٹی

فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔ (سورہ بقرہ۔ پ۲)

نتائج و بصائر

(۱) جنگِ بدر میں کامیابی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آہِ سحر گاہی اور مسلمانوں کے دینی جذبہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔ یہ حق و باطل کی جنگ تھی، نور و ظلمت کا مقابلہ تھا، اور اسلام اور کفر کا معرکہ تھا جس میں حق کا غالب آنا اور باطل کا سرنگوں ہونا یقینی تھا

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط حق آ پہنچا اور باطل گیا گذرا ہوا

(۲) غزوۂ بدر سے درحقیقت دنیا میں ایک روح افزا انقلاب آگیا۔ کفر و شرک اور ظلم و عدوان کی کمر ٹوٹ گئی۔ قریش کی قوت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا اور مسلمانوں کے لئے اعلاءِ کلمۃ اللہ کی راہیں کھل گئیں۔ اسلام کی عزت و شوکت اور کفر کی ذلّت و رسوائی کی ابتدا اسی غزوہ سے ہوئی۔

(۳) اسلحہ اور سامان سے ماوراء کوئی اور طاقت بھی ہے جو کمزوروں، ناتوانوں اور زیردستوں کو زور آور، طاقتور اور بالادست کر سکتی ہے اور کرتی رہتی ہے۔

(۴) اللہ کی رحمت سے اسلام کو ظاہری اور مادی اسباب کے بغیر محض غیب سے قوت حاصل ہوئی اور کفر و شرک کے سر پر کاری ضرب لگی اور حق و باطل میں فرق ہوگیا۔

(۵) جو جماعت اللہ کے راستہ میں لڑتی ہے وہ کبھی ناکامیاب نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اسی جماعت سے نصرت کا وعدہ ہے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ۔ اور یقیناً اللہ اسکی مدد کریگا جو اسکی مدد کرے۔

(۶) صبر و استقامت کا ثمرہ اطمینان و سکون اور رفعت و سعادت ہے۔ غزوۂ بدر اس حقیقت کی زندہ شہادت ہے۔

(۷) اللہ کی خوشنودی کے لئے حق کی حمایت میں باطل سے مقابلہ کرنے والی جماعت

جس قدر بے سروسامان ہوتی ہے۔ خدا کی نصرت اور حمایت اسی قدر زیادہ معجزانہ کرشمے دکھا کر جماعت حق کا ساتھ دیتی ہے اور باطل کو ناکام بنا کر حق کو شاد کام کرتی ہے۔ چنانچہ بدر میں ابرِ رحمت کا نزول، ملائکۃ اللہ کا ورود، مسلمانوں کی نظر میں دشمن کی تعداد کا تھوڑا دکھائی دینا اور مشرکین کی نگاہ میں مسلمانوں کی تعداد کا زیادہ دکھائی دینا، یہ سب معجزانہ اُمور اسی قانونِ الٰہی کی کرشمہ سازیاں ہیں۔

(۸) اگر قلب میں اخلاص اور صداقتِ حق کا جذبہ موجود ہو تو بے سروسامانی کی وجہ سے جنگ سے خوف و ہراس یا کراہیت قابلِ ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور صبر و استقامت عطا فرماتا ہے۔

(۹) اسلام صرف عبادتوں کا مجموعہ نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ کا مکمل نظام ہے۔ خلافتِ الٰہیہ کا قیام اس کے اوّلین مقاصد میں سے ہے۔ جس کے لئے اب تک عملی قدم اُٹھانے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ اب اس جنگ سے مخالفین کا زور بہت کچھ ٹوٹ گیا، اور اسلام کی ایک مرکزی حکومت کا قیام عمل میں آیا اور منافق ایک حد تک خوفزدہ ہو گئے۔

(۱۰) جس طرح جنگ میں دشمن کو جانی نقصان پہنچانا عین سیاست اور فوجی کمال ہے اسی طرح دشمن کی جنگی اور مالی قوّت پر قبضہ کر لینا بھی فوجی تدبّر کا کمال ہے۔ یورپ دشمن کی مالی قوّت پر قبضہ کرنے کیلئے پیشقدمی کرتا ہے تو اس کو سیاست اور فوجی تدبیر بتلایا جاتا ہے۔ جب اسلام خدا کے باغیوں کی مالی قوّت پر قبضہ کرنے کے لئے پیش قدمی کرتا ہے تو اس کا نام لُوٹ مار اور غارت گری ہو جاتا ہے۔ اسلام نے جب کبھی کسی کاروانِ تجارت پر حملہ کرنے کیلئے پیش قدمی کی تو کیا وہ اس کے دشمنوں کا قافلہ نہ تھا جو مسلمانوں کی جان و مال کے سخت دشمن تھے۔ ایسے لوگوں کی جان و مال پر چھاپہ مارنا جو خدا کے باغی ہوں کس قاعدے اور قانون کی رُو سے معیوب ہے۔ غزوۂ بدر کا مقصد قریش کے تجارتی قافلہ پر یلغار کرنا تھا۔ قریشِ مکّہ کے کسی حملے کا دفاع مقصود نہیں تھا مگر اتفاقیہ اس کے برعکس صورت پیش آگئی۔

شہداء کی تدفین اور کفّار کی لاشوں کا کنویں میں ڈلوانا جنگ کے خاتمہ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شخصوں نے شہادت پائی جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ لیکن دوسری طرف قریش کی اصل طاقت ٹوٹ گئی۔ رؤسائے قریش ایک ایک کر کے مارے گئے۔ ستر آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ آپ نے شہداء کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو دفن کر دیا۔ کفّار کی لاشیں زیادہ تھیں، ایک ایک کا الگ دفن کرنا مشکل تھا۔ ایک غیر آباد کوئیں میں ڈلوا کر اُوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔

جب عتبہ بن ربیعہ کی لاش کوئیں میں ڈالی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کے بیٹے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر حزن و ملال کے آثار دیکھ کر فرمایا کہ اے ابو حذیفہ کیا باپ کی اس حالت کو دیکھ کر تیرے دل میں کچھ خیال گذرا ہے۔ انہوں نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم کوئی خیال نہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ میرا باپ صلحب الرائے اور حلیم و بردبار اور صاحبِ فضل تھا۔ اس لئے امید تھی کہ یہ فہم و فراست اسلام کی طرف رہنمائی کرے لیکن اس کو کفر پر مرتے دیکھ کر رنج ہوا ہے۔ آپ نے ابو حذیفہؓ کیلئے دعائے خیر فرمائی۔

مقتولین بدر کو خطاب فتحِ بدر کے تیسرے دن آپ اس کنویں کے کنارہ پر جا کر کھڑے ہوئے جہاں مقتولین کی لاشیں تھیں اور ان کے نام لے لے کر آواز دی کہ اے عتبہ، اے شیبہ، یا امیہ، یا ابا جہل وغیرہ تم کو یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے۔ تحقیق جس چیز کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا، ہم نے اس کو حق پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا؟

حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ بے جان لاشوں سے کلام فرماتے ہیں آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم میرے کلام کو ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر وہ جواب نہیں دے سکتے۔

مدینہ کو روانگی تین دن کے بعد مدینہ کو روانگی ہوئی اور مقامِ صفراء میں پہنچ کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نضر بن حارث کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر مقام عرق الظبیہ پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کے قتل کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسیروں اور اس کے محافظ دستے کو پیچھے چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ سے ایک دن بعد قیدی بھی مدینہ پہنچ گئے۔

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط دونوں آپ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھے۔ عناد اور ایذا رسانی میں ابوجہل کے ہمسر تھے۔ استہزاء، تمسخر اور سب وشتم کر کے آپ کی توہین کرتے تھے۔ عقبہ وہی ہے جس نے آپ کے گلے میں چادر ڈالی اور سجدہ کی حالت میں آپکی پشت مبارک پر اونٹ کی تازہ اوجھ لا کر رکھ دی۔

اسیرانِ بدر کے ساتھ سلوک عرب کے اس دور میں جیلخانہ نہیں تھا۔ لوگ قیدی کو تسمہ سے باندھ دیا کرتے تھے۔ جو گرفتار کرتا وہی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا اور خورد و نوش کا انتظام کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ اس ہدایت پر یہاں تک عمل کیا گیا کہ صحابہ کرامؓ ان قیدیوں کو کھانا کھلاتے اور خود کھجوروں پر قناعت کرتے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابوعزیز کا بیان ہے کہ میں جن لوگوں کی قید میں تھا وہ جب کھانا کھاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوروں پر قناعت کرتے۔ مجھے شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا مگر وہ مجھ کو ہی واپس کر دیتے۔

حضرت عباسؓ کو قید کی حالت میں مسجد میں رکھا گیا۔ ان کی بندش ذرا سخت تھی تکلیف سے کراہنے لگے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اُڑ گئی۔ آپ کی بے چینی کا احساس خدام کو ہوا، اور معلوم ہوا کہ عباس کی بے چینی سے بے چین ہیں، تو تسمہ ڈھیلا کر دیا۔ اس پر آپ نے تمام قیدیوں کے بند ڈھیلے کروا دیئے۔

نوٹ: عدل وانصاف اور مساوات کے دعویدار اس سے سبق حاصل کریں۔

بدر کے قیدیوں کے پاس کپڑے نہیں تھے۔ آپ نے سب کو کپڑے دلوائے۔ مگر حضرت

عباسؓ کا قد اس قدر لمبا تھا کہ کسی کا کُرتہ ان کے بدن پر راس نہ آیا۔ تو عبداللہ بن ابیؔ (رئیس المنافقین) نے اپنا کُرتہ منگوا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کے کفن کیلئے جو کُرتہ عنایت فرمایا تھا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

سہیل بن عمرو مکہؔ کا مشہور خطیب اور شاعر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر اُگلا کرتا تھا۔ جنگِ بدر میں گرفتار ہوا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت چاہی کہ اس کے اگلے دو دانت توڑ دیئے جائیں تاکہ تقریر نہ کر سکے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا اور اجازت نہ دی۔

یہ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے عزیز تھے۔ جب اسیرانِ جنگ مدینہ لائے گئے، اور حضرت سودہؓ کی ان پہ نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اُٹھیں کہ تم نے عورتوں کی طرح مشکیں کسوالیں۔ یہ نہ ہو سکا کہ لڑ کر مر جاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے یہ جملے سُنے تو فرمایا، سودہ! رسول اللہؐ کے مقابلہ پر اشتعال پھیلا رہی ہو۔ حضرت سودہ دم بخود ہو گئیں۔ فوراً معذرت کی کہ یا رسول اللہؐ یہ جملے بے اختیار میری زبان سے نکل گئے۔

اسیرانِ بدر اور فدیہ بدر کی لڑائی میں جب کافر مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہو کر آئے تو حق تعالیٰ نے ان کے متعلق دو صورتیں مسلمانوں کے سامنے پیش کیں۔ قتل کر دینا یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا، اس شرط پر کہ آئندہ سال تمہارے اتنے ہی آدمی قتل کئے جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے اس بارہ میں مشورہ طلب کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے رائے دی کہ یا رسول اللہؐ! یہ سب قیدی اپنے خویش و اقارب اور بھائی بند ہیں۔ بہتر ہے فدیہ لے کر چھوڑ دئے جائیں۔ کیا عجب ہے کہ ان کو اسلام کی توفیق نصیب ہو اور یہ ہمارے دست و بازو بنیں، اور جو مال ہاتھ آئے وہ جہاد وغیرہ کی تیاری اور دینی امور میں کام آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طبعی میلان بھی رحمدلی اور صلہ رحمی کی بنا پر

اسی طرف تھا اور صحابۂ کرامؓ کی عام رائے بھی یہی تھی۔ یعنی دینی منافع کی بنا پر اور بعض مالی فائدہ کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے لیکن حضرت عمرؓ اور سعد بن معاذؓ نے اختلاف کیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ لوگ کفر و شرک کے سردار ہیں۔ اگر ان کو قتل کر دیا جائے تو کفر و شرک کی جڑ کٹ جائے گی۔ اس لئے مناسب ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے عزیز و قریب رشتہ دار کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔

آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے فرمایا کہ آپ کی مثال ابراہیم اور عیسیٰ علیہما السلام جیسی ہے اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تمہاری مثال نوح اور موسیٰ علیہما السلام جیسی ہے۔

اس کے بعد آپ بغیر کچھ کہے سنے آستانِ مبارک میں تشریف لے گئے۔

سیرت الکبریٰ میں فتح الباری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے اصحاب کو اختیار دے دیجئے کہ اسیروں کے قتل اور فدیہ میں سے ایک بات کر لیں لیکن اگر فدیہ لیں گے تو اگلے سال اسی قدر آدمی مارے جائیں گے۔ اس پر آپ نے صحابہؓ کو اختیار دے دیا۔ صحابہ کرامؓ نے قیدیوں کے قبولِ اسلام کی توقع اور صلہ رحمی کی بِنا پر فدیہ ہی اختیار کیا، اور ستّر مسلمانوں کے قتل کو اس لئے قبول کیا کہ وہ شہادتِ فی سبیل اللہ کا بلند ترین مقام حاصل کریں گے (سیرت الکبریٰ ج ۲ ص ۹۸۲)

مگر اس رائے کو اختیار فرمانا، اس وقت کے حالات کی وجہ سے اللہ کے ہاں پسند نہ ہوا اسے صحابہ کرام کی اجتہادی غلطی قرار دیا گیا۔ کیونکہ کسی درجہ میں مالی فوائد کے خیال سے دشمنانِ دین کو چھوڑ دینا اور ستّر مسلمانوں کے قتل پر راضی ہو جانا صحابہؓ کی شانِ عالی اور منصبِ جلیل کے منافی سمجھا گیا۔ تاہم اس عمل کو برقرار رکھتے ہوئے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت ہو گئی۔

مقدارِ فدیہ | فدیہ کی مقدار حسبِ حیثیت ایک ہزار سے چار ہزار درہم تک تھی۔ جو لوگ

نادار تھے، فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے وہ بلا کسی معاوضہ کے آزاد کر دیئے گئے، اور جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان کیلئے حکم ہوا کہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں اور رہا ہو جائیں۔

حضرت عباسؓ حضرت عباسؓ کی والدہ محترمہ مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج سے تھیں۔ اس لئے انصار کی ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ عباس ہمارے بھانجے ہیں، ہم ان کا فدیہ چھوڑتے ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہ دی اور حضرت عباسؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنا اور اپنے بھتیجے عقیل بن ابو طالب کا فدیہ ادا کریں۔ کہنے لگے میں تو مسلمان تھا۔ قریش نے مجھ کو جبراً جنگ میں شریک کیا۔ ارشاد فرمایا کہ آپ کے اسلام سے حق تعالیٰ زیادہ واقف ہوں گے۔ اگر آپ کا بیان صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا، مگر بظاہر تو آپ ہم پر چڑھ کر آئے تھے، اس لئے فدیہ دیجئے۔ حضرت عباسؓ نے اپنی ناداری کا عذر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عذر بھی قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ وہ رقم تو ہے جو آپ روانگی کے وقت اپنی زوجہ محترمہ (ام الفضل) کو دے آئے تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئے گی۔ اس رقم کا علم حضرت عباسؓ اور ان کی بیوی کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ اس لئے حضرت عباسؓ نے جب آپ کا یہ ارشاد سنا تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں پھر اپنا اور اپنے بھتیجے عقیل کا فدیہ دے کر رہائی حاصل کی اور ایمان لے آئے۔ چونکہ ان کا مکہ میں رہنا مصلحت تھا، اس لئے ان کو مکہ میں رہنے کی اجازت فرمائی۔

حضرت ابو العاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابو العاص بھی قیدیوں میں شامل تھے۔ حضرت زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار اتار کر ابو العاص کے فدیہ میں بھیجا۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ مناسب سمجھو تو زینبؓ کا ہار اس کو واپس کر دو۔ کیونکہ یہ اس کی والدہ محترمہ (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا) کی یادگار اس کے پاس ہے۔ مسلمانوں کا یہ امیرِ مطاع جس کے معمولی اشارے پر مسلمان جانیں چھڑکنے کو اپنی سعادت اور کامیابی سمجھتے تھے اس موقعہ پر اپنی رائے اور اختیار سے یہ ہار واپس کر سکتا اور ابو العاص کو بلا فدیہ رہائی بخش سکتا تھا۔ مگر

اس معاملہ کا تعلق آپ کی ذاتِ خاص سے تھا۔ آپ کی بیٹی اور داماد کا معاملہ تھا۔ اس لئے آپ نے بذاتِ خود کوئی فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ ضابطہ اور قاعدہ کی پابندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے معاملہ مسلمانوں کے سامنے رکھا۔ جیسے ہی مسلمانوں کو اس رقّت انگیز صورتِ حال کا احساس ہوا، سب نے درخواست کی کہ ماں کی یادگار بیٹی کو واپس کر دی جائے۔ چنانچہ مسلمانوں کے فیصلہ کے بموجب ابوالعاص بلا فدیہ رہا کر دیئے گئے۔ مکّہ پہنچ کر انہوں نے حسبِ وعدہ حضرت زینبؓ کو آپ کے پاس مدینہ بھجوا دیا۔

ابوالعاص بہت بڑے تاجر تھے۔ چند سال بعد بغرض تجارت شام کو گئے۔ واپسی پر مسلمانوں کے دستہ نے مع مال و اسباب ان کو گرفتار کر لیا۔ اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہو گیا۔ یہ چھُپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے پناہ دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابوالعاص کا اسباب واپس کر دو۔ تسلیم کی گردنیں جھُک گئیں اور سپاہیوں نے ایک ایک دھاگا تک لا کر واپس کر دیا۔ اب یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا۔ ابوالعاص مکّہ آئے، لوگوں کا حساب چکا کر دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے اور مدینہ چلے آئے۔

ابوعزّہ ابوعزّہ مشہور شاعر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اشعار اور قصیدے کہا کرتا تھا۔ جب فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو کہنے لگا کہ میں نادار اور عیال دار ہوں۔ مجھ پر احسان فرمایئے۔ آپ نے بلا فدیہ رہا کر دیا اور فرمایا کہ پھر ہمارے مقابلہ میں کسی کی مدد نہ کرنا۔ مگر پھر بدبختی سوار ہوئی۔ جنگِ اُحد کے موقعہ پر کفّار کا ساتھ دیا۔ جس میں پھر گرفتار ہو گیا اور منّتیں کرنے لگا۔ مگر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم مکّہ جا کر ڈینگیں مارو گے، کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دو دفعہ چکمہ دے آیا ہوں۔ اور فرمایا۔ لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَیْنِ (مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا) اور اس کے قتل کا حکم دے دیا۔

حضرت نوفل بن حارث اسیرانِ بدر میں آپ کے چچازاد بھائی نوفل بن حارث بھی تھے۔ آپ نے فرمایا۔ فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ۔ کہنے لگے، میرے پاس فدیہ کے لائق کوئی چیز نہیں۔ فرمایا۔ جدّے والے نیزے فدیہ میں دے سکتے ہو۔ یہ سُن کر وہ حیرت زدہ ہوئے۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے سچّے رسول ہیں۔ نیزے منگوا کر فدیہ میں پیش کئے اور مسلمان ہو گئے۔

عظیم الشّان معجزہ اور پیشین گوئی

رومیوں اور ایرانیوں کی آویزش کے سلسلہ میں قرآن حکیم نے جیسی واضح اور اٹل پیشین گوئی[1] فرمائی وہ قرآن حکیم کی حقانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل ہے۔ بعثتِ نبوی کے چوتھے سال آتش پرست ایرانی، اہلِ کتاب رومیوں پر غالب آئے۔ تو کفّارِ مکّہ نے خوشی کے شادیانے بجائے اور مسلمانوں کو چڑایا کہ جس طرح آتش پرست ایرانی، اہلِ کتاب رومیوں پر غالب آگئے ہیں، ہم بھی مسلمانوں پر غالب آکر رہیں گے۔ لیکن قرآن حکیم نے فوراً اعلان فرما دیا کہ یہ فتح عارضی ہے اور نو (۹) سال کے اندر اندر رومی ایرانیوں پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔ چنانچہ ابوبکر صدیقؓ نے اس خدائی اعلان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے سَو (۱۰۰) اونٹ کی شرط لگائی۔ چنانچہ نویں سال حیرت انگیز طریق پر بدر کی فتح کے وقت رومیوں کو کامل غلبہ حاصل ہو گیا اور ایرانیوں نے شکست فاش کھائی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ سلطنتوں کے بارے میں ایسی واضح، اور قطعی پیشین گوئی ماسوائے کلامِ الٰہی اور پیغمبرِ خدا کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

---

[1] الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّومُ فِیٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ط (ترجمہ) الم۔ اہلِ روم مغلوب ہو گئے۔ اس ملک میں جو حجاز کے متصل ہے اور وہ اہلِ روم اپنے اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب پھر غلبہ حاصل کریں گے۔ چند برسوں میں یعنی تین سال سے لے کر نو (۹) سال کے اندر اندر (روم)

صاحبزادی کا انتقال بدر کی روانگی کے وقت آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کیلئے مدینہ چھوڑا۔ مگر صاحبزادی کا اس مرض میں انتقال ہو گیا۔ لوگ صاحبزادی کو سپرد خاک کرکے فارغ ہوئے تھے کہ فتح بدر کی خبر پہنچی۔

ابولہب کا انجام بد ابولہب کسی وجہ سے جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکا تاہم غضب خداوندی سے بھی نہ بچ سکا۔ قریش کی ذلت آمیز شکست نے اُسے غم میں مبتلا کر رکھا تھا آٹھویں دن چیچک کا شکار ہو گیا۔ چیچک سے عرب بہت گھبراتے تھے اور چیچک کے مریض کے پاس نہیں جاتے تھے۔ چنانچہ ابولہب کو بھی اس کے لڑکوں نے الگ ڈال دیا، اور جب مر گیا، تو اس کی لاش کھینچ کر گڑھے میں ڈال دی۔ اس طرح وہ نہایت ذلت کی موت مرا۔

جنگِ بدر کا ردِّ عمل (۱) مکّہ میں جب شکست کی خبر پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی اور انتقام کی آگ سینوں میں بھڑک اُٹھی۔ کفارِ مکّہ نے فیصلہ کیا، کہ تجارتی قافلے کا سارا منافعہ جس کی مقدار پچاس[1] ہزار دینار تھی مسلمانوں کے خلاف تیاری میں صرف کیا جائے۔

(۲) ابوسفیان نے غیرت کی وجہ سے منادی کرا دی کہ کوئی شخص مقتولین بدر پر نوحہ نہ کرے ورنہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب ہم پر ہنسی اُڑائیں گے۔

(۳) **غزوہ سویق** : جنگِ بدر میں ابوسفیان کا ایک بیٹا مارا گیا اور ایک قید ہو گیا۔ اس نے قسم کھائی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا، اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالوں گا نہ اُجلا لباس پہنوں گا۔ نہ عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ چنانچہ انتقام لینے کی غرض سے دو سو سواروں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی، اور مدینہ سے تین میل باہر ایک انصاری کے باغ میں داخل ہو کر کچھ درخت جلا دیئے اور دو آدمیوں کو جو مصروفِ کار تھے قتل کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ مقابلہ کے لئے نکلے اور مقام کدر تک تعاقب کیا لیکن ابوسفیان مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا، اور راستے میں بدحواسی کے عالم میں اپنی زادِ راہ سے ستوؤں کے تھیلے سواریوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے گراتا گیا۔ جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

[1] سیرت المصطفیٰ جلد ۲

عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔ اسلئے یہ واقعہ غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہے۔

(۴) **کفّارِ مکّہ کا جوشِ انتقام :** ایک دن عمیر بن وہب اور صفوان بن امیّہ حطیم میں بیٹھے تذکرہ کر رہے تھے کہ سردارانِ قریش کے قتل ہو جانے کے بعد زندگی کا کچھ لُطف نہیں۔ عمیر نے کہا کہ اگر میرے ذمّہ قرض اور بچوں کا فکر نہ ہوتا تو مَیں ابھی جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیتا۔ صفوان نے کہا کہ تیرے قرض اور اہل وعیال کی خبر گیری سب میرے ذمّہ ہے، اور زہر میں بُجھی ہوئی ایک تلوار عمیر کو دی۔ اور عمیر مدینہ پہنچا۔ تلوار گلے میں حمائل تھی۔ حضرت عمرؓ پہچان گئے کہ کسی ناپاک ارادے سے آ رہا ہے، پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو اور آنے دو۔ پھر اسے پاس بٹھا کر پوچھا۔ کہو کس ارادے سے آئے ہو۔ جواب دیا کہ بیٹے کو چھڑانے کے لئے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا سچی بات کیوں نہیں کہتے کہ تم کو صفوان نے میرے قتل کے لئے آمادہ کر کے بھیجا ہے۔ عمیرؓ یہ سُن کر سنّاٹے میں آگیا اور بے اختیار ہو کر بولا کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ کہہ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔ ان کے فرزند کو بِلا فدیہ رہا کر دیا گیا۔

ادھر مکّہ میں صفوان لوگوں کو کہتا پھرتا تھا کہ مَیں تمہیں عنقریب ایک ایسا مژدہ سُناؤنگا کہ ہزیمتِ بدر کا غم بھول جاؤ گے۔ وہ نتیجہ کا انتظار کر رہا تھا کہ ایک دن خلافِ توقّع اُسے اطلاع ملی کہ جس شخص کو شکار کے لئے بھیجا تھا وہ خود شکار ہو گیا۔ صفوان نے قسم کھائی کہ عمر بھر عمیر سے بات نہیں کرونگا اور نہ ہی اس کی کسی طرح کی امداد کرونگا۔

عمیر اجازت لے کر مکّہ چلے آئے اور بڑی سرگرمی سے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔

حضرت عفرا بنت عبید انصاریہ رضی اللہ عنہا یہ وہ خوش قسمت خاتون ہے جس کے سات بیٹے جنگِ بدر میں شریک ہوئے۔ ایاس، عاقل، خالد، عامر، اور تین لڑکے پہلے خاوند سے تھے، معوذ، معاذ اور عوف۔ ان میں سے عاقل، معوذ اور عوف شہید ہوئے۔

غزوۂ بنی سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ بدر کے بعد شوال یا محرّم میں دو سو افراد کی معیّت میں جہاد کے لئے نکلے اور بنی سلیم کی بستی موضع کدر تک تشریف لے گئے۔ جب آبادی کے قریب پہنچے تو وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ آپ نے ان کے پانچ سو اونٹوں کو غنیمت بنایا اور تین روز قیام فرماکر بلاجدال و قتال واپس ہوئے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر مال غنیمت تقسیم کیا۔

عصماء کا قتل عصماء ایک یہودی عورت تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہا کرتی تھی۔ اور لوگوں کو آپ سے اور اسلام سے برگشتہ کرتی تھی۔ آپ ابھی بدر سے واپس تشریف نہیں لائے تھے کہ اس نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ اشعار کہے۔ عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کو سنتے ہی جوش آگیا اور منت مانی، کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے بخیر و خوبی واپس آگئے تو میں اس کو ضرور قتل کروں گا۔ چنانچہ جب آپ بدر سے مظفّر و منصور واپس تشریف لائے تو عمیرؓ رات کے وقت تلوار لے کر روانہ ہوئے اور اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ چونکہ نابینا تھے اس لئے عصماء کو ہاتھ سے ٹٹولا اور بچے جو اس کے اردگرد تھے، ان کو ہٹایا اور تلوار کو سینہ پر رکھ کر اس زور سے دبایا کہ پُشت سے پار ہوگئی۔ نذر پوری کرکے واپس ہوئے۔ صبح کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا فرمائی۔ اور واقعہ کی اطلاع دے کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ پر اس بارہ میں کچھ مؤاخذہ تو نہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔

نوٹ: پیغمبرِ حق کی شان میں گستاخی کرنے والے کا قتل قابلِ مؤاخذہ نہیں، بلکہ افضل درجہ کی عبادت ہے۔

ابوعفک کا انجام ابوعفک ایک سو بیس سال کا بوڑھا یہودی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتا اور لوگوں کو آپ کی عداوت پر اُبھارتا تھا۔ جب اس کی دریدہ دہنی اور گستاخی حد سے بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا۔ کون ہے جو میری عزت

حرمت کے لئے اس خبیث کا کام تمام کر دے۔ سالم بن عمیر نے پہلے ہی منت مانی ہوئی تھی۔ یہ سنتے ہی تلوار لے کر روانہ ہوئے۔ گرمی کی رات تھی۔ ابوعفک غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ پہنچتے ہی تلوار اس کے جگر پر رکھی اور اس زور سے دبایا کہ اسے کاٹتی ہوئی بستر تک پہنچ گئی۔

نوٹ: صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ اور رسول کی محبت میں اپنی جانوں کو پیش کیا، اور اپنے خون سے باغِ اسلام کو سینچا اور پروان چڑھایا۔ آپ کی رفاقت اور حفاظت کا حق ادا کر دیا۔

غزوۂ بنی قینقاع

عہد شکنی اور بغاوت قبائلِ یہود میں بنو قینقاع سب سے زیادہ جری اور بہادر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ایک اجتماع کیا اور نہایت خیر خواہانہ انداز میں اسلام کی دعوت دی اور عذاب سے ڈرایا۔ تو انہوں نے بہت بے باکانہ اور گستاخانہ جواب دیا، اور کہا کہ جنگِ بدر کی کامیابی سے دھوکا نہ کھائیں۔ ہم سے اگر پالا پڑا تو پتہ چل جائے گا کہ لڑائی کسے کہتے ہیں۔

جنگِ بدر کے بعد یہود کا جذبہ اور ان کی سیاست کا تقاضہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو اتنی مہلت نہ دی جائے کہ وہ زیادہ مضبوط ہو سکیں۔ اس لئے وہ اسلام کی اُبھرتی ہوئی طاقت کو دبانا چاہتے تھے۔ چنانچہ غزوہ بدر کے بعد ایک مہینہ پورا نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ عہد نامے کے پرخچے اڑا دیئے اور لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔

اسباب اتفاقاً ایک انصاری عورت کسی یہودی کی دکان پر سودا لینے گئی تو اس نے اسے چھیڑا اور بے حرمتی کی۔ ایک مسلمان یہ دیکھ کر بے قابو ہو گیا۔۔۔۔۔

اس نے یہودی کو زدوکوب کیا۔ اتفاق سے وہ مر گیا۔ اس پر یہودیوں نے جوش

بھرے بیٹھے تھے، مسلمان کو مار ڈالا، اور لڑائی کا فتنہ کھڑا کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھانے کی کوشش کی مگر یہودی اپنی طاقت کے نشہ میں چور تھے، صلح پر راضی نہ ہوئے۔

واقعات اور نتیجہ اب چونکہ ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر چڑھائی کی اور ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ دن کے بعد یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ آپ نے ان کی مشکیں باندھنے کا حکم دیا۔ غداری کی سزا قتل ہو سکتی تھی مگر آپ نے عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کی سفارش پر ان کی جان بخشی فرمائی، اور حکم دیا کہ وہ مدینہ چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں۔ یہودی اس پر رضامند ہو کر ملکِ شام چلے گئے۔

ان کے یہاں زیورات کا کام ہوتا تھا۔ باغات اور کھیت نہیں تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو سوائے سامان کے کوئی جائداد نہیں ملی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح

اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا۔ چار سو درہم مہر مقرر ہوا جس کی مقدار ڈیڑھ سو تولہ چاندی کے برابر ہے۔ اور حضرت فاطمہؓ کو ایک چارپائی ایک گدا جس میں کھجور کے پتے بھرے تھے۔ ایک تکیہ، چاندی کے دو۲ بازو بند، ایک مشکیزہ، دو۲ چکیاں اور دو۲ مٹی کے گھڑے جہیز میں عطا فرمائے۔

نوٹ: جہیز سادہ اور ضرورت کی چیزوں پر مشتمل ہونا چاہیئے۔

۳ سنہ ھ

غزوۂ غطفان غطفان قریش کے کاروانی راستہ پر مدینہ کے شمال مشرق میں آباد

تھے۔ ان کا پیشہ لُوٹ مار کرنا تھا۔ یہ لوگ اطرافِ مدینہ میں لُوٹ مار کرنے کے لئے نجد میں جمع ہو رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ پیش قدمی کر کے اُن کی سرکوبی کے لئے نکلے۔ ان پر ایسا رُعب طاری ہوا کہ مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور پہاڑوں میں چھپ کر پناہ لی۔

معجزہ آپ واپس ہوتے ہوئے ایک درخت کے سایہ میں لیٹ کر آرام فرمانے لگے۔ یہ دیکھ کر اُن کا سردار دعثور تلوار سونت کر آپ کے پاس آکھڑا ہوا، اور کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج آپ کو میری تلوار سے کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا۔ اَللّٰہ۔ اتنا فرمانا تھا کہ اسی وقت تلوار اُس کے ہاتھ سے گر گئی[1]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اُٹھا کر دعثور سے پوچھا کہ اب تجھے میری تلوار سے کون بچائے گا۔ اس نے کہا، کوئی نہیں۔ آپ نے اس کی بے چارگی پر رحم کھا کر اس کی جان بخشی فرمائی۔

دعثور کا بیان ہے کہ غیب سے میرے سینے پر اس طرح مُکّا لگا۔ جس سے مَیں چت گر پڑا۔ مَیں نے یقین کر لیا کہ مُکّا مارنے والا کوئی فرشتہ ہے اِس پر مَیں نے اسلام قبول کر لیا[2]۔

ف: اگر مغلوب ہو تو اللہ کو یاد کرے اور اس پر نظر رکھے۔ غالب ہو تو معاف کر دے۔

کعب بن اشرف یہ یہودی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص عداوت رکھتا تھا۔ واقعہ بدر کے بعد لوگوں کو آپ کی مخالفت پر اُبھارتا تھا۔ آپ نے محمد بن مسلمہ کو اس کی سرکوبی کے لئے مامور فرمایا۔ یہ چند آدمیوں کو لے کر ان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ ہمیں کچھ غلہ قرض دے دیں۔ اس نے کہا کہ آپ میرے پاس اپنی عورتیں یا بچے رہن رکھ دیں۔ انہوں نے کہا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا البتہ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے ہتھیار آپ کے پاس رکھ دیں۔ کعب نے اس کو منظور کر لیا اور کہا کہ رات کے وقت اپنے ہتھیار رکھ جاؤ اور غلہ لے جاؤ۔ حسب وعدہ محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھی رات کو پہنچے، اور

---

[1] اس قسم کا واقعہ ذات الرقاع میں بھی بیان کیا جاتا ہے۔ [2] سیرت المصطفیٰ ج ۲ صفحہ ۱۶۸۔

اُسے باہر بُلایا۔اس کی بیوی نے روکا مگر کعب اپنے قلعہ سے باہر آگیا۔محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھیوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔اور فجر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع کی۔جب یہود کو اس واقعہ کا علم ہوا تو خوف زدہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارا سردار اس طرح مارا گیا۔آپ نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتا تھا اور لوگوں کو ہمارے خلاف جنگ پر آمادہ کرتا اور اُبھارتا تھا۔یہود دم بخود رہ گئے۔کوئی جواب نہ دے سکے۔بعد ازاں آپ نے ان سے ایک عہدنامہ لکھوایا کہ یہود میں سے آئندہ کوئی اس قسم کی حرکت نہیں کرے گا۔

سریہ زید بن حارثہ رضؓ واقعہ بدر کے بعد قریش پر مسلمانوں کا خوف غالب ہو گیا اور ان کا شام کو جانے والا تجارتی راستہ مخدوش ہو گیا۔اس لئے انہوں نے اپنے اس راستہ کو چھوڑ کر عراق کی طرف سے جانے کا راستہ اختیار کر لیا اور ایک قافلہ مکہ سے مالِ کثیر لے کر روانہ ہوا تا کہ اس کے اجتماعی منافع سے تیاری کر کے مسلمانوں پر چڑھائی کریں۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے سو صحابہؓ کو زید بن حارثہ کی سرکردگی میں قافلہ کے تعاقب کے لئے روانہ کیا۔انہوں نے بہت جلد قافلہ کو جا لیا۔ابوسفیان اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔صرف فرات بن حیان گرفتار ہوئے جو مدینہ آکر مسلمان ہو گئے۔بہت سامالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس کا اندازہ ایک لاکھ درہم ہے۔

ابورافع[1] کعب بن اشرف کے مارے جانے کے بعد ابورافع یہودی نے سر اُٹھایا۔یہ خیبر کا رہنے والا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی شان میں گستاخانہ حرکتیں کرتا اور لوگوں کو آپ کے مقابلہ پر اُبھارتا تھا۔اور ان کی بہت کچھ مالی امداد کرتا تھا۔۔۔۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمادی الآخر سنہ ۲ میں حضرت عبداللہ بن عتیکؓ انصاری کو اس کی سرکوبی کے لئے مقرر ہوئے۔یہ رات کو اس کے قلعے میں داخل ہو گئے۔ابورافع سو رہا تھا کر دیا

[1] ابورافع کا قتل سنہ ۶ھ میں ہوا۔اور بعض کہتے ہیں کہ سنہ ۵ھ میں ہوا۔واللہ اعلم

اندھیرا تھا۔ انہوں نے آواز دی۔ ابورافع نے کہا۔ کون ہے ——— یہ آواز سن کر اس طرف متوجہ ہوئے اور تلوار اس کے پیٹ پر رکھ کر اس زور سے دبائی۔ کہ پشت تک پہنچ گئی۔

معجزہ | واپسی پر سیڑھی سے اترنے لگے۔ پاؤں پھسل گیا۔ پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر واقعہ بیان کیا۔ اور خوش خبری سنائی۔ آپ نے فرمایا۔ اپنی ٹانگ پھیلاؤ۔ انہوں نے ٹانگ پھیلا دی۔ آپ نے دستِ مبارک پھیرا۔ ایسا معلوم ہوا کہ کبھی شکایت ہی پیش نہیں آئی تھی۔

غزوۂ اُحد

اُحد | اُحد مدینہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور مدینہ سے شمال کی طرف تقریباً دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسی مقام پر شوال ۳ سنہ ہجری مطابق ۶۲۵ء میں مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان معرکۂ حق و باطل گرم ہوا۔

اسباب | بدر کی تباہ کن اور ذلت آمیز شکست کے بعد قریشِ مکہ نے پوری قوت کیساتھ جوابی کارروائی کی جدوجہد شروع کر دی۔ تجارتِ شام کا پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ جو ابھی تقسیم نہیں ہوئے تھے لڑائی کی تیاری کیلئے مخصوص کر دیئے گئے۔ اس موقعہ ابوعامر[۱] نے بھی قریش کو یقین دلایا کہ انصار جب مجھ کو دیکھیں گے،

---

[۱] ابوعامر مدینہ کا رہنے والا تھا اور اسلام سے پہلے قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ جب مدینہ میں اسلام کا چرچا ہوا تو یہ حسد کی وجہ سے مخالفت پر تُل گیا۔ مدینہ سے نکل گیا اور قریش سے جا ملا۔ اور ان کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ اسی نے جنگ کا آغاز کیا اور انصار کو توڑنے کے لئے ان سے خطاب کیا۔ مگر انصار نے اسے منہ توڑ جواب دیا۔ پھر اس نے سختی سے مقابلہ کیا۔

تو حضور کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ آملیں گے اور ابو عزہ شاعر نے تہامہ میں گشت لگا کر قبائل میں آگ لگا دی، اور بنو کنانہ کو بھی قریش کی مدد پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ قریش کے ساتھ دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کی غرض سے نکل پڑے۔ حتیٰ کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تاکہ مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں، اور تین ہزار بہادروں کا یہ مسلح لشکر دندناتا ہوا مدینہ کی طرف روانہ ہوا، اور جبلِ اُحد کے قریب خیمہ زن ہوا۔

تیاری آپ کے چچا حضرت عباس نے مکہ سے ایک تیز رو قاصد کے ذریعہ لشکر کی روانگی کی آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے خبر پاتے ہی دو آدمیوں کو پتہ لینے کیلئے روانہ کیا انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچ گیا ہے۔ آپ نے ہر طرف پہرہ مقرر کر دیا اور صبح کو صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ آپ کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ آسانی اور کامیابی سے کیا جا سکتا ہے۔ اس کی تائید آپ کے ایک خواب سے بھی ہوتی تھی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے بھی رائے لی گئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے موافق تھی۔ مگر اکثریت کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنا کمزوری کی بات ہے اور بعض پُر جوش صحابہؓ نے جنہیں بدر کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی اور شوقِ شہادت بے چین کر رہا تھا، اصرار کیا کہ ہمیں باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ غرض مسلمانوں کے شوقِ شہادت کو دیکھتے ہوئے آپ گھر تشریف لے گئے۔ اکابر صحابہؓ نے اپنے اصاغر کو ان کی رائے پر ملامت کی۔ آپ زرہ پہن کر باہر آئے تو ان نوجوانوں اور شمعِ اسلام کے پروانوں نے اپنی رائے پر اظہارِ ندامت کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! آپ صرف اپنی رائے پر عمل فرمائیں اور مدینے کے اندر رہ کر ہی دشمن کا مقابلہ کریں۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ خدا کی راہ میں ہتھیار لگا کر بغیر جنگ کئے اُتار دے۔ اب اللہ کا نام لے کر میدان میں نکلو اور میں جو حکم دوں وہ کرو۔ اور جب تک تم صابر اور ثابت قدم

جنگِ اُحد
(فوجوں کے راستے)
میدانِ جنگ
بلند چٹان
کفار کا پڑاؤ
جبلِ عینین
کا راستہ
بنی حارثہ
جبلِ سلع
شیخین
مسجد نبوی
مدینہ منورہ
بنی ظفر
وادی بطحان
وادی مذینب
قبا
جبلِ عیر
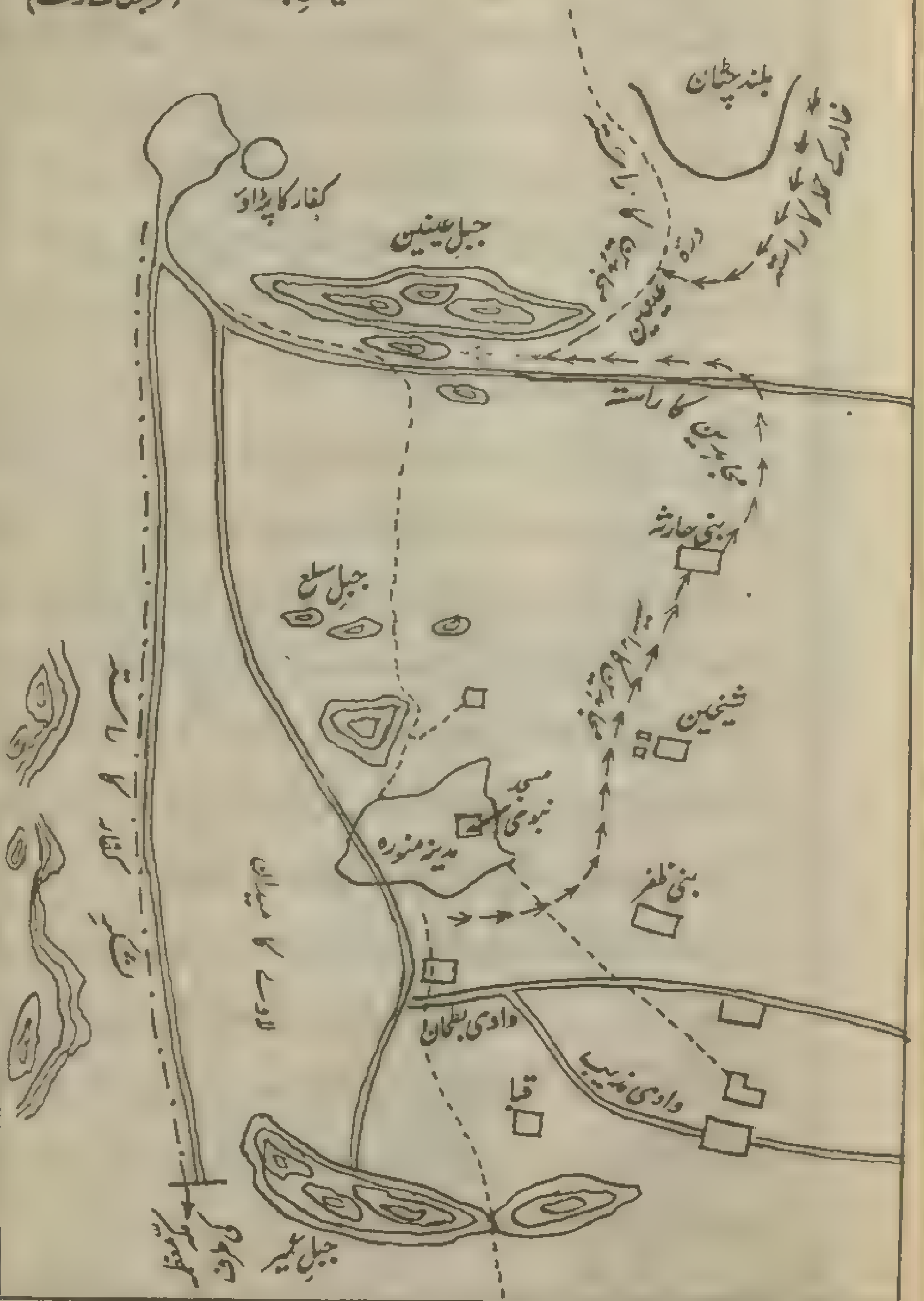
رہوگے تو اللہ کی فتح اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔

کم سن بچّوں کا جوشِ جہاد شہر سے باہر نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا اور کمسن بچّوں کو واپس کر دیا گیا۔ مگر ان کے جوشِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ رافع بن خدیج جو ابھی نوعمر تھے، پنجوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ ان کی تدبیر کارگر ہوئی اور وہ جہاد میں لے لئے گئے۔ جب سمرہ بن جندب صغیر سن قرار دے دیئے گئے تو وہ رونے لگے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر رافع شریکِ جنگ ہو سکتا ہے تو مَیں کیوں نہیں ہو سکتا۔ جبکہ مَیں رافع کو کشتی میں پچھاڑ دیتا ہوں۔ آخر دونوں کی کُشتی کرائی گئی۔ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا تو وہ بھی مجاہدین میں شامل کر لئے گئے۔

منافقین کی واپسی جب آپ مدینہ سے باہر تشریف لائے تو ایک ہزار کا لشکر آپ کے ہمراہ تھا۔ مگر عبداللہ بن ابی منافق نے عین وقت پر دغا دی اور اپنے تین سو ساتھیوں کو یہ کہہ کر واپس لے گیا کہ جب ہماری بات نہیں مانی اور ہمارے مقابلہ میں ناتجربہ کار نوجوانوں کی رائے کو ترجیح دی گئی تو ہم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں۔ بعض لوگوں نے سمجھایا کہ عین موقعہ پر کہاں بھاگتے ہو۔ اگر دعوائے اسلام میں سچے ہو تو آؤ اللہ کی راہ میں لڑو، ورنہ کم از کم دشمن کو دفع کرنے میں حصّہ لو۔ تو اس نے جواب دیا کہ اگر ہم اس لڑائی کو واقعی لڑائی سمجھتے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔

عبداللہ بن ابی کی علیحدگی سے دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دلوں میں کچھ کمزوری پیدا ہوئی اور مسلمانوں کی قلّت کو دیکھ کر دل چھوڑنے لگے، اور خیال آیا کہ میدان سے سرک جائیں۔ مگر حق تعالیٰ نے دستگیری فرمائی۔ دلوں کو مضبوط کر دیا اور سمجھا دیا کہ مسلمانوں کا بھروسہ تعداد اور سامان پر نہیں بلکہ تنہا خدائے واحد کی اعانت و نصرت پر ہونا چاہیئے تعداد اور سامان وغیرہ پر نظر نہیں ہونی چاہیئے۔

صف بندی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس نقشۂ جنگ قائم کیا۔ فوجی

قاعدے سے صفیں ترتیب دیں ـــ صفیں درست کرنے کے بعد پہاڑ کا ایک درہ باقی رہ گیا ۔ اس پر آپ نے پچاس تیر اندازوں کو جن کے سردار عبداللہ بن جبیر تھے ۔ مامور فرما کر تاکید کر دی کہ فتح و شکست کسی حال میں بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں ۔ حتیٰ کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ان کا گوشت نوچ کر کھا رہے ہیں ، تب بھی مورچہ نہ چھوڑنا ۔ تاکہ پشت کی جانب سے دشمن حملہ آور نہ ہو سکے ۔

جنگ کا آغاز فوج کو پوری ہدایت دینے کے بعد جنگ شروع ہوئی ۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی ۔ آپ نے فرمایا ۔ کون اس کا حق ادا کریگا ۔ بہت سے صحابہؓ نے اس تلوار کی خواہش کی مگر آپ نے یہ تلوار ابو دجانہؓ کو عطا فرمائی ۔ معرکہ کارزار گرم تھا ۔ غازیانِ اسلام بڑھ چڑھ کر شجاعت دکھا رہے تھے ۔ حضرت ابو دجانہؓ ، حضرت حمزہؓ ، حضرت علیؓ اور دیگر مجاہدینِ اسلام کفّار کی صفوں میں گھس کر مردانگی کے جوہر دکھانے لگے ۔ ان کی بسالت اور بے جگری کے سامنے مشرکین قریش کی کمریں ٹوٹ چکی تھیں ۔ ان کے بائیس سردار یکے بعد دیگرے مارے گئے ۔ اب ان کو فرار کے سوا کوئی چارہ نہ تھا ۔ حق تعالیٰ نے اپنا وعدہؔ پورا کر دکھایا ۔ ابو دجانہؓ فوجوں کو چیرتے اور لاشوں پر لاشیں گراتے جاتے تھے ۔ یہاں تک کہ ہند سامنے آگئی ۔ ابو دجانہؓ نے اس کے سر پر تلوار رکھ کر اُٹھالی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ایسی نہیں کہ عورت پر آزمائی جائے کفّار کو شکست فاش ہوئی اور بدحواس ہو کر بھاگے ۔ ان کی عورتیں جو غیرت دلانے کو آئی تھیں ، پائینچے چڑھا کر اِدھر اُدھر بھاگتی نظر آئیں ۔ مجاہدین نے مالِ غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا ۔

عدولِ حکمی

① مجاہدین کا مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑنا ہزیمت خوردہ مشرکین جب بدحواس ہو کر

لہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ (سورۂ محمد) اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا ۔ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (ال عمران) اور تم ہمت نہ ہارو اور غمگین نہ ہو ۔ حالانکہ تم ہی غالب رہوگے بشرطیکہ تم کامل مومن ہو ۔

نقشہ جنگِ اُحد
مسلمانوں کا کیمپ
خالد کا حملہ
اسلامی لشکر
میدانِ جنگ
بلند چٹان
مقابر شہداء
کفار کا لشکر
مقبرہ حضرت حمزہ
اور مسجد
کفار کا کیمپ
درۂ عینین
جبلِ عینین
بنی حارثہ
وادی عقیق
وادی بطحان
کفار کا راستہ
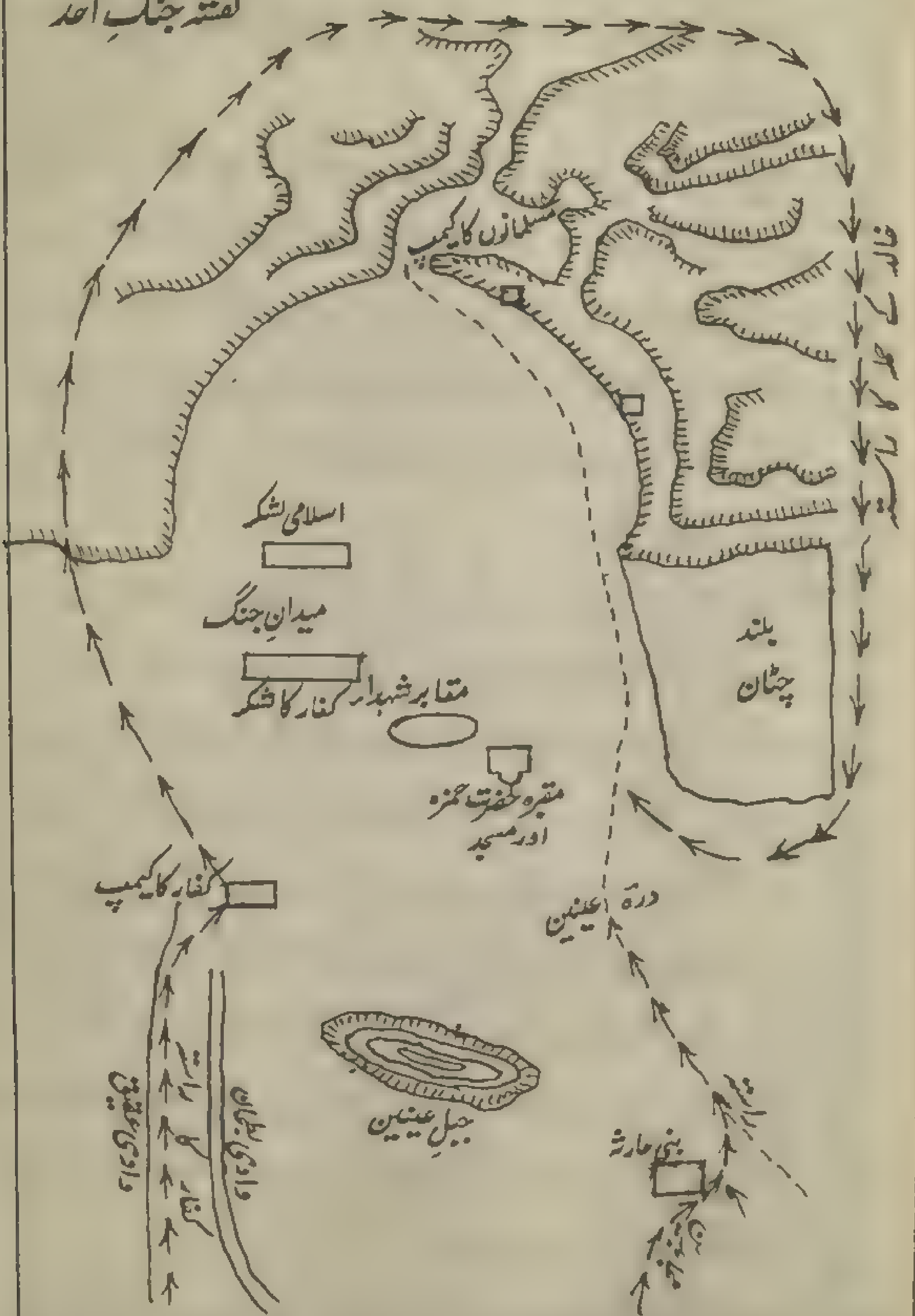
بھاگنے لگے تو اکثر مسلمان مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے ان کے تعاقب میں دوڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے پکارتے رہے کہ آگے مت جاؤ، میری طرف آؤ۔ مگر کسی نے نہ سنا۔ (کشف الرحمٰن بحوالہ موضح القرآن)۔

② تیر اندازوں کی غلطی یہ منظر جب تیر اندازوں نے دیکھا کہ دشمن بھاگ رہا ہے تو سمجھے کہ اب فتح کامل ہو چکی ہے، یہاں ٹھہرنا بے کار ہے۔ دشمن کا تعاقب کرنا اور غنیمت میں حصّہ لینا چاہیئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان کو یاد دلایا۔ مگر وہ سمجھے کہ ہم آپ کے ارشاد کا اصلی منشا پورا کر چکے ہیں، اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں یہ خیال کر کے اکثر غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ صرف حضرت عبداللہ اور ان کے گیارہ ساتھی درہ کی حفاظت کے لئے باقی رہ گئے۔

مشرکین کا حملہ بھاگتے ہوئے دشمن نے جب گھاٹی کو خالی دیکھا۔ تو خالد بن ولید نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پہاڑ کا چکر کاٹ کر پیچھے درّہ کی طرف سے حملہ کر دیا۔ دس بارہ تیر انداز ڈھائی سو سواروں کی یلغار کو کہاں تک روک سکتے تھے۔ تاہم انہوں نے مدافعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور اسی میں جان دے دی۔ مجاہدین اپنے عقب سے مطمئن تھے کہ ناگہاں مشرکین کا رسالہ ان کے سروں پر جا پہنچا، اور سامنے سے مشرکین کی فوج جو بھاگی جا رہی تھی، پیچھے مڑ کر حملہ آور ہوئی۔ مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے اور لڑائی کا پانسہ بالکل پلٹ گیا۔ فتح، شکست میں تبدیل ہو گئی۔ تھوڑی سی کوتاہی سے بنا بنایا کام بگڑ گیا۔ کتنے ہی مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ دوست دشمن کی تمیز نہ رہی۔ حضرت حذیفہؓ کے والد یمان اس کشمکش میں آگئے۔ ان پر مسلمانوں کی تلواریں برس پڑیں۔ وہ چلاتے رہے کہ میرے باپ ہیں مگر کون سنتا تھا۔ غرض وہ شہید ہو گئے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت اس غزوہ میں ستر مسلمان شہید اور بہت سے زخمی ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا اور جاں نثار صحابی حضرت حمزہؓ کی شہادت اس واقعہ کا

زبردست سانحہ ہے۔ زبانِ وحی ترجمان نے ان کو سیّد الشہداء کا لقب عطا فرمایا۔ جنگِ بدر میں حضرت حمزہؓ نے جبیر بن مطعم کے چچا اور ہندہ زوجہ ابوسفیان کے والد عتبہ کو قتل کیا تھا۔ جبیر نے اپنے غلام وحشی سے حضرت حمزہؓ کے قتل کے عوض آزادی کا اور ہندہ نے انعام کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار مارتے ہوئے بڑھے چلے جارہے تھے۔ وحشی کا بیان ہے میں نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ شیر کی طرح بپھرے ہوئے میری طرف کو آرہے ہیں۔ میں بھاگا اور کترا کر ایک پتھر کی آڑ میں چھپ گیا۔ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ جب وہ میرے برابر پہنچے، میں نے گھات میں سے اپنا حربہ یعنی چھوٹا نیزہ تاک کر مارا۔ ان کی ناف کے نیچے لگا۔ وہ میری طرف جھپٹے، لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور رُوح پرواز کر گئی۔ پھر میں نے پاس جا کر اپنا حربہ نکال لیا۔

حضرت حنظلہؓ حضرت حنظلہؓ[1] نے ابوسفیان پر حملہ کیا۔ کہ دفعۃً ایک کافر نے ان کے وار کو روکا۔ اور ان کو شہید کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد جب ان کی لاش تلاش کی گئی تو سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ ان کی بیوی سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ جنابت کی حالت میں ہی جہاد کے لئے روانہ ہو گئے تھے (سیرت المصطفیٰ ج۔۲ ص ۱۹۵)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زخمی ہونا اب مسلمان گھبرائے اور اس اچانک حملہ سے ان کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ دشمنانِ خدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے۔ مصعب بن عمیرؓ نے مدافعت کی۔ ابنِ قمیّہ نے حملہ کیا اور ان کو شہید کر دیا۔ کفّار کا زیادہ زور اور دباؤ اسی طرف تھا۔ اس وقت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ ارشاد صادر ہوا کہ کون مجھ پر قربان ہوتا ہے۔ اس پر پانچ انصاری آگے بڑھے اور ایک ایک کر کے سب نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ عتبہ بن ابی وقاص[2] نے پتھر کھینچ کر مارا۔ جس سے آپ کے دو دانت ٹوٹ گئے

---

[1] حضرت حنظلہ ابوعامر کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے باپ کے مقابل نکلنے کی اجازت چاہی مگر رحمتِ عالم نے باپ بیٹے کی جنگ پسند نہ فرمائی۔ [2] ابوسفیان نے کہا کہ نبی کے قتل کرنے والے کو سونے کے کڑے (بقیہ صفحہ آئندہ)

اور نیچے کا ہونٹ پھٹ گیا۔ ابن قمیہ نے آپ کے رُخِ انور پر اس زور سے تلوار ماری جس سے خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں گھس گئیں۔ عبداللہ بن شہاب نے پتھر مار کر آپ کی پیشانی کو زخمی کیا۔ بدن لہولہان تھا۔ اسی حالت میں آپ کا پاؤں لڑکھڑایا اور آپ ایک قریب کی گھاٹی میں گر گئے۔ کافروں نے یہ مشہور کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید کر دیئے گئے۔ یہ سُنتے ہی مسلمانوں پر سناٹا چھا گیا اور ہوش خطا ہو گئے۔ بعض نے بالکل ہمت ہار دی۔ انس بن نضر نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہارا زندہ رہنا کس کام کا ہے۔ جس کام پر آپ قتل ہوئے، تم بھی اسی پر کٹ مرو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے تقریباً نوّے زخم کھا کر شہید ہو گئے۔

اس اضطراب اور پریشانی کے عالم میں تھوڑے سے جاں نثار جم کر سامنا کر رہے تھے اکثر بدحواس ہو کر بھاگے چلے جاتے تھے۔ اس اثنا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو آپ سنبھلے اور لوگوں کو پُکارا۔ اِلَیَّ عِبَادَ اللهِ اَنَا رَسُوْلُ اللهِ۔ "اللہ کے بندو ادھر آؤ، مَیں اللہ کا رسول ہوں"۔ مگر وہ گھبراہٹ کے عالم میں پیچھے مُڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ آخر جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پہنچاؤں گا۔ عبداللہ بن شہاب، عتبہ بن ابی وقاص ابن قمیّہ ابی بن خلف اور عبداللہ بن حمید نے مل کر معاہدہ کیا کہ جس طرح ہو سکے آج رسول خدا کا کام تمام کر دیں گے۔ اسلئے وہ شمعِ نبوت کو گل کرنے کے لئے بے چین تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر آپ کے بہت مشابہ تھے۔ ابن قمیہ نے ان کو شہید کیا تو سمجھا کہ میں نے خدا کے نبی کو شہید کر دیا ہے۔ اور ابو سفیان کے پاس اس امر کا دعویٰ کیا۔ مگر لڑائی کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر ابو سفیان کو شک تھا۔ اس لئے میدان خالی ہونے پر اُس نے لاشوں میں تلاش کیا، اور شک دُور کرنے کے لئے اور تحقیق حال کی خاطر جنگ کے بعد ٹیلے پر چڑھ کر مسلمانوں سے دریافت کیا کہ آپ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہیں، ابوبکر، عمر موجود ہیں؟ (حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] سات مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر، عمر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ، زبیر بن عوام، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم اور سات انصار میں سے ابو دجانہ، حباب بن منذر، عاصم بن ثابت، حارث بن صمہ، سہیل بن حنیف، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم (سیرت المصطفیٰ ج ۲ ص ۱۹۸)

کعب بن مالک آپ کو دیکھ کر چلائے کہ مسلمانوں بشارت حاصل کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں موجود ہیں۔ آواز کا سننا تھا کہ مسلمان ادھر سمٹنا شروع ہو گئے۔ آپ نے ایک پتھر کی چٹان پر چڑھنا چاہا تو حضرت علیؓ نے دستِ مبارک پکڑا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نیچے بیٹھ گئے۔ آپ ان کی پیٹھ پر پاؤں رکھ کر اُوپر تشریف لے آئے، اور تیس ۳۰ صحابہؓ نے آپ کے قریب ہو کر مدافعت کی۔

شمعِ نبوّت کے پروانے اب کفّار نے بھی حملے کا رُخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف پھیر دیا۔ ادھر جان نثاروں نے بھی آپ کے گرد حلقہ باندھ کر آپ کو حفاظت میں لے لیا لڑائی کا سارا زور اسی طرف تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم آپ کی حفاظت کیلئے دیوار آہنی کی طرح ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت طلحہؓ دشمن کی تلواروں کو اپنے ہاتھ پر روکتے۔ یہاں تک کہ ان کی انگلیاں کٹ گئیں اور ہاتھ بے کار ہو گیا۔

اُمّ عمارہ لشکرِ اسلام کے پیچھے لڑائی دیکھنے کی غرض سے گئی تھیں مگر اس مشکل کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئیں۔ ابنِ قمیّہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وار کیا تو اُمِّ عمارہ نے تلوار لے کر ابنِ قمیّہ پر پے در پے کئی وار کئے۔ مگر وہ دو ہری زرہ پہن رہا تھا، اس لئے اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس نے اُمِّ عمارہ کے تلوار کا ایک ہاتھ مارا تو شانہ کے قریب ان کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص بھی اس وقت آپ کی رکاب میں حاضر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ترکش اُن کے آگے ڈال دیا۔ اور فرمایا کہ تم پر میرے ماں باپ قربان، تیر مارتے جاؤ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سعدؓ نے اس دن ایک ہزار تیر چلائے۔

حضرت ابو طلحہؓ بھی مشہور تیر انداز تھے۔ انہوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گئیں اور ایک ڈھال کے ذریعہ آپ کی حفاظت کر رہے تھے، کہ

آپ پر کوئی وار نہ کرے۔ آپ کبھی گردن اٹھا کر دشمن کی فوج کی طرف دیکھتے تو یہ عرض کرتے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ گردن نہ اٹھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ آپ سے پہلے اس کے لئے میرا سینہ موجود ہے۔

حضرت ابو دجانہؓ سپر بن کر آپ کے سامنے کھڑے تھے اور دشمن کے تیروں کو اپنی پشت پر روک رہے تھے۔ تیر پر تیر چلے آ رہے ہیں اور ابو دجانہؓ کی پشت ان کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ مگر اس اندیشہ سے کہ آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے، حس و حرکت نہیں کرتے۔

نوٹ: جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کمالاتِ نبوت ختم تھے اسی طرح آپ پر محبوبیت بھی ختم تھی، اور صحابہ کرام پر عشق ختم تھا۔ چشمِ فلک نے ایسی جانباز جماعت نہ پہلے کبھی دیکھی اور نہ قیامت تک دیکھے گی۔

ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! اگر میں قتل ہو گیا تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا آپ نے فرمایا۔ جنت میں۔ ان کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں جو کھا رہے تھے۔ یہ سنتے ہی پھینک کر معرکہ میں پہنچے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

معجزہ قتادہ بن نعمان کی آنکھ پر ایک تیر آ کر لگا۔ جس سے ان کی آنکھ نکل کر رخسار پر آ گئی۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے آنکھ کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اللہ کی قدرت سے آنکھ صحیح سالم پہلے سے بہتر اور خوبصورت ہو گئی۔

نیا محاذ لڑائی شدت سے جاری تھی کہ آپ کے گرد صحابہؓ کی جماعت جمع ہو گئی۔ اب کفار کے حملے ڈھیلے پڑنے لگے۔ صحابہ کرامؓ نے کفار کو مار مار کر ہٹایا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ تاکہ کفار کے نرغہ سے نکل کر پہاڑ کو پشت پر لے لیں اور لڑائی کا ایک محاذ قائم ہو جائے۔ چنانچہ یہ تدبیر بہت کامیاب ثابت ہوئی۔ آپ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ پہاڑ کی ایک بلندی پر چڑھ گئے۔ ابو سفیان نے بھی پیچھا کرتے ہوئے پہاڑ پر چڑھنا چاہا مگر حضرت عمر فاروقؓ نے چند ہمراہیوں کو لے کر

پتھراؤ کیا اور ابوسفیان کی کوشش کو ناکام بنا کر رکھ دیا۔

ابی بن خلف کا قتل جو لوگ منتشر ہو گئے تھے وہ پہاڑ کی بلندی پر آ آ کر گرد جمع ہونے لگے اور مسلمانوں کی جمعیت بڑھنے لگی۔ اب کفّار کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مگر ابی بن خلف اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حملہ کی نیّت سے بڑھا صحابہؓ نے روکنا چاہا۔ آپ نے فرمایا۔ آنے دو۔ وہ قریب پہنچ کر آپ پر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے ایک صحابی سے نیزہ لے کر اس پر وار کیا۔ اس سے اس کی گردن کے نیچے کچھ خراش آ گئی۔ یہ زخم بظاہر معمولی سا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن وہ یہ زخم کھا کر نہایت بدحواسی کے عالم میں بھاگا، اور اسی زخم کی وجہ سے واپسی میں مکّہ پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں مر گیا یہی کافر تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت عناد رکھتا تھا۔ اس نے ایک گھوڑا پال رکھا تھا اور آپ سے کہا کرتا تھا کہ میں نے یہ گھوڑا تمہارے قتل کرنے کے لئے پالا ہے۔ اس پر سوار ہو کر تمہیں قتل کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ میں ہی تجھے قتل کرونگا۔ ع گفتۂ او گفتۂ اللہ بود۔

خاتمۂ جنگ جب مسلمان پہاڑ پر چڑھ کر مورچہ بند ہو گئے تو اب ان کا مقابلہ کرنا، آسان کام نہیں تھا۔ اب کفّار کو لڑائی جاری رکھنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ ابوسفیان نے سامنے کے ٹیلے پر چڑھ کر دریافت کیا کہ کیا آپ لوگوں میں محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو فرمایا کہ جواب نہ دیا جائے، خاموش رہیں۔ چنانچہ کسی نے جواب نہ دیا اس نے دوبارہ پوچھا کہ کیا تم میں ابنِ قحافہ (حضرت ابوبکرؓ) موجود ہیں۔ مگر کسی نے جواب نہ دیا اس نے سہ بارہ پوچھا۔ کیا تم میں عمر ابن خطاب موجود ہیں؟ اس کا جواب بھی خاموشی میں ملا۔ ابوسفیان بولا کہ یہ سب قتل ہو چکے۔ اگر زندہ ہوتے تو جواب آتا۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا اور کہا کہ او اللہ کے دشمن تُو جھوٹ کہتا ہے۔ اللہ عزّ وجلّ نے ان سب کو تیرے قتل کے لئے باقی

رکھا ہے۔ ابوسفیان نے اُعْلُ ھبل، اُعْلُ ھبل کہہ کر ہبل بُت کی جے کا نعرہ لگایا۔ یعنی اے ہبل تُو اونچا رہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ۔ "اللہ تعالیٰ ہی سب سے اونچا اور بزرگ تر ہے"۔ ابوسفیان نے پھر طیش میں آکر کہا۔ لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ۔ "ہماری مددگار عزیٰ ہے۔ تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عمر اس کو جواب دو۔ اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ۔ "اللہ ہمارا والی و مددگار ہے۔ تمہارا کوئی والی اور مددگار نہیں"۔ پھر ابوسفیان نے پکار کر کہا کہ یہ بدر کی جنگ کا بدلہ ہے۔ ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال پھر بدر پر ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جواب دیا گیا کہ ہمیں منظور ہے۔ اس کے بعد کفار کے لشکر نے مکہ کی طرف کوچ کیا۔

اب لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے خود کی گھسی ہوئی کڑیاں دانتوں سے کھینچ کر نکالیں تو ان کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ اس موقعہ پر حضرت فاطمہؓ رضی اللہ عنہا بھی بے قراری کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک آپہنچیں۔ اس وقت چہرۂ انور سے خون بہ رہا تھا۔ مگر حضورؐ پوری احتیاط فرما رہے تھے کہ کوئی قطرہ زمین پر نہ گرے ورنہ خدا کا قہر نبی کے خون کا بدلہ لے گا۔ اور ساری قوم تباہ ہو جائے گی۔ حضرت علیؓ پانی لائے۔ حضرت فاطمہؓ نے چٹائی کا ٹکڑا جلا کر زخم میں بھرا۔ خون دھویا اور کچھ پانی سر پر ڈالا۔ بعد ازاں آپ نے وضو فرمایا، اور بیٹھ کر ظہر کی نماز پڑھائی۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ کی شہادت حضرت مصعب بن عمیرؓ اسلام لانے سے پہلے بڑے ناز و نعمت سے پلے ہوئے تھے۔ ان کے والدین دو دو سو درہم کا جوڑا خرید کر ان کو پہناتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد زہد و فقر کی زندگی بسر کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک چادر تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اور ایک جگہ چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ غزوۂ احد میں مہاجرین کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ جب مسلمان پریشانی کی حالت میں منتشر ہو رہے تھے تو یہ جمے رہے۔ ایک کافر نے تلوار مار کر ان کا

ہاتھ کاٹ دیا۔ تاکہ جھنڈا گر جائے اور مسلمانوں کو کھلی شکست ہو۔ انہوں نے فوراً دوسرے ہاتھ میں جھنڈا لے لیا۔ اس نے دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ انہوں نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر جھنڈے کو سینے سے چمٹا لیا۔ ایک کافر نے تیر مار کر انکو شہید کر دیا۔ جبتک زندہ رہے جھنڈے کو گرنے نہیں دیا۔

جب ان کو دفن کیا گیا تو صرف ایک چادر ان کے پاس تھی جو پورے بدن پر نہیں آتی تھی۔ اگر سر کو ڈھانکتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کی جاتی، تو سر کھل جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چادر سر کی جانب کر دی جائے۔ پاؤں پر گھاس ڈال دی جائے۔

ف : یہ آخری زندگی ہے اس نازوں سے پلے ہوئے کی جو دو دو سو درہم کا جوڑا پہنتا تھا کہ آج اس کو کفن کی ایک چادر بھی نہیں ملتی۔ اور اس پر ہمت یہ کہ زندگی میں جھنڈا نہیں گرنے دیا۔ دونوں ہاتھ کٹ گئے مگر پھر بھی اس کو نہ چھوڑا۔

شہیدِ قوم | جنگِ اُحد میں قزمان نامی ایک شخص نے بڑی بہادری سے سات آٹھ مشرکین کو قتل کیا۔ آخر میں خود زخمی ہو گیا۔ یہ منافق تھا۔ قتادہ بن نعمانؓ صحابی نے اُسے کہا۔ کہ اے قزمان تجھ کو شہادت مبارک ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نے دین اسلام کے لئے قتال نہیں کیا میں نے قوم اور قبیلہ کی حفاظت کے لئے قتال کیا ہے۔ آخر زخموں کی تکلیف سے گھبرا کر خودکشی کر لی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص دوزخی ہے۔

نوٹ : خدا کے نزدیک شہید وہ ہے جو اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے جہاد کرے۔

معجزہ | جنگ کے دوران عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی چھڑی مرحمت فرمائی جو ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ ایسا ہی غزوۂ بدر میں آپ نے عکاشہ بن محصن اور سلمہ بن حریس کو کھجور کی ایک ایک چھڑی عطا فرمائی۔ جو ان کے ہاتھوں میں جاتے ہی تلوار بن گئی۔

ف : جو ذات عصا کو سانپ بنا سکتی ہے وہ لکڑی کی شاخ کو تلوار بھی بنا سکتی ہے۔

لاشوں کی بے حرمتی | مشرکینِ مکہ نے اس جنگ میں درندوں اور خونخوار حیوانوں کی طرح

مردہ نعشوں کے ناک کان کاٹ ڈالے، اور پیٹ چاک کر کے دل و جگر کو نیزوں کی اَنی سے چھید چھید کر دل کا بخار نکالا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے سید الشہداء کا جگر چاک کر کے چبایا۔

حضرت صفیہؓ بھائی کی لاش دیکھنے کو آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کے صاحبزادے زبیرؓ نے منع کیا۔ تو کہا کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سُن چکی ہوں۔ میں نوحہ کرنے نہیں آئی، صبر کروں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ لاش پر گئیں۔ عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے دیکھے۔ صبر کیا اور دعائے مغفرت کر کے چلی آئیں۔

شہداء کی تدفین اختتامِ جنگ کے بعد شہداء کی تدفین کا انتظام کیا گیا۔ اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ جن میں سے سب سے بڑی ہستی حضرت حمزہ کی ذات تھی جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج ہوا۔ شہداء کو بِلا غسل خون آلود کپڑوں میں ایک ایک قبر میں دو دو کو دفن کر دیا گیا۔

ایک قول کے مطابق شہداء کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور ہر شہید کا جنازہ حضرت حمزہؓ کے پہلو میں رکھا جاتا اور اس پر نماز پڑھی جاتی۔ اس طرح حضرت حمزہؓ پر ستر بار نماز جنازہ ہوئی۔ احناف کے نزدیک اسی قول کی بِنا پر شہید پر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ شہدائے اُحد پر نماز نہیں پڑھی گئی۔ اسی روایت کی رُو سے شوافع شہید پر نماز جنازہ کے قائل نہیں۔

اہلِ مدینہ کے جذبات آپ کی شہادت کی غلط خبر جب مدینہ میں پہنچی تو مدینہ کے مرد عورت، بچے بوڑھے بے تابی کے عالم میں میدانِ جنگ میں پہنچ گئے۔

انصار کی ایک خاتون جس کا باپ، بھائی، شوہر تینوں اس معرکہ میں شہید ہو گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ سُن کر مدینہ سے چلیں۔ راستہ میں جب باپ، بھائی اور شوہر کی خبر سُنی تو یہ کہا کہ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا۔ الحمدللہ! آپ تو خیریت سے ہیں۔ اس نے کہا۔ مجھے قرار نہ ہو گا جبتک

میں جمالِ مبارک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ جب اُس نے آپ کو دیکھ لیا تو کہا کہ آپ کے سلامت ہوتے ہوئے ہر مصیبت بے حقیقت ہے۔

عفو و درگذر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کی نعش دیکھ کر فرمایا کہ میں حمزہؓ کے بدلہ میں کافروں کے ستر آدمیوں کا مثلہ کرونگا۔ اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ط (سورۂ نحل)

اگر تم کافروں سے بدلہ لینے لگو۔ تو اسی قدر بدلہ لو جسقدر تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہو اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنا یقیناً صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی بہتر ہے

۲: مشرکینِ مکہ کے وحشیانہ مظالم کو دیکھ کر آپ نے چند نامور اشخاص کے حق میں بد دعا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ط (آل عمران پ۴)

اے پیغمبر ان کے معاملہ میں تمہیں کوئی اختیار نہیں، خواہ اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

اور آپ کو بد دعا کرنے سے منع فرمایا۔ جن لوگوں کے حق میں آپ بد دعا کرنا چاہتے تھے چند روز کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب کو آپ کے قدموں میں لا ڈالا۔

ف: اس آیت سے معلوم ہوا کہ محض اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مختارِ کُل ہے۔ کہ جو چاہے سو کرے۔

نوٹ: یہ اُمت بھی کیا خوش نصیب ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عذاب کے بارے میں پیغمبر سے دریافت کرے تو پیغمبر رضامند نہ ہو۔ جیسا کہ طائف میں ہوا۔ کبھی پیغمبر بد دعا پر آمادہ ہو تو اللہ تعالیٰ روک دے ؎ شکر صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم۔

معافی کا اعلان جنگِ اُحد میں بہ تقاضائے بشریت صحابہ کرامؓ سے لغزشیں ہوئیں،

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی معافی کا اعلان کر دیا۔ اور قیامت کے مواخذہ سے سبکدوش فرما دیا اور لوگوں کو ان کی شان میں کوئی قابلِ اعتراض بات کہنے سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ کی صحابہ کرامؓ کے حال پر یہ بڑی شفقت اور عنایت ہے کہ شفقت آمیز عتاب میں غلطیوں کے ذکر کے ساتھ معافی کا اعلان بھی فرما دیا۔

ہزیمت کے ظاہری اسباب (۱) تمام معاملات میں عموماً اور میدانِ جہاد میں خصوصاً ضبط و نظم نہایت اہم امور ہیں۔ حق و صداقت کی علمبردار جماعت بھی اس کے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں کا پلّہ بھاری تھا اور مشرکین ہزیمت کھا کر بھاگ رہے تھے تو تیر بار جماعت نے مالِ غنیمت کے شوق میں اپنے سردار کے منع کرنے کے باوجود گھاٹی چھوڑ کر نظم و ضبط کی خلاف ورزی کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یک بیک فتح و نصرت شکست سے بدل گئی۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چشم زخم پہنچا اور دندانِ مبارک شہید ہوا۔

(۲) اکثر نوجوانوں نے جوش میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے قبول نہ کی اپنی پسند اور اختیار سے مدینہ سے باہر محاذِ جنگ قائم کیا۔

ف: امیر کی مخالفت کا کبھی تمام قوم کو خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ حکم عدولی سے نعمت سلب ہو جاتی ہے۔ جیسے فتح کی نعمت ہاتھ سے جاتی رہی۔

باطنی اسباب (۱) روحانی لحاظ سے اس کا سبب یہ تھا کہ ستر دشمن جو اس سے پہلے غزوۂ بدر میں گرفتار ہوئے تھے، ان کے متعلق جو فیصلہ کیا گیا تھا کہ ان کو فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ اگرچہ وہ قانونِ اسلام کی رُو سے درست تھا۔ مگر اس کا محرّک کسی قدر یہ جذبہ تھا کہ یہ ہمارے عزیز و اقارب ہیں، ان کو قتل نہ کیا جائے۔ بیشک رشتہ داروں پر رحم کرنا اسلام کی بنیادی تعلیم ہے لیکن رشتہ دار اگر دشمنِ خدا ہو تو جذبہ للّٰہیت کا تقاضہ یہ ہے کہ جذبۂ قرابت نظر انداز ہو، اور ان کی خدا دشمنی پیشِ نظر ہو۔ جو خدا سے بیگانہ ہے وہ اپنے سے بھی بیگانہ ہونا چاہئے۔

ورنہ عاشقِ مولیٰ ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔ (عہدِ زرّیں ج۔ا صفحہ ۱۷۱)

(۲) صحابہؓ جیسے عاشقین صادقین کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر دنیا کے مال و متاع جمع کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائیں۔ آپ پیچھے سے پکارتے تھے کہ آگے مت جاؤ، میری طرف آؤ۔ مگر کسی نے توجہ نہ کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبین اور مخلصین کی تنبیہ کے لئے وقتی طور پر فتح کو شکست سے بدل دیا۔ تاکہ آئندہ کے لئے متنبہ ہو جائیں کہ غیر اللہ پر نظر جائز نہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی، جماعتی نظم و نسق کو قائم نہ رکھنا، اہم مورچہ چھوڑ کر مرکز خالی کر دینا، بدر کے قیدیوں کا فدیہ اس شرط پر قبول کرنا کہ آئندہ سال اتنے آدمی شہید ہوں گے۔ یہ سب باتیں اُحد کی شکست کا موجب اور سبب ہیں۔

نتائج و بصائر (۱) اس وقتی ہزیمت کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے پیغمبر کی حکم عدولی، ہمت ہار دینے اور آپس میں اختلاف کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی اور دنیائے فانی کے متاع یعنی مالِ غنیمت کی طرف میلان اور بعض کی لغزش سے تمام لشکرِ اسلام ہزیمت کا شکار بنا۔

(۲) اس جنگ میں کھرے کھوٹے اور سچے جھوٹے کا امتیاز ہو گیا۔ مسلمان منافقین کو خوب پہچان گئے۔ میدانِ جہاد میں منافق اور ضعیف الاعضاء کا جُدا رہنا ہی مفید اور کامیابی کے لئے از بس ضروری ہے۔

(۳) ایک حکمت یہ تھی کہ شہادت کے متوالوں کو شہادتِ فی سبیل اللہ کی نعمت سے سرفراز فرمائیں۔

(۴) مسلمان آئندہ کیلئے سنبھل گئے اور پھر کسی جنگ میں "اُحد کی شکست" کا اعادہ نہیں ہوا۔

(۵) جنگ بدر اور اُحد سے قریش کی فوجی اور مالی قوت اس قدر متاثر ہوئی کہ آئندہ کے لئے وہ دوسرے قبائل کی مدد کے بغیر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

(۶) خلیفہ اور امیر کا فرض ہے کہ اہم اُمور میں مسلمانوں سے مشورہ کرے۔ اتفاق رائے

یا کثرتِ رائے سے جو فیصلہ ہو، اسی کو اپنا عزم بنائے۔

(۷) یہ ضروری نہیں کہ ہر حال میں اہلِ حق کو فتح ہو۔ اور ابتدائے کار میں بھی کبھی اُسے شکست نہ ہو۔

اور قبولِ حق و باطل اختیاری نہ رہے اضطراری بن جائے۔ انبیاءؑ ہمیشہ بشر ہوئے ہیں اسلئے ان کی حیثیت میں انسانی حیات کے سب نشیب و فراز نظر آنے چاہئیں۔ البتہ آخر کار غلبہ حق کو ہوتا ہے۔

۳ھ کے بعض واقعات

(۱) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اسی سال رمضان یا شوال میں پیدا ہوئے۔

(۲) اسی سال وراثت کا قانون نازل ہوا۔ عربوں میں لڑکیاں ترکہ پانے کی مستحق نہیں تھیں۔ مگر اسلام نے قانونِ وراثت میں ان کو بھی حق دیا۔

(۳) اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے جو عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، نکاح فرمایا۔

(۴) اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوا۔

(۵) اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضؓ سے نکاح کیا۔ یہ کثرتِ صدقہ کی بنا پر ام المساکین کے نام سے مشہور تھیں۔

نوٹ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے صرف ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وصال آپکی حیات میں ہوا۔

(۶) اسی سال شراب حرام ہوئی۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ شراب کا پینا ربیع الاول ۴ھ میں منع ہوا۔

(۷) مشرکہ کا نکاح مسلمان سے ابتک جائز تھا۔ اس سال اسکی بھی تحریم نازل ہوئی۔

غزوۂ حمراء الاسد

ابو سفیان نے کچھ دُور نکل جانے کے بعد یہ خیال کرکے کہ فتح نامکمل رہ گئی ہے پلٹ کر پھر مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو اعلان فرمایا کہ جو لوگ ہمارے ساتھ لڑائی میں شامل تھے، آج دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مسلمان مجاہدین باوجودیکہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے، اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر نکل کھڑے ہوئے۔ یہ آیت انہی کی شان میں ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ	جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول
مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ	کا، بعد اس کے کہ پہنچ چکے تھے ان کو زخم،
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا	جو ان میں نیک ہیں اور پرہیزگار ہیں،
اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (آل عمران پ ۴)	ان کو بڑا ثواب ہے۔

غرضیکہ آپ ان مجاہدین کی جمعیت کو لیکر مقام حمراء الاسد تک جو مدینہ سے آٹھ میل ہے، پہنچے تو قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور شہداء کی تعزیت کی معبد آپ سے رخصت ہو کر ابو سفیان سے جاکر ملا۔ ابو سفیان نے کہا۔ میرا ارادہ دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ہے۔ معبد نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھاری جمعیت کیساتھ تمہارے تعاقب کے لئے چلے آرہے ہیں۔ ابو سفیان کے دل میں یہ سُن کر کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آرہے ہیں، سخت رعب اور دہشت طاری ہو گئی اور یہ خیال کرکے کہ فتح کا نام تو ہو ہی گیا ہے دوبارہ کہیں بات اُلٹ نہ جائے، حملہ کا ارادہ فسخ کرکے مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باشوکت وعظمت مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔

سریہ ابو سلمہ یکم محرم سنہ ۴ ہجری میں آپ کو خبر ملی کہ طلیحہ اور سلمہ آپ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ نے ابو سلمہ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا۔ وہ لوگ ان کی خبر پاتے ہی منتشر ہوگئے۔ بہت سے اونٹ اور بکریاں ہاتھ آئیں۔ ہر شخص کے حصّے میں خمس نکالنے کے بعد سات سات اونٹ اور بکریاں آئیں۔

نوٹ: طلیحہ بن خویلد بعد میں مسلمان ہوئے لیکن آپ کی وفات کے بعد مرتد ہوگئے اور نبوّت کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کے مقابلہ کے لئے خالد بن ولید کو روانہ کیا۔ طلیحہ بھاگ کر شام چلے گئے، اور تائب ہو کر پھر اسلام میں داخل ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ برابر لڑائیوں میں شریک رہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت ۲۱ھ میں معرکہ نہاوند میں شہید ہوئے۔ طلیحہ کے دوسرے بھائی سلمہ مسلمان نہیں ہوئے۔

غزوۂ بدر ثانی ۔ سنہ ۴ھ

جنگِ اُحد کے تمام ہونے پر ابو سفیان سے وعدہ ہو چکا تھا کہ آئندہ سال پھر بدر پر لڑائی ہوگی۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہ کو ہمراہ لے کر جہاد کیلئے روانہ ہوئے۔ ادھر ابو سفیان مکّہ سے فوج لے کر نکلا۔ مگر تھوڑی دُور چل کر کمرِ ہمّت ٹُوٹ گئی۔ رعب چھا گیا اور قحط سالی کا عذر کر کے چاہا کہ مکّہ کو واپس جائے مگر صورت ایسی ہو کہ الزام مسلمانوں پر رہے۔ ایک شخص کو کچھ دے کر آمادہ کیا کہ مدینہ پہنچ کر ایسی خبریں شائع کرے جس کو سُن کر مسلمان ڈر جائیں اور جنگ کو نہ نکلیں۔ اس نے مدینہ پہنچ کر کہنا شروع کیا کہ مکّہ والوں نے بڑا بھاری لشکر اور سامان جمع کیا ہے۔ تم کو لڑنا بہتر نہیں۔ یہ سُن کر مسلمانوں کے دلوں میں جوشِ ایمان بڑھ گیا اور کہنے لگے "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" ساری دنیا کے مقابلہ میں اکیلا خدا ہم کو کافی ہے۔ اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ — یہ وہ لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا، کہ

النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ	کافروں نے تمہارے مقابلہ کیلئے اب کے بڑا
فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا	سامان جمع کیا ہے لہٰذا تم ان سے ڈرتے رہنا
وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ	پھر اس خبر نے ان کے ایمان کو اور قوی تر
الْوَكِيْلُ ○ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ	کر دیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو اللہ
مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ	تعالیٰ کافی ہے اور وہ خوب کارساز ہے۔
سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ	چنانچہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل سے
اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ○	مالامال ہو کر اس طرح واپس آئے کہ ان کو
(آل عمران پ۴)	ذرا بھی تکلیف نہ پہنچی اور یہ لوگ رضائے

الٰہی کے پیرو رہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

آخر مسلمان حسب وعدہ پہنچے تو مسلمانوں کی جرأت و مستعدی کی خبر سن کر مشرکین راستہ سے لوٹ گئے۔ آپ نے چند روز وہاں قیام فرمایا۔ وہاں ایک بڑا بازار لگتا تھا جس میں مسلمانوں نے تجارت کے ذریعہ خوب نفع کمایا اور خوش و خرم مدینہ کو واپس تشریف لائے۔

نوٹ: ان آیات کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کا تعلق غزوہ حمراء الاسد سے ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان آیات کا تعلق غزوۂ بدر ثانی سے ہے۔

داعیانِ اسلام کے ساتھ کفّار کی غدّاری

سنہ ۴ھ

مقامِ رجیع پر ظالمانہ قتل ایک عورت کے دو بیٹے حضرت عاصم بن ثابت کے ہاتھ سے جنگِ اُحد میں مارے گئے تھے۔ اس نے نذر مانی کہ عاصم کے سر کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی اور قاتل کو سَو اونٹ انعام دوں گی۔ سفیان بن خالد نے انعام کی طمع میں سات آدمی قبیلہ عضل اور قارہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے اور عرض کیا کہ ہمارا قبیلہ مسلمان

ہو گیا ہے، چند لوگوں کو ہمارے ہاں احکامِ اسلام سکھانے کے لئے بھیج دیجئے۔ آپ نے ان کی حسبِ منشا دس آدمی ان کے ساتھ کر دیئے جن کے امیر حضرت عاصم بن ثابت تھے۔ یہ لوگ مقامِ رجیع پر پہنچے تو ان میں سے ایک آدمی نے خالد بن سفیان کو جا کر اطلاع کر دی۔ اُس نے دو سو تیر اندازوں کو ہمراہ لے کر عاصم کی جماعت کو گھیر لیا۔ انہوں نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر پناہ لی۔ تیر اندازوں نے کہا کہ اُتر آؤ، ہم تمہیں پناہ دیتے ہیں۔ حضرت عاصم نے کہا کہ میں کافر کی پناہ میں نہیں آتا۔ اور سات ہمراہیوں کے ساتھ لڑ کر شہید ہو گئے۔ مگر تین آدمیوں نے کافروں پر اعتماد کیا اور اُتر آئے۔ کافروں نے بدعہدی کی اور ان کی مشکیں کس لیں۔ ان میں سے ایک نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ مشرکین نے اس کو بھی شہید کر دیا۔ باقی دو حضرات خبیب اور زید بن دثنہ کو مکہ میں لا کر بیچ دیا۔

نوٹ: کفّار نے چاہا کہ عاصم کا سر کاٹ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بدن کی حفاظت کے لئے شہد کی مکھیوں کو متعیّن کر دیا جس نے کفّار کو پاس نہ پھٹکنے دیا۔ جب رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک سیلاب بھیجا جو ان کی لاش کو بہا کر لے گیا۔

حیرت انگیز شہادت مکہ والے حضرت زید کو جب قتل کے لئے باہر لے گئے، تو اہلِ مکہ گروہ در گروہ تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے کہا کہ زید کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم اس وقت اہل و عیال میں ہوتے اور ہم بجائے تمہارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گردن مارتے۔ زید نے کہا۔ خدا کی قسم! میں تو اپنی جان کو اس کے برابر عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں میں کانٹا چبھے۔ ابوسفیان اور کفّار یہ سُن کر دنگ رہ گئے۔ اس کے بعد زید کو شہید کر دیا۔

حضرت زیدؓ کے بعد حضرت خبیبؓ قتل گاہ میں لائے گئے تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ قاتلوں نے اجازت دے دی۔ پھر نماز پڑھ کر کہا کہ دیر تک نماز پڑھنے کو جی چاہتا تھا لیکن اس خیال سے کہ تم کہو گے کہ قتل کے ڈر سے نماز کے بہانے دیر لگا رہے ہے

میں نے نماز مختصر کر دی ہے۔ مشرکین نے حضرت خبیبؓ کو کہا کہ اگر اسلام چھوڑ دو تو تمہیں رہا کر دیا جائے گا۔ حضرت خبیبؓ نے کہا کہ روئے زمین کی سلطنت بھی ملے تو اسلام کو ترک نہیں کر سکتا۔ پھر پوچھا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے بدلہ سولی دی جائے اور تم اپنے گھر سلامت چلے جاؤ۔ خبیبؓ نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ میں گھر میں ہوں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھے۔ یہ سن کر مشرکین حیران و ششدر رہ گئے۔ پھر انہوں نے حضرت خبیبؓ کو سولی پر لٹکا دیا، اور ہر طرف سے نیزے مار مار کر ان کے جسم کو کچوکے دینا اور چھیدنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ اسی طرح ظالمانہ اور وحشیانہ طریق سے ان کو شہید کر دیا۔ حضرت خبیبؓ نے جس بہادری کے ساتھ جان دی ہے تاریخِ عالم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

کفّار نے حضرت خبیبؓ کی نعش کو سولی پر ہی لٹکائے رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو مقرّر فرمایا کہ وہ خبیبؓ کی نعش کو اتار لائیں۔ وہ رات کے وقت پہنچے۔ لاش پر کفّار کا پہرہ تھا مگر اس وقت وہ نیند کے عالم میں تھے۔ انہوں نے نعش کو اتارا اور گھوڑے پر رکھ کر چل دیئے۔ چالیس دن گذر جانے کے باوجود نعش اسی طرح تر و تازہ تھی۔ اس پر کسی قسم کا تغیّر نہیں تھا۔ مشرکین کی آنکھ کھلی۔ نعش کو نہ پایا۔ ہر طرف تلاش میں دوڑے۔ بالآخر حضرت مقدادؓ اور زبیرؓ کو جا پکڑا۔ حضرت زبیرؓ نے لاش کو اتار کر زمین پر رکھا۔ فوراً زمین شق ہوئی اور لاش کو نگل گئی (سیرت المصطفیٰ ج ۲ ص ۲۵۲)۔

سریہ عبد اللہ بن انیسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عاصمؓ اور اس کے ہمراہیوں کے قتل کا بڑا رنج ہوا۔ عبد اللہ بن انیس انصاری کو سفیان بن خالد کی سرکوبی پر مامور فرمایا عبد اللہ وہاں پہنچے اور موقعہ پا کر اس کے خیمے میں داخل ہوئے اور اس کا سر کاٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالا۔ آپؐ بہت خوش ہوئے اور عبد اللہ کو ایک عصا عطا فرمایا کہ لو اس کو جنت میں ساتھ رکھیو۔ عبد اللہ نے بوقتِ مرگ اسے اپنے کفن میں رکھوا لیا۔

بیر معونہ کا حادثہ عامر بن مالک ابو براء کا ایک رئیس قوم بنی عامر میں سے تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ میرے ساتھ ایک جماعت میری قوم کو دعوت دینے کے لئے بھیج دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نجد والوں کی طرف سے اندیشہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں ان کا ضامن ہوں۔ آپ نے اس کے عہد پر اعتماد کر کے ستر مبلغ اس کے ساتھ کر دیئے۔ منذر بن عمرو کو ان پر امیر مقرر کیا اور ایک خط رؤسائے نجد اور بنی عامر کے نام لکھ کر ان کو دیا۔ یہ لوگ نہایت مقدس اور درویش تھے۔ دن بھر لکڑیاں چنتے شام کو فروخت کر کے کچھ اپنے لئے رکھتے اور باقی اصحاب صفہ کی نذر کرتے۔

جب یہ لوگ بیر معونہ پہنچے تو انہوں نے حرام بن ملحان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ دے کر اس علاقہ کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ اس نے حرام بن ملحان کو قتل کرا دیا اور دیگر قبائل بنی سلیم، رعل اور ذکوان کی مدد سے بقیہ جماعت کو گھیر کر شہید کر ڈالا۔ ان میں سے عمرو بن امیہ بچ گئے، جنہوں نے مدینہ آکر اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ مہینہ بھر نماز فجر میں ان ظالموں کے حق میں بد دعا دیتے رہے۔

نوٹ: اس واقعہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ بھی شہید ہوئے جن کی لاش اوپر اٹھالی گئی۔ یہ دیکھ کر ان کے قاتل جبار سلمی ایمان لے آئے۔

حضرت عمرو بن امیہؓ نے واپسی میں انتقام کی خاطر بنی عامر کے ان دو آدمیوں کو قتل کر دیا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امان دے چکے تھے۔ مگر حضرت عمرو بن امیہ کو اس کا علم نہیں تھا۔ جب آپ نے یہ سنا تو دونوں کے خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔

غزوہ بنی نضیر

ربیع الاول سنہ ۴ھ

اسباب مدینہ کے مشرقی جانب چند میل کے فاصلہ پر ایک قوم یہود بستی تھی جس کو

[1] عامر بن مالک کو اس کا بہت رنج ہوا کہ اسکی امان میں اسکے بھتیجے نے فتور ڈالا اور وہ انہی دنوں میں مر گیا۔

بنی نضیر کہتے تھے۔ یہ لوگ بڑے جتھے والے سرمایہ دار تھے۔ اپنے مضبوط قلعوں پر ان کو ناز تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو شروع میں انہوں نے آپ سے معاہدہ کر لیا تھا کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے ہاتھ سے یا بنی نضیر کے کسی آدمی کے ہاتھ سے مارا جائے تو دونوں فریق پر اس کا خون بہا دینا ضروری ہوگا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عامر کے جن دو آدمیوں کا خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا تھا، ان کے معاملہ میں بنو نضیر سے مشورہ کر لینا مناسب سمجھا۔ چنانچہ آپ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ہمراہ ان کی آبادی میں خود تشریف لے گئے۔ بنو نضیر نے بظاہر نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا اور خون بہا میں شرکت اور اعانت کا وعدہ کیا۔ اور آپ کو قلعہ کی دیوار کے سایہ میں بٹھایا۔ لیکن در پردہ یہ سازش کی کہ کوئی شخص قلعہ پر چڑھ کر اُوپر سے آپ پر پتھر گرا دے۔ سلام بن مشکم نے کہا کہ ایسا ہرگز نہ کرو۔ خدا کی قسم اس کا رب اس کو خبر کر دیگا، نیز یہ بدعہدی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی یہودیوں کے اس منصوبہ کی اطلاع دی۔ آپ اسی وقت وہاں سے اُٹھ کر مدینہ تشریف لے آئے۔ یہود کو جب آپ کے جانے کا علم ہوا تو بہت نادم ہوئے۔ کنانہ یہودی نے کہا۔ خدا کی قسم ان کو تمہاری غداری کا علم ہوگیا۔ بخدا وہ اللہ کے رسول ہیں۔

واقعات بنی نضیر کو اپنے ہتھیاروں اور سنگین قلعوں پر ناز تھا۔ انہوں نے چاروں طرف سے قلعہ بندی کر لی۔ آپ نے ان کی متعدد غداریوں کی وجہ سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور پندرہ روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا، اور ان کے باغوں اور درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا۔ منافقین نے بنو نضیر سے یہ کہلا بھیجا کہ ہم ہر طرح تمہارے ساتھ ہیں۔ اس پر بنو نضیر کچھ مغرور ہو گئے۔ مگر کسی منافق کو ان کا ساتھ دینے کی جرأت نہ ہوئی۔

نتیجہ بالآخر لاچار ہو کر امن کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ دس دن کی مہلت ہے، مدینہ خالی کر دو اور اہل و عیال کو جہاں چاہے لے جاؤ۔ چنانچہ ان کے بعض خاندان خیبر اور بعض شام کی طرف چلے گئے۔ اور جس قدر سامان اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے اُٹھا کر لے گئے۔

آپ نے ان کا باقی مال واسباب اور جائداد مہاجرین پر تقسیم کر دی تاکہ انصار سے ان کا بوجھ ہلکا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے گھر کا اور ہر وارد و صادر کا سالانہ خرچ اسی سے لیتے تھے، اور جو بچ رہتا اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے۔

اس غزوہ میں یہود بنی نضیر کے دو آدمی یامین بن عمیر اور سعید بن وہب مسلمان ہو گئے ان کا مال واسباب ہر طرح سے محفوظ رہا۔

سورۂ حشر اسی غزوہ میں نازل ہوئی اور تحریم خمر کا حکم بھی اسی غزوہ میں نازل ہوا۔

اشارات

(۱) عہد شکنی اور غداری کا نتیجہ رسوائی اور ذلت ہے۔

(۲) اہلِ حق کے مقابلہ میں حفاظتی انتظام اور سازوسامان کسی کام نہیں آتا۔

واقعاتِ متفرقہ

سنہ ۴ ہجری

(۱) اسی سال ماہ شعبان میں امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

(۲) اسی سال ماہ شوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

(۳) اسی سال زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ یہود کی زبان میں لکھنا پڑھنا سیکھیں، کیونکہ ان کے پڑھنے پر اطمینان نہیں۔

(۴) مشہور قول کی بنا پر حجاب یعنی پردہ کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔

(۵) اسی سال ماہ جمادی الاولیٰ میں آپ کے نواسے حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا چھ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

---

[1] انصار میں سے صرف ابودجانہ اور سہیل بن حنیف کو بوجہ تنگدستی اس میں سے حصہ عطا فرمایا۔

(۶) ایک یہودی اور یہودیہ کو زنا کے جرم میں سنگسار کرنے کا حکم نافذ فرمایا۔

(۷) اسی سال تیمّم کی آیت نازل ہوئی بعض کہتے ہیں کہ نماز قصر کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔

(۸) اسی سال ام المؤمنین حضرت زینب بن خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔

(از سیرت المصطفیٰ و "رسول اللہ" مولانا احمد سعید)

سنہ ۵ ہجری

غزوہ ذات الرقاع

قریش اور یہود کی متفقہ سازش سے بعض قبائل نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے بنی انمار اور بنی ثعلبہ[1] نے یہ ارادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ چار سو صحابہ کے ہمراہ جہاد کے لئے نکلے لیکن آپ کی خبر سن کر وہ لوگ پہاڑوں میں بھاگ گئے اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

اس غزوہ میں چلتے چلتے مجاہدین کے پاؤں پھٹ گئے تھے۔ انہوں نے پاؤں پہ چیتھڑے لپیٹ لئے تھے۔ اس لئے اس غزوہ کو غزوہ ذات الرقاع کہتے ہیں۔

معجزہ | واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے قیلولہ فرمایا ایک مشرک غورث بن حارث آیا اور تلوار سونت کر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔ آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا۔ اللہؐ۔

ایک روایت ہے کہ جبریل امین نے اس کے سینہ پر ایک گھونسا رسید کیا۔ فوراً تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور آپؐ نے اُٹھالی۔ اور فرمایا۔ بتا اب میرے ہاتھ سے تجھ کو کون بچائے گا۔ اس نے کہا۔ کوئی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا جاؤ، میں نے تم کو معاف کیا۔ یہ شخص مسلمان ہوگیا اور اپنے قبیلہ میں جاکر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ لوگوں نے اس کی

---

[1] بنی انمار اور بنی ثعلبہ قبیلہ غطفان کی دو شاخیں ہیں۔

دعوت سے اسلام قبول کیا۔

نوٹ : اسی قسم کا واقعہ غزوہ غطفان کے بیان میں گذر چکا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دو الگ الگ واقع ہیں۔ واللہ اعلم (سیرت المصطفیٰ ج ۲ ص ۲۶۶)

غزوۂ دومۃ الجندل

دومۃ الجندل شام کے قریب ایک شہر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵۔ ربیع الاول کو ایک ہزار افراد کی معیت میں روانہ ہوئے۔ مشرکین اونٹ بکریاں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ آپ نے ان کو غنیمت بنایا، اور اپنے رفقاء پر تقسیم کر دیا۔ ۲۰۔ ربیع الثانی کو مدینہ واپسی ہوئی۔ مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔

غزوۂ مریسیع[1] یا بنی المصطلق

شعبان ۵ھ ہجری میں خبر پہنچی کہ حارث بن ضرار سردار بنی المصطلق جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے اور اس نے بہت سے قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ آپ نے فوراً مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔ اس دفعہ مالِ غنیمت کی طمع میں منافقین کا ایک کثیر گروہ بھی ساتھ ہو لیا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو کفار مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ ان کے دس آدمی قتل ہوئے۔ باقی مرد، عورت، بچے، بوڑھے سب گرفتار کر لئے گئے۔ دو ہزار اُونٹ پانچ ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں ہاتھ آئیں۔

اسیرانِ جنگ کی رہائی قیدیوں میں سردارِ لشکر حارث بن ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا صحابہ کو جب معلوم ہوا تو تمام اسیران کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ جو قبیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

---

[1] مریسیع ایک چشمہ کا نام ہے جہاں بنی المصطلق کی جنگ لڑی گئی۔

رشتہ دار بن گیا، ہم اس کو قیدی اور غلام نہیں رکھ سکتے۔ ساتھ ہی تمام مالِ غنیمت بھی واپس کر دیا۔ اس طرح یہودیوں کے ایک قبیلہ کے ساتھ اس نکاح کی برکت سے دشمنی محبت سے بدل گئی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جویریہ سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا کہ جس کی وجہ سے ایک دن میں سو گھرانے آزاد ہوئے ہیں۔[1]

منافقین کی شرارت اس سفر میں چونکہ منافقین کا ایک گروہ بھی شامل تھا اتفاق سے پانی کے ایک چشمہ پر ایک مہاجر اور انصار کا جھگڑا ہو گیا۔ دونوں نے اپنی حمایت کیلئے اپنی اپنی جماعت کو پکارا۔ جس پر خاصہ ہنگامہ ہو گیا۔ یہ خبر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو پہنچی۔ تو کہنے لگا کہ اگر ہم مہاجرین کو اپنے شہر میں جگہ نہ دیتے تو وہ ہم سے مقابلہ کیوں کرتے۔ اور کہا کہ اس سفر سے واپس ہو کر ہم مدینہ پہنچیں گے تو ذلیل مسلمانوں کو نکال دیں گے ایک صحابی زید بن ارقمؓ نے یہ باتیں سن کر حضرتؐ کے پاس نقل کر دیں۔ آپ نے عبداللہ بن ابی وغیرہ کو بلا کر تحقیق کی تو قسمیں کھا گئے کہ زید بن ارقم نے ہم پر جھوٹ لگایا ہے۔ لوگ زید پر آوازے کسنے لگے۔ وہ بیچارے سخت نادم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق میں سورۂ منافقون کی آیتیں نازل فرمائیں۔

حُبِّ رسول کا جذبہ عجب بات ہے کہ عبداللہ بن ابی تو دشمنِ اسلام اور منافقوں کا سردار تھا۔ اور اس کے بیٹے عبداللہؓ بن عبداللہ اسلام کے شیدائی اور مخلص مومن تھے جب باپ کو یہ کہتے سنا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو نکال دیگا تو باپ کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ خدا کی قسم میں تجھ کو اس وقت تک ہرگز مدینہ نہ جانے دونگا جبتک تو یہ اقرار نہ کرلے کہ تو ہی ذلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں۔ چنانچہ باپ نے

[1] اپنی سوکن کے فضل و کمال کا صدق دل سے اعتراف کرنا شانِ صدیقیت کا تقاضا ہے (سیرت المصطفیٰ ج ۲ ص ۲۷۲)

جب یہ اقرار کیا تب بیٹے نے چھوڑا۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عبداللہ، خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! مجھ کو یہ خبر ملی ہے کہ آپ میرے باپ کے قتل کا حکم دینے والے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو مَیں خود اپنے باپ کا سر قلم کر کے آپ کی خدمت میں لا حاضر کروں۔ آپ نے انہیں باپ کے قتل سے منع فرمایا۔ اور اس کے ساتھ سُلوک اور احسان کرنے کا حکم فرمایا۔

اشارات

(۱) دشمن کی تیاری کی خبر سُنتے ہی اس کی طرف از خود اقدام کرنا اور ان کو مہلت نہ دینا قومی اور ملکی دفاع کی بہترین تدبیر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں سے ہے۔

(۲) ایمان کامل ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت خون کے تمام رشتوں سے بالاتر ہے۔
محمدؐ کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے   یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے

(۳) والدین کے ساتھ مروّت اور حُسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔ اگرچہ وہ کافر اور مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔

واقعۂ افک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی المصطلق سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں۔ ان کی سواری کا اُونٹ علیحدہ تھا۔ وُہ ہودہ میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ جمّال ہودے کو اونٹ پر باندھ دیتے۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہؓ کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں۔ وہاں اتّفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اس کی تلاش میں دیر لگ گئی۔ اسی اثناء میں لشکر کا کوچ ہو گیا۔ جمّال حسبِ عادت

لہ اِفک۔ کسی پر بہتان باندھنا۔ جھوٹی تہمت لگانا۔

اونٹ پر ہودہ باندھنے آئے اور اس کے پردے پڑے رہنے کی وجہ سے گمان کیا کہ ام المومنین اس میں تشریف رکھتی ہیں۔ غرض ہودہ باندھ کر اونٹ کو چلتا کر دیا۔ کم عمر اور دُبلا پتلا ہونے کی وجہ سے آپ کا کچھ بار نہیں تھا۔ اس لئے ہودہ کو اُٹھاتے وقت آپ کا نہ ہونا محسوس نہ ہو سکا۔ آپ واپس آئیں تو قافلہ چل چکا تھا۔ آپ نے وہیں قیام کیا۔ رات کا وقت تھا۔ نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ گئیں۔

حضرت صفوان بن معطل رضؓ قافلہ کی گری پڑی چیز اٹھانے کی غرض سے پیچھے رہا کرتے تھے۔ وہ آئے تو انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو چادر اوڑھے اور منہ سر لپیٹے ہوئے سوتے دیکھا تو حسرت و یاس کے لہجہ میں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔ ان کی آواز سے ام المومنین کی آنکھ کُھل گئی۔ فوراً چادر سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوان رضؓ اونٹ سامنے بٹھا کر خود پیچھے ہٹ گئے۔ ام المومنین سوار ہو گئیں تو مہار پکڑ کر روانہ ہوئے۔ اور دوپہر کے وقت قافلہ میں جا ملایا۔ منافقین کو زبان درازی کا موقعہ مِل گیا۔ عبداللہ بن ابی بڑا خبیث، بدزبان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا۔ اُسے ایک بات ہاتھ لگ گئی۔ اُس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا کر ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ تین مخلص مسلمان حضرت حسان، مسطح، اور حمنہ بنت جحش بھی منافقین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اس قسم کے تذکرے کرنے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبرِ بد سے انتہائی صدمہ پہنچا۔ آپ نے اپنے معتمد صحابہ رضؓ سے مشورہ بھی لیا۔ سب نے حضرت عائشہ رضؓ کی پاک دامنی کا اظہار کیا۔ البتہ چند حضرات نے آپ کے صدمہ کو دیکھ کر یہ بھی عرض کیا کہ اگر حضرت کو رنج زیادہ ہے تو چھوڑ دیجئے۔ دوسری پاک دامن عورتیں اس سعادت اور فخر کو حاصل کرنے کے لئے موجود ہیں۔ مگر جو رنج آپ کو اس بدشہرتی پر ہوا تھا وہ کسی طرح زائل نہ ہوا۔ چنانچہ آپ نے حضرت عائشہ رضؓ کی معتمد نگرانِ حال بریرہ رضؓ کو علیحدہ بُلا کر حالات کی تفتیش کی۔ حضرت بریرہ رضؓ نے قسم کھا کر عرض کیا کہ ان میں سوائے اس کے کہ وُہ بھولی بھالی اور ناتجربہ کار بچی ہیں، کوئی عیب نہیں۔ بعض اوقات آٹا گوندھا ہوا چھوڑ کر

سو جاتی ہیں۔ بکری کا بچہ آکر اُسے کھا جاتا ہے۔ تو جسے آٹے اور دال کی بھی خبر نہ ہو تو وہ دنیا کی چالاکیوں کو کیسے جان سکتی ہے۔ مگر اس پر بھی آپ کا رنج کسی طرح رفع نہ ہوا۔ آپ نے یک لخت محبت کے وہ علائق قطع کر دیئے جو حضرت صدیقہؓ کے ساتھ وابستہ تھے۔ آپ منتظر تھے کہ جب تک علام الغیوب ارادوں کے مخفی حالات جاننے والا خدا، آسمانی وحی کے ذریعہ اس قصہ کو طے نہیں فرمائے گا اس وقت تک میں ان سے ربط وضبط کا کوئی علاقہ نہیں رکھوں گا۔

امّ المومنین کو کچھ خبر نہ تھی کہ مدینہ میں ان کے متعلق کیا مشہور ہو رہا ہے۔ سفر سے واپس آکر بخار چڑھ آیا تھا جس کی تیزی کے باعث اکثر اوقات وہ بیہوش پڑی رہتی تھیں۔ مگر اس حالت میں وہ یہ دیکھ کر اور بھی نڈھال ہو گئی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبت سے بات نہیں کرتے۔ اور کبھی تشریف لاتے ہیں تو عیادت کرتے وقت خطاب ہی نہیں فرماتے صرف پاس بیٹھنے والی تیمار دار سہیلیوں سے اتنا پوچھ کر کہ ان کا کیا حال ہے، تشریف لے جاتے ہیں۔

اسی حال میں تقریباً ایک ماہ گذرنے کے بعد حضرت عائشہؓ صدیقہ کو اس شہرت کی اطلاع ہوئی، شدّتِ غم سے بیتاب ہو گئیں اور روتے روتے بُرا حال کیا۔ آنسو تھے کہ تھمتے ہی نہ تھے تمام شب اسی بے چینی و صدمہ میں گذری۔ جس وقت حسبِ عادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ پر تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے والدین کے ہاں جانے کی اجازت چاہی، آپ نے فوراً بے تکلف اجازت دے دی۔ والدین نے ہر چند تسلّی تشفّی کی مگر بے قرار دل کو کس طرح صبر آسکتا تھا۔ رونے کے سوا رات دن کوئی کام نہ تھا۔ غرض تین دن رات برابر روتے روتے گذر گئے۔ تو اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا اے عائشہ اگر تم بے گناہ ہو تو حق تعالیٰ تمہارا بے قصور اور پاکدامن ہونا ظاہر فرما دیگا۔ اور اگر تم سے خطا ہو گئی ہے تو توبہ کرو اور حق تعالیٰ سے معافی چاہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے جواب دو۔ باپ نے کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی

ماں سے کہا۔ ماں نے بھی یہی جواب دیا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ بات تمہارے دلوں میں اس قدر راسخ ہو چکی ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ بے گناہ ہوں، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم کو یقین نہیں آئے گا۔ اور اگر میں اس گناہ کا اقرار کر لوں حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں اس گناہ سے بری اور پاک ہوں تو تم یقین کر لوگے۔ بس میں تو وہی کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے[1] کہا تھا۔ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ یہ کہہ کر میں بستر پر لیٹ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میری ضرور برئیت فرمائیں گے لیکن یہ وہم و گمان نہ تھا کہ میرے بارے میں قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوں گی جس کی ہمیشہ تلاوت ہوتی رہے گی۔ میرا خیال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ خواب میری براءت ظاہر کر دی جائے گی۔

اسی اثنا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔ میں اپنی بے گناہی کے سبب بالکل نہیں گھبرائی۔ لیکن میرے والدین کی یہ کیفیت تھی، جیسے ان کی روحیں قبض کی جا رہی ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے فارغ ہوئے تو چہرۂ انور پر مسرت و بشاشت کے آثار نمودار ہوتے۔ اور فرمایا کہ اے عائشہ! تجھ کو بشارت ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری براءت نازل فرمائی۔ میری والدہ نے کہا، کہ اے عائشہ اُٹھ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کر۔ میں نے کہا۔ اس خدا کا شکر کیوں نہ ادا کروں جس نے میری بے گناہی کی آیات نازل فرمائیں[2]۔

صدیق اکبرؓ نے عفت مآب بیٹی کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ بیٹی نے کہا۔ اے باپ آپ نے

---

[1] اس وقت شدتِ غم اور جوش کے باعث یعقوب علیہ السلام کا نام یاد نہ آیا۔

[2] ام المومنین کا توحید میں ڈوبا ہوا یہ جملہ شکرِ نبوی سے انکار نہیں بلکہ ناز کے رنگ میں شکر کا اظہار ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں　　گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

مجھے پہلے ہی بے قصور کیوں نہ سمجھا؟ فرمایا۔ میں اپنی زبان سے وہ بات کیسے کہوں جس کا مجھ کو علم نہ ہو۔ ؏

برأت نازل ہونے کے بعد آپ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں نازل شدہ آیتیں سب کے سامنے تلاوت فرمائیں، اور جو مسلمان اپنی سادہ لوحی اور بھولے پن سے منافقین کے دھوکہ میں آکر فتنہ میں ملوث ہوگئے تھے ان پر حد قذف جاری کی گئی۔ ہر ایک کو اسّی اسّی درّے لگائے گئے۔

حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی حضرت مسطح بھی انہی میں تھے حضرت صدیقؓ ان کو خرچ دیتے اور ان کی امداد کیا کرتے تھے۔ مگر اب قسم کھائی کہ کبھی خرچ نہ دونگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ اور ارشاد فرمایا۔

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ	جو لوگ تم میں سے بڑے مرتبے والے اور
وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِي	صاحبِ وسعت ہیں وہ قرابت داروں
الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے
وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	والوں کی آئندہ مدد نہ کرنے کی قسم
وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ	نہ کھا بیٹھیں۔ بلکہ ان کو چاہیئے کہ ایسے
اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ	لوگوں کا قصور معاف کر دیں اور ان سے
لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	درگذر کریں۔ کیا تم اس بات کو پسند نہیں

؏ واقعہ افک سے حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال تقویٰ کا پتہ چلتا ہے کہ یہ قصہ ایک ماہ سے زائد رہا مگر بیٹی کی حمایت میں ایک حرف زبان سے نہیں نکالا۔ صرف ایک مرتبہ شدّتِ رنج وغم میں یہ کہا کہ خدا کی قسم! یہ بات تو ہمارے حق میں زمانۂ جاہلیت میں بھی نہیں کہی گئی۔ پھر جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام سے عزت بخشی تو اس کے بعد یہ کیسے ممکن ہے۔

(یہ قصہ من جانب اللہ ابتلاء و امتحان تھا)

(سورۂ نور۔ پارہ ۱۸) کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف

کرے۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو تنبیہ تھی کہ مقام صدیقیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ حضرت صدیقؓ اس اشارہ کو سمجھ گئے اور مسطحؓ کا وظیفہ پہلے سے بھی دوگنا کر دیا۔

اشارات

① اس قصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یک لخت محبت کے علاقے قطع کر دینا ثابت کرتا ہے کہ آپ کو بیویوں کے ساتھ جو کچھ بھی محبت تھی وہ محض اللہ کے واسطے تھی اور اس غرض سے تھی کہ نصف دین جو عورتوں کی جنس سے تعلق رکھتا ہے وہ متعدد بیویوں کے ذریعہ پورا ہو جائے اسکے علاوہ ازدواج سے کوئی دنیوی غرض مقصود نہ تھی۔

② آپ کسی بشر کی محبّت میں مجبور نہیں تھے اور نہ آپ کو کسی صحابی یا رشتہ دار یا کسی پیاری اور چہیتی بیوی کے ساتھ محبّت کا ایسا علاقہ تھا جو دینی علاقہ پر غالب آجائے۔ اور محبوب کے عیوب و نقائص بھی خوبیاں بن کر دکھائی دینے لگیں۔

③ علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ کامل تردّد میں رہے اور بدوں حق تعالیٰ کے بتلائے اصل واقعہ کی حقیقت معلوم نہ ہو سکی۔

④ خداوندِ قدّوس نے خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طہارت اور برارت اپنے کلام میں نازل فرمائی۔ اس کے بعد جو شخص ام المؤمنینؓ پر تہمت لگائے، وہ باجماعِ امّت کافر اور مرتد ہے۔

⑤ امّہات المؤمنین کے حق میں بدگمانی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہے کہ اُس نے اپنے حبیب کی زوجیت کے لئے ایسی بیوی کو مقدر فرمایا۔

⑥ آیاتِ برارت سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو "طیبہ" فرمایا اور مغفرت اور رزقِ کریم کا وعدہ فرمایا۔

نزولِ تیمّم

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی غزوہ میں آیتِ تیمّم نازل ہوئی مگر علمائے محققین فرماتے ہیں کہ اس غزوہ میں نہیں بلکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا سفر پیش آیا جس میں آیتِ تیمّم کا نزول ہوا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ اسلامی لشکر نے ایسے مقام پر پڑاؤ ڈالا جہاں پانی نام کو نہ تھا۔ اتّفاق سے حضرت صدیقہؓ کا ہار گم ہو گیا۔ اس کی تلاش میں لوگوں کو رکنا پڑا۔ ادھر نماز کا وقت آگیا اور پیاس کی تکلیف نے بھی مسلمانوں کو پریشان کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی پیاری بیٹی کے پاس آئے اور خفا ہو کر کہنے لگے کہ اے بیٹی تو ہر سفر میں لوگوں کیلئے مشقّت اور پریشانی کا موجب بن جاتی ہے۔ باپ کا یہ غصّہ بیٹی پر ہو ہی رہا تھا کہ آثارِ وحی نمودار ہوئے اور جبریل امینؑ تیمّم کی آیات لے کر آئے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر کے نماز ادا کرو۔

نوٹ: اس رخصت اور رعایت کا ملنا تمام مسلمانوں کی گردن پر حضرت صدیقہؓ رضی اللہ عنہا کا احسان ہے جس سے اُمّتِ محمّدیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

غزوۂ خندق یا احزاب

اہمیت غزوۂ احزاب تمام غزوات میں خاص اہمیّت رکھتا ہے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو تمام کافر جماعتوں سے بیک وقت واسطہ پڑا۔ یہ غزوہ شوال ۵ھ ہجری مطابق فروری ۶۲۷ء کو پیش آیا۔

اسباب یہود بنی نضیر نے جو مدینہ سے نکالے گئے تھے مکّہ میں قریش کو اور عرب کے طاقتور قبائل میں سے غطفان، فزارہ وغیرہ کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے آمادہ

کر دیا۔ تقریباً بارہ ہزار کا لشکرِ جرار پورے ساز و سامان سے آراستہ اور طاقت کے نشہ میں چور ابوسفیان کی سرکردگی میں مسلمانوں کو مٹانے کی غرض سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہود بنی قریظہ جن کا ایک مضبوط قلعہ مدینہ کی مشرقی جانب تھا، پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ مگر بنو نضیر کی ترغیب و ترہیب سے آخر کار وہ بھی معاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر حملہ آوروں کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں کی جمعیت کُل تین ہزار تھی جن میں ایک بڑی تعداد ان دغا باز منافقوں کی تھی جو سختی کا وقت آنے پر جھوٹے حیلے بہانے کر کے میدان سے کھسکنے لگے۔ اس طرح مسلمان اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے محاصرہ اور نرغہ میں آ گئے۔

خندق کی تیّاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو قبول فرما کر شہر کے گرد جدھر سے اندیشہ تھا، خندق کھودنے کا حکم دیا اور کدال لے کر خود بھی بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ آقا اور غلام، مخدوم اور خادم کے درمیان یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ دو جہان کا سردار ہاتھ میں کدال لئے تین دن کے فاقے سے پیٹ پر پتھر باندھے مہاجرین اور انصار کے ساتھ خندق کھودنے میں برابر کا شریک نظر آتا ہے۔ سخت جاڑے کا موسم تھا۔ غلہ کی گرانی تھی۔ بھوک کی وجہ سے صحابۂ کرامؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ مگر عشقِ الٰہی میں سرشار سپاہی اور ان کے سپہ سالارِ اعظم اس سنگلاخ زمین کی کھدائی میں حیرت انگیز قوّت اور ہمّتِ مردانہ کے ساتھ مشغول تھے۔

معجزہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خندق کھودتے وقت ایک سخت چٹان آ گئی جس کی وجہ سے سب عاجز آ گئے۔ آپ نے دستِ مبارک سے تین دفعہ کدال مار کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ پہلی بار کدال مارنے سے ایک بجلی سی چمکی جس کی روشنی میں شام کے محل دکھائی دیئے۔ دوسری بار فارس کے محل نظر آئے۔ تیسری دفعہ ملکِ یمن کے شہروں کو دیکھا گیا۔ آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین نے مجھ کو خبر دی ہے کہ اُمّت ان

شہروں کو فتح کرے گی۔ (سیرت المصطفیٰ ج۔۲ صہ۲۰۴)

واقعات خندق تیار ہوگئی۔ ادھر قریش کا لشکر آپہنچا اور اس نے اُحد کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جمعیت کو ہمراہ لے کر دشمن کے مقابلہ میں مورچے جمائے۔ عورتوں اور بچوں کو شہر کی مضبوط و محفوظ حویلیوں میں پہنچا کر مسلمانوں نے بڑی پامردی اور استقامت کے ساتھ شہر کی حفاظت و مدافعت کا فرض انجام دیا۔ محاصرہ کی سختی اور شدت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ مسلمان بمقتضائے بشریت کہیں گھبرا نہ جائیں۔ اس لئے آپ نے لشکرِ کفار میں تفریق پیدا کرنے کی غرض سے یہ تجویز سوچی کہ مدینہ کی تہائی پیداوار قبیلہ غطفان اور فزارہ کو دے کر ان کو آمادہ کیا جائے کہ وہ ابوسفیان کی مدد سے کنارہ کش ہو جائیں۔ چنانچہ آپ نے سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہم تعمیل کیلئے حاضر ہیں۔ یا آپ ازراہِ شفقت ہماری وجہ سے ایسا قصد فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا حکم تو نہیں، محض تمہاری خاطر میں نے ایسا ارادہ کیا ہے کیونکہ دشمن نے متفق ہو کر تم پر تیر باری شروع کر دی ہے۔ میں اس طریق سے ان کی شوکت اور اجتماعی قوت کو توڑنا چاہتا ہوں۔ سعد بن معاذ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ جب ہم کافر اور مشرک تھے اس وقت بھی ہم نے کسی کی ایسی برتری کو تسلیم نہیں کیا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت دی ہے۔ لازوال نعمت سے سرفراز فرمایا اور اسلام کے ساتھ عزت بخشی تو یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنا مال ان کو دیں۔ ہمارے پاس ان کے لئے سوائے تلوار کے کچھ نہیں۔ آئندہ حضورؐ کو اختیار ہے جو رائے عالی ہو۔ غلاموں کے سر تابعداری کے لئے جھکنے کو ہر وقت تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے۔ اللہ پاک ہماری فتح و کامرانی کی کوئی دوسری سبیل پیدا فرمائے گا۔

دو ہفتے اسی طرح گذر گئے۔ طرفین سے تیراندازی ہوتی رہی۔ بالآخر قریش کے چند سوار ایک جگہ سے خندق پھاند کر آئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کیلئے للکارا۔ حضرت علیؓ نے

عمرو بن عبد ود کا مقابلہ کیا۔ جو عرب بھر کا مشہور اور یکتا بہادر پہلوان تھا۔ اُس نے حضرت علیؓ پر وار کیا۔ آپ نے سپر سے روکا لیکن پیشانی پر زخم آیا۔ بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس سے مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور لشکر کفار کی کمر ٹوٹ گئی کیونکہ مرنے والے پہلوان کا عرب بھر میں کوئی ثانی اور مثل نہ تھا۔ لوگ اُسے ایک ہزار سواروں کے برابر گنتے تھے جو حضرت علیؓ کے ہاتھوں کھیت رہا۔ مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار درم لے کر اس کی لاش ہمیں دے دی جائے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ بھی خبیث اور ناپاک تھا، اس کی دیت بھی خبیث اور ناپاک ہے۔ بلا معاوضہ لاش ان کے حوالہ کر دی۔

معجزہ | نوفل بن عبداللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے بڑھا۔ گھوڑے پر سوار تھا۔ خندق کو پھاندنا چاہتا تھا کہ خندق میں گر پڑا۔ گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔

حملہ کا یہ دن نہایت سخت تھا۔ تمام دن تیر اندازی اور سنگ باری ہوتی رہی — مشغولیتِ جہاد کی وجہ سے آپ کی چار نمازیں قضا ہوئیں۔ آپ نے ان کو بترتیب قضا کیا۔ ایک بار عصر کی نماز قضا ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کافروں کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے۔

یہود کی عہد شکنی | بچے اور عورتیں جس احاطہ میں محفوظ تھے، حضرت حسانؓ ان کی حفاظت پر مامور تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے دیکھا، کہ ایک یہودی قلعہ کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ یہ جاسوس ہے۔ حضرت حسانؓ سے کہا کہ اسے قتل کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ دشمنوں کے پاس ہماری مخبری کر دے۔ انہوں نے عذر کیا کہ میں تو اس کام کا نہیں۔ حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی لکڑی لے کر اس زور سے یہودی کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر کسی یہودی کو ادھر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سردی کا موسم تھا۔ دن بدن جاڑے کی شدت بڑھتی جاتی تھی۔ اور محاصرہ کو

بیس[1] روز گذر گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اَھْزِمْھُمُ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ۔ (اے قرآن کے نازل کرنے والے خدا۔ اے جلد حساب لینے والے تو مشرکین کی جماعتوں کو شکست دے۔ الٰہی ان کو فرار کرا اور ڈگمگا دے)۔ تو اللہ تعالیٰ نے غیبی امداد فرمائی۔

غیبی امداد (۱) ایک شخص نعیم بن مسعود نخعی تھا۔ وہ دل سے مسلمان ہو چکا تھا مگر ابھی اس نے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنی عاقلانہ اور لطیف تدبیر سے مشرکین اور یہود بنی قریظہ کے درمیان آپس میں بے اعتمادی پیدا کر دی جس سے ان کے درمیان ایسا اختلاف پیدا ہو گیا کہ ایک نے دوسرے کے ساتھ مل کر مسلمانوں کیساتھ جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔

(۲) مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کا نزول ہوا۔ خدا تعالیٰ کا یہ غیر مرئی لشکر کفار کے دلوں کو مرعوب کر رہا تھا۔

(۳) اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات پروا ہوا کا خوفناک جھکڑ چلا دیا۔ ریت اور سنگریزے اُڑ کر کفار کے منہ پر لگتے تھے۔ ان کے چولھے بجھ گئے۔ دیگچے زمین پر جا پڑے۔ کھانے پکانے کی کوئی صورت نہ رہی، ہوا کے زور سے خیمے اکھڑ گئے۔ گھوڑے چھوٹ کر بھاگ گئے۔ لشکر پریشان ہو گیا۔ سردی اور اندھیری ناقابلِ برداشت ہو گئی۔

نتیجہ آخر ابوسفیان نے جس کے ہاتھ میں تمام لشکروں کی اعلیٰ کمان تھی، مایوس ہو کر طبلِ رحیل بجا دیا۔ ناچار قریش کا لشکر ذلت و ناکامی سے پیچ و تاب کھاتا ہوا بے نیل و مرام واپس چل دیا۔

وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ط وَکَانَ اللّٰہُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ○ (احزاب پ ۲۱)	اور اللہ تعالیٰ جنگ میں مسلمانوں کیلئے خود ہی کافی ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت کا مالک بڑا زبردست ہے۔

---

[1] کل مدت محاصرہ چوبیس روز بیان کی جاتی ہے۔

قریش کا لشکر جو مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے آیا تھا محض اللہ پاک کی قدرت سے ذلیل و خوار ہو کر واپس ہوا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھ کو پُروا ہوا کے ذریعہ فتح عطا کی گئی، اور عاد پچھوا ہوا سے ہلاک ہو گئے۔"

اور یہ بھی ارشاد فرمایا۔ الآن نغزوهم ولا يغزوننا نحن نسير اليهم۔[1]
یعنی کفر اب اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی اقدام کرنے کی اس میں قوّت نہیں رہی لہٰذا اور اسلام اب اتنا قوی ہو گیا ہے کہ کفر کے مقابلہ میں ابتداءً اقدام کرے گا اور جارحانہ حملہ آور ہو گا۔ جو لوگ اسلام میں اقدامی جہاد کے منکر ہیں وہ حدیث شریف کے ان الفاظ پر غور کریں۔

اسباق و اشارات

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور اسلام کی پاکیزہ تعلیم یہ ہے کہ دین کی حفاظت اور خدمتِ خلق کے لئے خلیفہ اور امام کو اپنے رفقاء کے ساتھ جدّ و جہد میں عملاً برابر کا حصّہ لینا چاہیئے۔

(۲) جہاد میں کفّار کے طریقِ جنگ کو اختیار کرنا اور ان کے ایجاد کردہ آلات کا استعمال درست ہے اور ان تمام چیزوں کا سیکھنا ضروری ہے جس سے اللہ کے دشمن مرعوب ہوں اور اللہ کے دین کی عزّت و شوکت قائم ہو۔ فی زمانہ جہاد کی تیاری کے لئے ایٹمی ہتھیار اور جنگی آلات تیار کرنا فرض ہے۔

(۳) دشمن کی اجتماعی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے ان کے کسی ایک فریق کو توڑ لینا یا ان میں تفرقہ ڈال دینا ایک کامیاب جنگی حربہ ہے۔

(۴) دشمن کے کامل غلبہ اور محاصرہ کے وقت بے سرو سامانی کی حالت میں جبکہ مدینہ سے باہر نکلنا بھی ممکن نہ تھا، اور اپنی حفاظت کی فکر دامن گیر تھی، ملک شام، فارس اور

---

[1] سیرت المصطفیٰ ج ۲۔ بحوالہ بخاری شریف ص ۵۰۹

جنگِ خندق

کفار کا پڑاؤ
جبلِ ثور
جبلِ اُحد
بنو غطفان
خندق
خندق
خندق
بنی حارثہ
لاوے کی چٹانیں
وادی عقیق
لاوے کی چٹانیں
مسجد نبوی
مدینہ
بنی ظفر
مسجد قبا
باغات
لاوے کی چٹانیں
ذوالحلیفہ
کوہِ عیر

یمن کی فتح کی پیشین گوئی کرنا، نبی کے سوا کسی دوسرے کا کام نہیں۔ کیونکہ وحی کی اطلاع کے بغیر ایسی خبر نہیں دی جا سکتی۔

۵ فتح و شکست کا مدار کثرت و قلت پر نہیں بلکہ مشیت ایزدی پر ہے۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ	اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔
كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (سورہ بقرہ پ ۲)	بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔

غزوہ بنو قریظہ

اسباب یہود بنی قریظہ مدینہ کے قریب رہتے تھے۔ انہوں نے جنگ احزاب میں عہد شکنی کر کے مشرکین کو امداد دی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ خندق سے واپس تشریف لائے اور آکر ہتھیار کھول دیئے اور غسل فرمانے لگے۔ اسی حالت میں بعد نماز ظہر جبریل علیہ السلام تشریف لائے، اور کہا کہ آپ نے ہتھیار اُتار دیئے حالانکہ فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں کھولے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیا ہے۔

روانگی اس شاہنشاہی فرمان کو سُنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت جلد روانگی کا حکم دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص عصر کی نماز بنی قریظہ کے محلہ سے ورے نہ پڑھے مگر باوجود عجلت کے جب راستہ میں آفتاب غروب ہونے لگا تو صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہوا۔ بعض نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے نماز قضا کر دی اور بنی قریظہ جا کر مغرب کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی۔ لیکن کچھ حضرات نے وقت پر نماز پڑھ لی۔ اور کہا کہ آپ کے ارشاد کا منشا جلدی پہنچنا ہے نماز قضا کرنا مطلوب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سُن کر دونوں فریق کی تصدیق

فرمائی۔کسی پر عتاب نہیں فرمایا۔کیونکہ ہر ایک کی نیت بخیر تھی۔

ف : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطائے اجتہادی میں مؤاخذہ نہیں نماز پڑھنے والے حنفیہ کے مشابہ ہیں کہ منشائے حدیث پر عمل کیا۔اور قضا کرنے والے شوافع کے مشابہ ہیں کہ ظاہر حدیث پر عمل کیا۔

واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنا مخصوص جھنڈا عنایت فرمایا۔ اور خود بھی تشریف لے جاکر بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا پچیس ۲۵ روز تک محاصرہ رہا۔آخرکار یہودی تنگ آگئے اور مصالحت کا پیام و سلام شروع کیا۔بنی قریظہ کے حضرت ابولبابہ سے حلیفانہ تعلقات تھے، اس لئے ان کو اُمید ہوئی کہ شاید وہ ہماری کچھ مدد کر سکیں۔اس بنا پر بنی قریظہ نے درخواست کی کہ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم ان سے مشورہ کر لیں۔آپ نے ابولبابہ کو اجازت دی۔بنی قریظہ نے ابولبابہ سے پوچھا کہ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم منظور کر لیں ؟ تو ابولبابہ نے کہا۔ہاں بہتر ہے لیکن حلق کی طرف اشارہ کرکے بتا دیا کہ قتل کئے جاؤ گے۔ابولبابہ ابھی اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً تنبیہ ہوا کہ میں نے اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کی۔سیدھے مسجد پہنچے اور اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا۔اور قسم کھائی کہ جبتک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ فرمائے گا، اسی طرح رہونگا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر ہوئی تو یہ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ سیدھا میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لئے استغفار کرتا نماز اور قضائے حاجت کے لئے ان کو کھولا جاتا تھا۔کچھ کھاتے پیتے نہیں تھے۔بیس دن تک مسجد کے ستون سے بندھے رہے۔جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود مسجد میں تشریف لے گئے اور ابولبابہ کو بشارت سُنائی اور اپنے دستِ مبارک سے ان کو کھولا۔

نوٹ : بعض علماء نے کہا ہے کہ غزوۂ تبوک میں جو حضرات رہ گئے تھے ان میں ابولبابہ بھی تھے، اور اس غزوہ میں شرکت نہ ہونے کے رنج و غم میں انہوں نے اپنے آپ کو ستون سے باندھ دیا تھا۔اسی حال میں جب کئی دن گذر گئے اور آیت شریفہ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ

نازل ہوئی تو ان کو کھولا گیا۔ (فضائلِ حج ص۱۶۳ و ابن کثیر اردو سورۂ توبہ ص۸)۔

بنو قریظہ میں سے تین شخصوں ثعلبہ بن سعید، اسد بن عبید، اسید بن سعید نے اسلام قبول کر لیا اور ایک شخص عمرو بن سعد یہ کہہ کر قلعہ سے باہر نکل گیا کہ میری قوم نے بدعہدی کی ہے، میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

فیصلہ بالآخر بنو قریظہ نے مجبور ہو کر درخواست کی کہ سعد بن معاذ ہمارے حق میں جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے۔ حضرت سعدؓ کو غزوۂ خندق میں ایک تیر لگ گیا تھا۔ جس کا زخم ابھی تک باقی تھا اور خون جاری تھا۔ آپ کی دُعا کی برکت سے وہ بند ہو گیا۔ اسی حالت میں حضرت سعدؓ گدھے پر سوار ہو کر حاضر ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بنو قریظہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا۔ میرا یہ فیصلہ ہے کہ ان کے مَردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے مال کو مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچّوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے۔ یہ فیصلہ ان کی آسمانی کتاب توراۃ کے مطابق تھا۔ چنانچہ اسی فیصلہ کے مطابق عمل کیا گیا۔ اس طرح اس قبیلہ کا خاتمہ ہو گیا۔

بعد ازاں حضرت سعدؓ نے دعا مانگی کہ اے اللہ اگر قریش سے لڑنا ابھی باقی ہے تو مجھ کو زندہ رکھ تاکہ تیری راہ میں ان سے جہاد کروں۔ اگر تُو نے لڑائی کو ختم کر دیا ہے تو اس زخم کو جاری کر دے اور میری شہادت کا ذریعہ بنا دے۔ دُعا کا ختم کرنا تھا کہ زخم جاری ہو گیا، اور اسی میں وفات پائی۔

اشارات

(۱) جنگِ احزاب میں مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر کفار کے ساتھ شامل ہو جانا بنو قریظہ کا ناقابلِ معافی جرم تھا۔

(۲) وقت پر دھوکہ دینے والی قوم عبرت ناک سزا کی مستحق ہے۔

(۳) محلہ بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے بعض صحابہؓ کا نمازِ عصر پڑھ لینا ثابت کرتا ہے، کہ حدیث کے منشاء پر عمل کرنا اگرچہ بظاہر وہ حدیث کے الفاظ کے خلاف ہو، اللہ اور رسول کے

نزدیک مقبول اور پسندیدہ عمل ہے۔

(۴) مخلص اور کامل مومن کے لئے ذرا سی بے احتیاطی بھی ناقابلِ برداشت ہوتی ہے اسے چین اور سکون نہیں آتا جب تک اس کا تدارک نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت ابولبابہ کے حال سے ظاہر ہے۔

۵ھ کے متفرق واقعات

(۱) اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح فرمایا۔ حضرت زینبؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

(۲) حضرت زینبؓ کے ولیمہ کے موقعہ پر پردہ کی آیت وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ نازل ہوئی۔

(۳) سورۂ نور میں جو آیتیں آئی ہیں وہ سترِ عورت کے متعلق ہیں کہ بدن کے کتنے حصے کو ہر وقت پوشیدہ رکھنا ضروری ہے اور کتنے حصے کا کھلا رہنا جائز ہے۔ مثلاً گھر میں چہرہ اور ہتھیلیوں کا ڈھکنا واجب نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس کے سامنے چاہے کھول لیا کرو۔ اگر چہرہ کھولنے کی سب کے سامنے اجازت ہوتی تو پھر پردہ کا حکم نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی (سیرت المصطفیٰ ج۔۲ ص۳۲۳)۔

نوٹ: عورت ایسے شخص کے سامنے نہ آئے جس سے اس کا نکاح جائز ہو۔

(۴) اسی سال حج فرض ہوا۔

۶ سنہ ہجری

بعض قبائل جنہوں نے لوٹ مار اور سرکشی اختیار کی اور مسلمانوں کے خلاف تیاریاں شروع کیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکوبی کے لئے وقتاً فوقتاً جماعتیں روانہ کیں ان میں چند

مشہور واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ثمامہ بن اُثال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلقِ عظیم سے دشمنوں کو مسخر کیا اور ان کے دلوں پر غلبہ پایا ہے۔ آپ کے اوصافِ حمیدہ نے دشمنوں کو دوست اور مخالفوں کو جاں نثار بنایا۔

ثمامہ بن اُثال کو جب آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اسے مسجد کے ستون سے باندھنے کا حکم فرمایا۔ اور جب کبھی آپ اس کے پاس سے گذرے تو مسکرا کر یہی فرمایا کہ میری نسبت تیرا کیا گمان ہے۔ مگر تین مرتبہ اُس نے آپ کے ارشاد کا سختی سے جواب دیا۔ تیسری مرتبہ آپ نے ثمامہ کے کھول دینے کا حکم فرمایا۔ مگر اس وقت اس کے دل پر آپ کے اخلاقِ حسنہ نے پورا گھر کر لیا تھا اور نُورِ ایمان سے اس کا قلب منور ہو چکا تھا۔ ثمامہ نے رہا ہوتے ہی مسجد سے باہر جا کر غسل کیا اور فوراً واپس آ کر بلند آواز سے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

ثمامہ جس وقت گرفتار کئے گئے، عمرہ کرنے کے لئے جا رہے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ عرض کیا اور عمرہ کرنے کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے عمرہ کرنے کا حکم فرمایا۔ ثمامہ جب مکّہ آئے تو کسی کافر نے کہا کہ ثمامہ تو بے دین ہو گیا۔ ثمامہ نے کہا ہرگز نہیں بلکہ میں تو اللہ کا مطیع و فرمانبردار اور مسلمان ہو گیا ہوں۔ کفر و شرک کوئی دین نہیں خدا کی قسم میں کبھی تمہارے مذہب کی طرف رجوع نہ کرونگا اور یمامہ سے جو غلہ تمہارے پاس آتا ہے، ایک دانہ بھی نہیں آنے دونگا۔ چنانچہ ثمامہ نے یمامہ پہنچ کر غلہ بند کر دیا تو قریش نے مجبور ہو کر آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ ہم آپ کے رشتہ دار ہیں۔ آپ ثمامہ کو لکھیں کہ غلہ بھیجنا بدستور جاری کرے۔ آپ نے ثمامہ کو لکھا کہ غلّہ نہ روکیں ثمامہ نے فوراً تعمیل کی اور مکّہ کو غلہ بھیجنا بدستور جاری کر دیا۔

ف : دشمن سے سلوک کرنا، بُرائی کرنے والوں سے نیکی اور احسان کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے۔ بزرگانِ دین نے اسی سُنّت پر عمل کرتے ہوئے اپنے دشمنوں کو دعائیں دیں۔

~ ہر کہ او خارے نہد در راہِ ما از دشمنی ہر گُل کز باغِ عمرش بشگفد بے خار باد

غزوۂ بنی لحیان یکم ربیع الاوّل ۶ھ کو شہدائے رجیع کا انتقام لینے کیلئے آپ دو سو سواروں کو لے کر روانہ ہوئے۔ بنو لحیان آپ کی خبر پاتے ہی بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے چنانچہ بلا جدال و قتال آپ واپس ہوئے۔

غزوۂ ذی قرد یا غزوہ غابہ قبیلہ غطفان کے ایک شخص عینیہ بن حصین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ کی چراگاہوں میں اونٹ چرانے کی اجازت حاصل کی مگر ایک روز موقعہ پاکر آپ کے اونٹوں پر چھاپا مارا۔ اسلمہ بن اکوع کو خبر ہوئی تو انہوں نے بلند آواز سے مدینہ میں لوگوں کو اطلاع دی اور خود اکیلے ان کے تعاقب میں روانہ ہوگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خبر پاتے ہی اس کی سرکوبی اور گوشمالی کیلئے تشریف لے گئے۔ پھر صحابہؓ کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ جاملی۔ آپ نے ان کو آگے روانہ فرمایا اور خود چشمۂ ذو قرد پر قیام فرمایا۔ اسلمہ نے ان کو جالیا۔ اتنے میں صحابہؓ کی جماعت بھی پہنچ گئی۔ مقابلہ ہوا تو مشرکین شکست کھا کر بھاگ گئے۔ مسلمان مالِ غنیمت لے کر واپس ہوئے۔

منافقین کی شرارت، سریہ کرز بن جابر فہریؓ عرنیہ ایک میدانی علاقہ ہے وہاں کے کچھ آدمی مدینہ آکر بظاہر مسلمان ہوگئے۔ چند روز کے بعد آپ سے عرض کیا کہ ہمارا گذارہ مویشیوں کے دودھ پر ہے۔ غلہ کے ہم عادی نہیں اور مدینہ کی آب و ہوا ہم کو موافق نہیں۔ آپ نے اُن کو انکی حسبِ خواہش قبا کی پہاڑیوں پر جہاں صدقات کے اونٹوں کی چراگاہ تھی بھیج دیا۔ اور دودھ پینے کی اجازت دی۔ یہ لوگ دودھ پی پی کر جب خوب تندرست اور موٹے تازے ہوگئے تو ایک دن موقعہ پاکر آپ کے چرواہے کو بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹے اور آنکھوں میں کانٹے چبھوئے اور اونٹوں کو بھگا کر لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں کرز بن جابرؓ کی سرکردگی میں صحابہؓ کی ایک جماعت کو روانہ فرمایا جنہوں نے ان لوگوں کو گرفتار کر لیا اور سب کے سب قصاص میں قتل کر دیئے گئے۔

سریہ عمرو بن اُمیہؓ ابوسفیان نے ایک اعرابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے

مدینہ بھیجا۔ آپ نے اعرابی کو دیکھ کر فرمایا کہ کسی فاسد نیّت سے آ رہا ہے۔ حضرت اسید بن حضیرؓ نے اسے پکڑا، اور وہ خنجر جسے کپڑوں میں چھپائے ہوئے تھا، اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا آپ نے فرمایا۔ سچ بتا کس نیّت سے آیا ہے۔ اعرابی نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے اُسے چھوڑ دیا اور معاف کر دیا۔ وہ یہ سُلوک دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ بعد ازاں آپ نے عمرو بن اُمیّہؓ اور سلمہ بن اسلمؓ کو ابوسفیان سے انتقام لینے کیلئے روانہ کیا۔ ابوسفیان پر تو ان کا بس نہ چلا مگر واپسی پر قریش کے دو جاسوس ملے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا تجسّس کرنے کے لئے جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک کو تو انہوں نے قتل کر دیا اور دوسرے کو گرفتار کر کے بارگاہِ نبوی میں پیش کیا۔

صُلحِ حُدَیْبیہ

عمرہ کے لئے روانگی مسلمانوں کو مکہ چھوڑے ہوئے تقریباً چھ سال ہو گئے تھے، اور ان کو حج سے محرومی کا نہایت افسوس تھا۔ ان کے دل خانہ کعبہ کے طواف کے لئے بے چین رہتے تھے۔ کعبہ تمام عرب کی عبادت گاہ تھی، کوئی اس کا مالک نہ تھا۔ قریش اس کے صرف محافظ تھے اس لئے ان کے ہاں بھی حج اور عمرہ سے روکا نہیں جاتا تھا۔ مگر مسلمانوں کے ساتھ ان کی مذہبی مخالفت اور عداوت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ کسی مسلمان کو حج اور عمرہ کرنے کیلئے مکہ میں آنے دینا گوارا نہیں کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں امن و امان کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کیا۔ قربانی کے جانور ذبح کئے اور سر منڈائے، بال کتروائے۔ اس خواب کی تعبیر کے لئے کوئی تاریخ مقرر نہ تھی، عام طور سے صحابہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خواب اسی سال پورا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں اور حضور نے بھی عمرہ کا ارادہ کر لیا۔ اور آپ تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمیوں کے ہمراہ اس مقصد کیلئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس خیال سے کہ کسی کو مسلمانوں کی نیّت پر شبہ نہ ہو، احرام باندھ لیا۔ قربانی کے جانور ساتھ لئے

ہتھیار لگانے کی سب کو ممانعت کردی۔ مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو اتفاق سے قبیلہ خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقاء آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آنے کی غرض دریافت کی۔ آپ نے فرمایا۔ فقط کعبہ کی زیارت مقصود ہے۔ اس قبیلہ سے مسلمانوں کے دوستانہ مراسم تھے۔ بدیل نے قریش کو کہلا بھیجا۔ کہ مسلمان لڑنے کو نہیں آئے عمرہ کے ارادے سے آئے ہیں مگر قریش نے نہ مانا اور آپ سے لڑنے اور بیت اللہ کی زیارت سے روکنے پر تُل گئے اور خالد بن ولید نے فوج کا دستہ لے کر عتیم میں اپنا خیمہ مورچہ جمالیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور حدیبیہ تشریف لے گئے۔ حدیبیہ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے اور اسی کے نام سے وہاں کی آبادی کا نام بھی حدیبیہ ہے مگر آج کل شمیسیہ کے نام سے مشہور ہے۔

حدیبیہ کا قیام یہاں پہنچ کر آپ کی اونٹنی اچانک بیٹھ گئی۔ صحابہؓ نے اُٹھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ اٹھی۔ آپ نے فرمایا۔ ہٹ جاؤ، اسے چھوڑ دو۔ میری اونٹنی خدا کی مطیع اور فرمانبردار ہے اس کا یوں بیٹھنا خالی از حکمت نہیں کیونکہ اس کا چلنا بیٹھنا سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ میں خُوب جانتا ہوں کہ اس کا گھٹنے ٹیک دینا خانہ کعبہ کی تعظیم اور حرمت کی حفاظت کیلئے ہے۔ خدا کی قسم اہل مکہ مجھ سے جس بات کا مطالبہ کریں گے میں ضرور منظور کرونگا، بشرطیکہ خانہ کعبہ کی عظمت و جلال پر آنچ نہ آئے۔ یہ کہہ کر اونٹنی کو اشارہ کیا۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آپ نے حدیبیہ کے کوئیں پر پہنچ کر قیام فرمایا۔

معجزہ (۱) حدیبیہ میں پانی کی قلت ہو گئی۔ صرف ایک برتن میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اس میں اپنا دستِ مبارک ڈالا۔ بس پانی تھا کہ آپ کی انگلیوں سے چشمہ کی طرح اُبل اُبل کر بہنے لگا۔ صحابہؓ نے خوب پیا اور وضو بھی کیا۔ (ترجمان السنہ ج۔۴ ص ۲۵)

معجزہ (۲) حدیبیہ کے کنوئیں میں بھی پانی تھوڑا تھا جو اسی وقت ختم ہو گیا۔ آپ نے کنوئیں کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا اور ایک کلی اس پانی میں کر کے دعا فرمائی اور وہ پانی کنوئیں میں ڈال دیا تھوڑی دیر کے بعد اتنا پانی ہو گیا کہ جب تک لشکر وہاں رہا، پانی کم نہ ہوا۔ (تاریخ حبیب اِلٰہ ص ۱۰۹)

حضرت عثمانؓ کی سفارت اور بیعتِ رضوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش بن امیہ خزاعی کو اہلِ مکہ کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ ہم فقط بیت اللہ کی زیارت کیلئے آئے ہیں جنگ کیلئے نہیں آئے۔ قریش ان کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے۔ انہوں نے واپس آکر حالات بیان کئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے اہلِ مکہ کو آپ کا پیغام پہنچایا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اگر تم چاہو تو طواف کر سکتے ہو۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں حضورؐ کے بغیر ہرگز طواف نہیں کر سکتا۔ قریش یہ سُن کر خاموش ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔ اور اِدھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے۔ اس خبر نے مسلمانوں کو جوشِ انتقام سے بیتاب کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا۔ اور فرمایا کہ جبتک میں ان سے بدلہ نہ لے لوں گا یہاں سے واپس نہ جاؤنگا اور وہیں ایک کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے جہاد پر بیعت لی۔ اسی کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ سیدھے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ میرا یہ ہاتھ عثمان کیلئے ہے۔ اس طرح حضرت عثمانؓ کی جانب سے بیعت کر لی۔

عروہ بن مسعود قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کو واپس بھیج دیا۔ اور صلح کیلئے نامہ و پیام شروع کر دیا۔ چنانچہ عروہ بن مسعود قریش کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے عروہ سے کہا کہ ہم لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے بلکہ عمرہ کیلئے آئے ہیں۔ اگر مکہ والے لڑائی پر آمادہ ہیں تو میں امرِ نبوت کیلئے یہاں تک لڑوں گا کہ یا خدا کی راہ میں ختم ہو جاؤں یا اللہ تعالیٰ اپنا حکم صادر فرمائے۔ بہتر ہے کہ قریش ایک مدت کیلئے صلح کر لیں اور مجھ کو تبلیغ و ہدایت کا کام کرنے دیں۔ عروہ نے نہایت ترشروئی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ تم یہ اتنا بڑا انبوہ لے کر خود اپنی قوم کو مٹانے آئے ہو۔ یاد رکھو یہ جماعت اعتماد کے قابل نہیں اگر ذلت

ان میں سے کوئی آپ کا ساتھ نہیں دیگا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق کو اس قدر غصّہ آیا کہ تاب نہ لا سکے۔ اور اُسے ایسا سخت اور ذلّت آمیز جواب دیا کہ عروہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ عروہ نے کہا۔ میں ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا مگر میری گردن ان کے احسان سے دبی ہوئی ہے عروہ عرب کے قاعدے کے مطابق آپ سے بات کرتے کرتے آپ کی ریشِ مبارک پر ہاتھ لگاتا جاتا تھا۔ مگر عروہ کے بھتیجا حضرت مغیرہؓ اس کو گوارا نہ کر سکے۔ تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے۔ ادب سے بات کر اور اپنا ہاتھ الگ رکھ۔ الغرض مسلمانوں کی روحانی قوّت اور محبّتِ نبوی کے منظر نے عروہ کو حیرت میں ڈال دیا۔ اُس نے قریش سے جا کر کہا۔ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں مگر ایسی عقیدت اور جاں نثاری کہیں نہیں دیکھی محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ ان کے پسینہ کی جگہ خون گرانے کو موجود ہیں۔ سخت سے سخت حکم کی تعمیل کو اپنا فخر و اعزاز سمجھے ہوئے ہیں۔ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے اس پر خلقت ٹُوٹ پڑتی ہے۔ بلغم یا تھوک گرتا ہے تو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں، اور اس تبرّک کے حاصل کرنے میں سبقت کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی تابعدار اور مضبوط جماعت کا مقابلہ کرنا آسان کام نہیں ہے۔

سہیل بن عمرو بالآخر قریش نے بغرضِ صلح سہیل بن عمرو کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور دیر تک شرائطِ صلح پر گفتگو ہوتی رہی، اور صلحنامہ لکھنا قرار پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علیؓ نے جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد یہ لکھا کہ یہ عہد نامہ محمّدؐ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قریش کے درمیان قرار پایا۔ تو سہیل نے کہا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو بیت اللہ سے کیوں روکتے اور آپ سے کیوں لڑتے۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ سے شروع کیجئے اور محمّدؐ رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبد اللہ لکھئے۔ اس پر بحث و تکرار بھی ہوئی۔ اور مسلمانوں کو غصّہ اور جوش آیا کہ تلوار سے معاملہ ایک طرف کر دیا جائے۔ لیکن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ والوں کے اصرار کے مطابق سب باتیں منظور فرمالیں۔ حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اس جملہ کو محو کر دو۔ میں رسول اللہ بھی ہوں اور ابنِ عبداللہ بھی ہوں۔ مگر حضرت علیؓ سے یہ کب ممکن تھا کہ وہ اس جملہ کو اپنے ہاتھ سے مٹائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ تحریر کو معلوم کر کے دستِ مبارک سے اس جملہ کو محو کر دیا۔ مسلمانوں نے بے انتہا ضبط و تحمل سے کام لیا اور صلحنامہ تحریر ہو گیا۔

معاہدہ کی شرائط صلحنامہ کی شرطیں حسبِ ذیل تھیں۔

(۱) اس سال مسلمان بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں۔

(۲) آئندہ سال ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تلواریں ساتھ ہوں وہ بھی نیام میں ہوں۔

(۳) صرف تین دن قیام کریں۔ جب تک وہ رہیں گے ہم مکّہ چھوڑ کر پہاڑیوں پر چلے جائیں گے۔

(۴) مکّہ میں جو مسلمان پہلے سے موجود ہیں ان میں سے کسی کو ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکّہ رہ جانا چاہے تو اُسے نہ روکیں۔

(۵) کافروں یا مسلمانوں میں اگر کوئی مکّہ سے مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکّہ چلا جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۶) فریقین میں دس سال تک جنگ بند رہے گی۔ اور کوئی فریق معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کریگا اور ایک دوسرے کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں گے۔ تجارتی مقاصد اور ضرورتوں کیلئے ایک دوسرے کے علاقہ سے گذرنے کی اجازت ہوگی۔

(۷) قبائل کو اختیار ہے کہ جس کے معاہدہ میں چاہیں شریک ہو جائیں۔ چنانچہ بنو خزاعہ آپ کے عہد میں اور بنو بکر قریش کے عہد میں شریک ہو گئے۔

اس اثناء میں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ایک جماعت خفیہ طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی غرض سے آئی ہے۔ چنانچہ ان کا سراغ لگا کر مسلمانوں نے اس جماعت کے افراد کو

گرفتار کرلیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رہا کر دیا۔

ابو جندل ابھی صلحنامہ لکھا ہی جارہا تھا کہ سہیل کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ پا بہ زنجیر کفّار کی قید سے نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سہیل نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابھی تو صلح نامہ پورا نہیں لکھا گیا۔ مکمّل ہونے کے بعد اس پر عمل ہونا چاہیئے مگر سہیل نہ مانا۔ بالآخر آپ نے ابو جندل کو سہیل کے حوالہ کر دیا۔ عام مسلمانوں کو ان کی واپسی بڑی شاق گذری۔ صحابہ کرامؓ کو اس طرح دب کر صلح کرنا گوارا نہ تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں اور کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بیشک میں اللہ کا رسول ہوں اور ہم حق پر ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر ہم یہ ذلت کیوں گوارا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اور وہ میرا معین و مددگار ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت صدیقِ اکبرؓ کے پاس گئے، اور جا کر ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی لفظ بہ لفظ وہی جواب دیا۔ جو آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا تھا۔[1]

قربانی تکمیلِ صلح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا۔ صحابہ شرائطِ صلح سے اس قدر مغموم اور شکستہ خاطر تھے کہ کوئی شخص تیار نہ ہوا۔ آپ ام المؤمنین حضرت امِ سلمہ کے پاس تشریف لے گئے اور یہ واقعہ بیان فرمایا۔ تو ام المؤمنین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گذری ہے جس کی وجہ سے تعمیلِ ارشاد نہیں کر سکے۔ آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ باہر تشریف لے جا کر قربانی کیجئے۔ لوگ خود بخود آپ کی اتباع کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے قربانی کرتے ہی سب نے قربانی شروع کر دی۔

---

[1] حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ بعد میں میں اپنی گستاخی پر بہت نادم ہوا، اور اس کے کفارے میں بہت سی نمازیں پڑھیں، اور روزے رکھے۔ خیرات کی، اور بہت سے غلام آزاد کئے۔ تاکہ مجھے میری تلخ کلامی کی سزا نہ اٹھانی پڑے۔

سورۃ الفتح کا نزول تقریباً دو ہفتے کے بعد آپ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ ہی میں سورۃ الفتح نازل ہوئی۔ صحابہؓ نے ازراہِ تعجب آپ سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بیشک یہ عظیم الشان فتح ہے۔

صلح کے اثرات اور نتائج (۱) کافروں اور مسلمانوں کو بے تکلف ملنے جلنے کا موقعہ ہاتھ آیا مسلمانوں کے اخلاق اور اسلام کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ کفار کو اسلام کی طرف کشش ہوئی اور دو سال کی مدت میں اس کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے کہ ابتدائے بعثت سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اس طرح دلوں کو فتح کر لینا صلح حدیبیہ کی عظیم ترین برکت تھی۔ خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن عاصؓ جیسے نامور اور مدبر صحابہ اسی دوران حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

(۲) اب جماعتِ اسلام اس قدر پھیل گئی اور بڑھ گئی کہ مکہ معظمہ کو فتح کرنا آسان ہو گیا۔ حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف ڈیڑھ ہزار جانباز تھے لیکن دو برس بعد مکہ معظمہ کی فتح کے وقت دس ہزار کا لشکرِ جرار آپ کے ہمرکاب تھا۔ سچ تو یہ ہے، کہ نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر بلکہ آئندہ کُل فتوحاتِ اسلامیہ کیلئے دروازہ کُھل گیا اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ صلح کی یہ شرطیں اسلام کی فتح کا اعلان تھیں۔

(۳) آپ کے درگذر اور سخت سے سخت ناخوشگوار واقعات پر صبر و تحمل کرنے کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کی کوتاہیوں کی معافی کی بشارتِ عظیمہ سے سرفراز فرمایا۔ جب آپ نے صحابہ کرام کو اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا پڑھ کر سنائی تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو آپ کیلئے ہوا، ہمارے لئے کیا ہوا۔ اس پر یہ آیتیں[1] نازل ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ نے اطمینان اور سکینہ اُتار کر مومنین کا ایمان بڑھایا تاکہ انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں داخل کرے۔

---

[1] دیکھو هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ (سورۃ فتح)

ان کی برائیوں اور کمزوریوں کو معاف کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جن اصحاب نے حدیبیہ میں بیعت کی، ان میں ایک بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔

معاہدہ کے بعد جو مسلمان مرد مکہ سے بھاگ کر مدینہ آیا۔ آپ نے اس کو از روئے معاہدہ واپس کر دیا۔ بعد چندے کچھ مسلمان عورتیں ہجرت کر کے مکہ پہنچیں۔ اہلِ مکہ نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ان کی واپسی سے منع فرمایا۔ اور یہ ظاہر کر دیا کہ واپسی کی شرط مردوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ عورتیں اس شرط میں داخل نہیں۔ اس پر کفار بھی خاموش ہو گئے اور عورتوں کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا۔

ایفائے عہد جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے قریش انہیں سخت اذیتیں دیتے تھے۔ ان ستم رسیدہ لوگوں میں ایک ابو بصیر بھی تھے جو کفار کی سختیوں کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے اور مدینہ آ کر پناہ لی۔ قریش کے دو آدمی انہیں لینے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرطِ معاہدہ کے مطابق انہیں واپس کر دیا۔ راستہ میں ایک جگہ ٹھہرے۔ ابو بصیر نے دونوں میں سے ایک کی تلوار سے کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دوسرا جان کے خوف سے بھاگ گیا۔ اور واپس مدینہ پہنچ کر دربارِ نبوی میں شکایت کی۔ اتنے میں ابو بصیر بھی آ پہنچے۔ آپ نے فرمایا یہ جب لڑائی کا بھڑکانے والا ہے۔ ابو بصیر سمجھا کہ اگر یہاں ٹھہرا تو مجھے پھر واپس کر دیں گے۔ اور یہ کہہ کر یا رسول اللہ! آپ نے تو عہد کے مطابق اپنی طرف سے مجھ کو واپس کر دیا تھا۔ اب آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، وہاں سے چل دیا۔ اور ایک جگہ پر سمندر کے کنارے جدھر سے قریش کے قافلے گذرا کرتے تھے، جا بیٹھا۔ مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو جب معلوم ہوا کہ ابو بصیر نے اپنی قوت کے بل بوتے پر ایک ٹھکانا پیدا کر لیا ہے تو سب بھاگ بھاگ کر اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ابو جندل بھی وہیں جا ملے۔ جب ان کی اچھی خاصی جمعیت[1] ہو گئی تو انہوں نے قریش کے تجارتی قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ قریش نے مجبور ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ ہم اپنی شرط سے باز آئے

---

[1] ستر آدمی اور بعض کہتے ہیں تین سو آدمی (تاریخ حبیب الہ ص ۱۶۱)

آئندہ جو مسلمان جانب مدینہ جا کر آباد ہو جائے ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اور ان لوگوں کو اپنے پاس بُلا لیں۔ چنانچہ آپ نے ان لوگوں کو بُلا بھیجا۔ جس وقت آپ کا حکم نامہ پہنچا تو ابوبصیرؓ حالتِ نزع میں تھے۔ انہوں نے نامۂ مبارک ہاتھ میں لیا اور جان بحق تسلیم کی باقی مسلمان مدینے چلے آئے اور قریشِ مکہ کے تجارتی قافلوں کا راستہ بدستور کھل گیا۔

نوٹ: متذکرہ بالا اُمور کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جو کام حدیبیہ کی بظاہر مغلوبانہ صلح نے کیا وہ شاید ایک بہت بڑی فتح کے ذریعہ بھی سرانجام نہ پا سکتا تھا۔

اسباق و اشارات

(۱) قریش کا مصالحت کی گفتگو پر اُتر آنا اس حقیقت کا نہایت واضح ثبوت ہے، کہ اب وہ مسلمانوں کو خانماں برباد اور ستم رسیدہ مہاجر نہیں سمجھتے تھے بلکہ انہیں اپنا ہم پلہ اور ہم پایہ قرار دینے پر مجبور ہو گئے تھے۔

(۲) اگر کافروں سے صلح کرنے میں کوئی نفع یا مصلحت ہو تو صلح کرنا جائز ہے۔ ہاں اگر مسلمانوں کا کوئی نفع نہ ہو تو دب کر صلح کرنا جائز نہیں۔

(۳) ضرورت کے وقت کافروں سے بلا معاوضہ یا مال دے کر یا مال لے کر تینوں طرح صلح کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ہجرت کے بعد یہود مدینہ سے بلا معاوضہ دیئے اور لئے معاہدہ فرمایا۔ اور نصاریٰ نجران سے مال ٹھہرا کر صلح فرمائی اور غزوۂ احزاب میں آپ نے مدینہ کی تہائی پیداوار دے کر صلح کا ارادہ فرمایا معلوم ہوا کہ تینوں طرح جائز ہے۔

(۴) جب معاہدہ ہو جائے تو اس کا لکھ لینا مناسب ہے۔

(۵) جب تمام صحابۂ صلح کی شرائط کو دیکھ کر بے چین اور مضطرب تھے تو اس وقت حضرت ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قلب ہی مطمئن تھا۔ حتیٰ کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنا اضطراب ان سے بیان کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے وہی جواب دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا تھا۔ پس اخلاق و عادات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت اور موافقت اور

حادثات پر ثابت قدمی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہؓ پر خصوصی فضیلت ہے۔

(۶) صحابہؓ کے ایمان کا ایک رنگ یہ تھا کہ بیعتِ جہاد کا حکم دیا گیا تو اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جذبات کے خلاف بحکمِ الٰہی صلح منظور فرمائی تو ان کے ایمان کا دوسرا رنگ تھا کہ اپنے پُر جوش جذبات کو زور سے دبا کر اللہ اور رسول کے فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ)۔

سہ جہاں کر دیا گرم گرما گئے وُہ ۔۔۔ جہاں کر دیا نرم نرما گئے وُہ

اِسلام کی سیاستِ خارجہ
اور
صلحِ حدیبیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لاتے ہی سب سے پہلے اپنے بے خانماں ساتھیوں کی رہائش کا انتظام کیا۔ پھر اہلِ مدینہ اور یہود سے معاہدہ کر کے شہری مملکت کی بُنیاد ڈالی۔ گرد و نواح کے قبائل سے دوستانہ تعلقات قائم کئے۔ چنانچہ مدینہ سے ینبوع تک جو علاقہ ہے وہاں کے قبائل بنی ضمرہ اور مدلج سے معاہدہ اور اقرار کیا کہ اگر کوئی مدینہ پر حملہ آور ہو تو یہ مسلمانوں کو مدد دیں۔ اور اگر ان کے علاقہ پر کوئی چڑھائی کرے تو مسلمان ان کی مدد کریں۔ البتہ جارحانہ پیش قدمی میں غیر جانبداری برتی جائے۔ مکّہ والوں کے تجارتی قافلے شام مصر وغیرہ جانے کیلئے اسی راستہ سے گذرتے تھے۔ اس راستہ کی بندش قریش پر معاشی دباؤ ڈالنے کیلئے اتنی مؤثر ثابت ہوئی کہ بدر کی شکست فاش بھی انہیں اتنا بے بس نہ کر سکی۔ ۳ھ ہجری میں اُحد میں اگرچہ مسلمانوں کو صدمہ پہنچا لیکن انہوں نے بہت جلد نجد کے علاقہ میں اثرات پھیلا کر اپنا اقتدار بڑھا لیا۔ اور قریش کے ساحلی راستہ کی طرح عراق وغیرہ جانے کا صحرائی راستہ بھی بند کر دیا۔ پھر مکّہ کے اطراف کے قبائل سے معاہداتِ دوستی کر کے ان کو قریش سے تعلقات منقطع

کر لینے پر آمادہ کیا اور مدینہ کے شمال کی طرف دومۃ الجندل کے اہم تجارتی مقام تک اپنے اثرات پھیلا کر قریش کے تجارتی تعلقات شمال سے بالکل بند کر دیئے۔

اسی اثنا میں مدینہ کے یہودی مسلمانوں سے لڑ کر اپنے کئے کی سزا پا چکے تھے اور مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر وغیرہ میں آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے قریش کو اور اپنے حلیف قبائل غطفان اور فزارہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر لڑائی پر آمادہ کیا۔ چنانچہ انہی یہودیوں کی کوششوں سے غطفان اور فزارہ نے ایک طرف سے اور قریش نے دوسری طرف سے معرکۂ خندق میں مدینہ کا محاصرہ کیا۔ اور اس نازک لمحہ میں مدینہ کے اندر یہود بنی قریظہ نے بھی غداری کی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حسنِ تدبیر اور صحابہؓ کی جاں نثاری اور استقامت کے باعث کسی کی کوئی پیش نہ گئی اور بالآخر محاصرہ اُٹھا کر ذلت کے ساتھ ناکام و نامراد واپس ہوئے۔

جنگِ خندق کے بعد جب بنی قریظہ کو اپنی بدعہدی کی سزا ملی تو خیبر، تیما، وادی القرا، اور مقنا وغیرہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف ازسرِ نو شدید جد وجہد کا آغاز کیا۔ مسلمانوں کیلئے یہ بڑا نازک زمانہ تھا۔ شمال میں خیبر یہودی قوت کا مرکز تھا۔ غطفان اور فزارہ قبائل بھی مسلمانوں کی تاخت و تاراج کے درپے تھے۔ جنوب میں مکہ تھا اور اہلِ مکہ مسلمانوں کو مٹانے پر ہر وقت تُلے ہوئے تھے۔ ضرورت تھی کہ خیبر اور مکہ دونوں کی قوت کا استیصال کیا جائے۔ مگر مسلمانوں کی قوت اتنی نہیں تھی کہ بیک وقت دونوں پر اقدامی حملہ کر کے دشمنوں سے نجات حاصل کرے۔ کسی ایک سے مقابلہ ممکن ہے۔ کیونکہ مدینہ خیبر اور مکہ کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ اگر مسلمان مکہ جاتے ہیں تو خیبر اور غطفان والوں کے حملہ کا ڈر ہے۔ اور اگر خیبر کا رُخ کرتے ہیں تو مدینہ پر اہلِ مکہ کے چڑھ آنے کا خوف ہے۔ ان حالات میں سیاست کا اقتضاء یہی ہو سکتا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک دشمن سے صلح کر کے دوسرے کے مقابلہ میں اس کو دوست یا کم از کم غیر جانبدار بنا دیا جائے اور ان کی اجتماعی قوت کو توڑ دیا جائے۔

یہود کو اپنی جلا وطنی اور جائداد کے لُٹنے کا داغ تھا اور نہ ہی وہ قابلِ اعتماد تھے۔

ویسے بھی عربوں کے مقابلہ میں غیر جنگ جو ہونے کے باعث ان کی تسخیر آسان تھی۔ لیکن اہلِ مکہ دُھن کے پکے قومی مفاد کیلئے تن من دھن سے لگ جاتے تھے۔ ان میں بات کا پاس تھا انکی طبیعت مہمات پسند تھی۔ انتظام کی قابلیت اور ملکہ دوسروں سے کہیں زیادہ رکھتے تھے مسلمان مہاجرین سب مکی تھے۔ اہلِ مکہ ان کے رشتہ دار تھے۔ اہلِ مکہ کی تباہی سے زیادہ ان کا اسلام مفید ہوسکتا تھا کیونکہ قریش کے معاشی اور تمدنی تعلقات تمام عرب سے تھے، اور ان کی صلاحیتیں عرب بھر میں سب سے زیادہ تھیں۔ ان حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریقوں میں سے صلح کیلئے اہلِ مکہ کا انتخاب فرمایا۔

اس کے بعد حج کے موسم میں جبکہ قریش لڑائی حرام سمجھتے تھے۔ آپ عمرہ کیلئے روانہ ہوئے حدیبیہ پہنچ کر قریش سے گفت و شنید شروع کی۔ قریش نے اس کو اپنی بہت بڑی کامیابی سمجھا۔ کہ ایک زبردست دشمن جو انتہائی کوشش کے باوجود زیر نہ ہوسکا، منہ مانگی شرطیں منظور کر کے صلح منظور کرلی اور یہ طے کیا کہ آئندہ دس سال تک نہیں لڑیں گے اور ایک دوسرے کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی لڑائی میں غیر جانبداری منظور کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا موقعہ دیا کہ آپ خیبر کی قوت توڑ دیں۔

قریش کا اس صلح پر آمادہ ہو جانا اور یہودیوں کے متعلق غیر جانبدار رہنے پر آمادہ ہونا اسلامی سیاستِ خارجہ کی بے نظیر کامیابی اور فتحِ مبین اور نصرِ عزیز ہے۔ حدیبیہ سے فارغ ہو کر دو ہفتہ کے بعد خیبر کی طرف کوچ بول دیا گیا۔ اور جنگ کی ایسی طرح ڈالی کہ خیبر والوں کی مدد کیلئے کوئی نہ آیا، اور حسبِ توقع آسانی کے ساتھ اس خطرہ کا ہمیشہ کیلئے ازالہ کر دیا گیا۔ ان فوری خطرات سے نجات ملنے پر مسلمانوں نے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے عرب کو اپنا مطیع بنا لیا اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات بالکل خارج کر کے ایک ایسی مستحکم حکومت کر دی جو چند ہی سال میں تین براعظموں میں پھیل گئی اور جو اس سے ٹکرایا، پاش پاش ہو کر رہ گیا، اور جس نے سرِ تسلیم خم کیا وہ اسلام کی برادری میں برابر کا شریک ہو گیا۔ یہی وہ صلح حدیبیہ ہے جسے عہدِ نبوی

کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار۔ اور فتح مبین کہنا چاہیئے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ؕ

سلاطینِ عالم کو دعوتِ اسلام

اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو فتحِ مبین فرمایا ہے۔ فتح بند چیز کے کھول دینے کو کہتے ہیں۔ اب تک عرب کی مخالفت کی وجہ سے دعوتِ اسلام اور تبلیغِ احکام کا دروازہ بند تھا۔ اس صلح نے اس دروازہ کو کھول دیا۔ اور وقت آگیا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے تمام بندوں کو پہنچا دیا جائے۔ لیکن عوام چونکہ اپنے بادشاہوں اور رئیسوں کے تابع ہوتے ہیں اور انہی کے اشاروں پر چلتے ہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے واپس ہو کر ماہ ذی الحج ۶ھ ہجری میں بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط روانہ کرنے کا قصد فرمایا۔ اور صحابہ کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! میں تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تمام دنیا کو اسلام کا پیغام پہنچاؤ، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔ حضرات صحابہؓ دل و جان سے تعمیلِ ارشاد کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے سلاطین اور امرا کے نام خطوط روانہ فرمائے، اور ان کو حق کی دعوت دی۔ اور آگاہ کر دیا کہ اگر قبولِ حق سے روگردانی کی تو رعایا کی گمراہی کی تمام تر ذمہ داری تم پر عائد ہوگی۔

ہرقل قیصرِ روم کے نام فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ والا نامہ حضرت دحیہ کلبی کو دے کر قیصرِ روم کی طرف روانہ فرمایا۔ انہوں نے دربار میں پہنچ کر آپ کا والا نامہ پیش کیا۔ قیصر نے تحقیقِ حال کے لئے قریش کے تجارتی قافلہ کو جو ان دنوں تجارت کی غرض سے آیا ہوا تھا، دربار میں طلب کیا۔ اور دریافت کیا کہ تم میں مدعیٔ نبوت کا قریبی رشتہ دار کون ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ میں ہوں۔ قیصر نے کہا۔ تم میرے قریب ہو جاؤ۔ پھر اس طرح سلسلہ کلام شروع ہوا۔

قیصر: مدعیٔ نبوت کا خاندان کیسا ہے؟ ابوسفیان: وہ بڑے شریف اور عالی نسب ہیں۔

قیصر: ان کے خاندان میں کسی اور نے بھی کبھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: ان کے آباو اجداد میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟ ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا تم لوگوں نے ان کو دعوائے نبوت سے پہلے کبھی جھوٹ بولتے پایا ہے۔

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: ان پر ایمان لانے والے لوگ اکثر غریب ہیں یا امیر؟

ابوسفیان: اکثر غرباء اور ضعفاء۔ قیصر: انکے پیرو روز بروز بڑھتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں۔

ابوسفیان: بڑھتے جاتے ہیں۔ قیصر: ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد لوگ مرتد بھی ہوجاتے ہیں یا نہیں۔ ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا وہ عہد و پیمان کو توڑ بھی دیتے ہیں؟ ابوسفیان: آج تک انہوں نے عہد شکنی نہیں کی لیکن آج کل ہمارے اور ان کے درمیان عہد نامہ ہوا ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر رہتے ہیں یا نہیں۔

قیصر: تم لوگوں نے کبھی اس سے جنگ بھی کی؟ ابوسفیان: ہاں۔

قیصر: کیا نتیجہ رہا؟ ابوسفیان: کبھی ہم غالب آئے کبھی وہ۔

قیصر: وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟ ابوسفیان: صرف اللہ کی عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز پڑھو۔ سچ بولو۔ پاکدامنی اختیار کرو۔ صلہ رحمی کرو۔

یہ تمام حالات سن کر ہرقل نے ابوسفیان سے کہا کہ تم کہتے ہو کہ وہ عالی نسب ہے۔ بیشک انبیاء ایسے ہی خاندان سے بھیجے جاتے ہیں جو حسب و نسب میں سب سے بالا ہو۔ تم یہ بھی تصدیق کرتے ہو کہ ہم نے ان کو کبھی جھوٹا نہیں پایا۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص جو بندوں پر تو جھوٹ نہ باندھے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے۔ تمہیں یہ بھی اقرار ہے کہ اس کے پیرو غرباء اور ضعفاء ہیں بیشک انبیاء کی پیروی کرنے والے اکثر ضعفاء اور غرباء ہی ہوتے ہیں۔ تم یہ بھی مانتے ہو کہ ان کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں۔ بیشک حق کے پیرو روز بروز بڑھتے ہی رہتے ہیں۔ تم اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہو کہ ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ان کے دین سے بیزار ہو کر مرتد نہیں ہوتا۔ بیشک ایمان کا یہی حال ہے کہ جب اس کی شیرینی اور حلاوت قلب میں سما جاتی ہے۔ تو

پھر کسی طرح نہیں نکلتی۔ تمہارا یہ بھی بیان ہے کہ وہ کبھی بدعہدی نہیں کرتے اور لڑائی میں کبھی وہ اور کبھی ہم غالب رہتے ہیں۔ بیشک انبیاء کے ساتھ ابتداءً اللہ تعالیٰ کا ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے کہ کبھی غالب ہوتے ہیں کبھی مغلوب۔ تاکہ ان کے متبعین کے صدق اور اخلاص کا امتحان ہوتا رہے۔ لیکن انجام کار انہی کو غلبہ اور فتح نصیب ہوتی ہے۔ پھر تم یہ بھی اعتراف کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں۔ شرک اور بُت پرستی سے منع کرتے ہیں، نماز، زکوٰۃ، سچائی، پاکدامنی اور صلہ رحمی کی تاکید کرتے ہیں۔ اگر یہ تمام چیزیں جو تم نے بیان کی ہیں صحیح ہیں تو وہ بلاشبہ نبی ہیں اور عنقریب وہ میرے قدموں کی جگہ، یعنی شام اور بیت المقدس کے مالک ہو کر رہیں گے۔ کاش میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے قدم مبارک دھو کر پیتا۔ بعد ازاں آپ کا والا نامہ پڑھ کر سنایا گیا۔ خط کا سُننا تھا کہ ایک شور برپا ہو گیا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ ہم سب کو باہر نکال دیا گیا باہر آنے کے بعد مجھے تعجب ہوا، کہ روم کا بادشاہ بھی آپ سے ڈرتا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے پاؤں دھونے کی تمنا رکھتا ہے۔ اسی روز سے مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کا دین ضرور غالب ہو کر رہیگا یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ (ترجمان السنۃ ج۔۳ صہ ۱۶۴ و سیرت المصطفیٰ ج۔۲ صہ ۳۶۸)۔

نوٹ: (۱) ہرقل نے آپ کے رسولِ برحق ہونے کا اقرار کیا۔ مگر دنیا کی عارضی بادشاہت کی طمع نے اس کو آخرت کی لازوال بادشاہت سے محروم رکھا۔

(۲) ابوسفیان اور ان کے رفقاء کے دلوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب اور وقار کا سکہ بیٹھ گیا اور آپ کے مقابلہ میں اپنی ذلت کا یقین ہو گیا۔

کسریٰ پرویز شاہِ ایران کے نام فرمان | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک فرمان (من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس[1] کے عنوان سے) حضرت عبداللہ

---

[1] اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فارس کے بادشاہ کسریٰ پرویز کے نام۔

بن حذافہ کی معرفت فارس کے بادشاہ کسریٰ پرویز کو بھیجا۔ اور ان سے کہا کہ وہ اسکو بحرین کے حاکم کو دیں۔ بحرین کے حاکم نے اسکو کسریٰ کے حوالہ کر دیا۔ وہ والا نامہ کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور یہ کہہ کر کہ اپنا نام میرے نام سے پہلے لکھتا ہے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپکو پتہ چلا تو آپؐ نے اس کے لئے بددعا کی۔ اَللّٰھُمَّ مَزِّقْہُ کُلَّ مُمَزَّقٍ ط اے اللہ اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دے۔ چنانچہ کسریٰ کی سلطنت جو ہزارہا سال سے چلی آتی تھی۔ پاش پاش اور نیست و نابود ہو گئی اور حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں کسریٰ کی سلطنت کا نام و نشان مٹ گیا۔

کسریٰ نے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ اس شخص کو جس نے ہمیں خط لکھا ہے گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ باذان نے دو آدمیوں کو آپ کے نام ایک خط دے کر روانہ کیا۔ انکی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی صورت بنانے کا تمہیں کس نے حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہمارے رب کسریٰ نے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے رب نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کا حکم دیا ہے[1]۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں ورنہ کسریٰ تمہارے ملک کو تباہ کر دیگا۔ آپ نے فرمایا۔ کل آنا۔ اگلے روز جب یہ حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ آج شب شیرویہ[2] نے کسریٰ کو قتل کر ڈالا ہے۔ تم واپس جاؤ۔ اور باذان سے کہہ دو کہ میرا دین اور سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کسریٰ کی پہنچی ہے۔ باذان نے سُن کر یہ کہا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو خدا کی قسم وہ بلاشبہ نبی ہیں۔ چنانچہ جب اس خبر کی تصدیق ہو گئی تو باذان معہ اپنے خاندان اور رفقاء و احباب سمیت مشرف باسلام ہو گیا۔

نجاشی شاہِ حبشہ کے نام فرمان | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ کو ایک خط دے کر شاہِ حبشہ کی طرف روانہ فرمایا۔ نجاشی نے آپ کے والا نامہ کو آنکھوں سے لگایا۔ اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور برضا و رغبت اسلام قبول کیا۔ اور تحفہ و تحائف کے ساتھ

---

[1] آپ پر ایمان لانے والے اور آپ کی محبت کا دم بھرنے والے کیلئے غور و فکر کا مقام ہے کہ وہ آپ کی شکل کو اختیار کرتے ہیں یا آپ کے دشمنوں کی۔ [2] شیرویہ کسریٰ کا بیٹا تھا۔

مہاجرین کو مدینہ کی طرف رخصت کیا۔ مہاجرین میں حضرت اُمِّ حبیبہؓ بنت ابو سفیان بھی تھیں ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ اسی نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مجلسِ نکاح منعقد کی۔ اور خالد بن سعید نے ایجاب و قبول کرایا۔ نجاشی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر ادا کیا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

مقوقس شاہِ مصر کے نام فرمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرمان حاطب بن ابی بلتعہؓ کو دے کر شاہِ مصر کی طرف بھیجا۔ شاہِ مصر نے توقیر و عظمت کے ساتھ والا نامہ لیا اور پڑھا اور ادب و احترام کیساتھ جواب دیا۔ اور دو باندیاں ماریہ قبطیہ اور اس کی بہن شیریں یعفور نامی حمار اور دلدل نامی خچر آپ کے لئے بطور ہدایا بھیجے۔ حضرت ماریہ قبطیہ آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے۔

مقوقس نے اقرار کیا کہ آپ وہی نبی ہیں جس کی انبیائے سابقین بشارت دیتے چلے آئے ہیں۔ لیکن ایمان نہیں لایا۔ حضرت حاطب نے آپ کی خدمت میں پہنچ کر جب تمام واقعہ بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے مُلک اور سلطنت کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا مگر اس کی سلطنت اور ملک باقی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں مصر فتح ہو کر سلطنتِ اسلامیہ میں شامل ہوا۔

شاہانِ عرب کے نام دعوتی فرمان شاہانِ عرب میں سے جن کی طرف دعوتی خطوط روانہ کئے گئے۔ ان میں سے عمان، بحرین اور یمن کے بادشاہ اور بہت سے رئیس مسلمان ہو گئے، اور بڑے بڑے قبیلے اسلام کی آواز پر لبیک کہنے لگے۔ رئیسِ یمامہ آپ کے قاصد سے عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا اور چلتے وقت اس کے ہاتھ آپ کے لئے ہدایا اور تحائف بھی بھیجے۔ مگر مُلک کے لالچ سے اسلام قبول نہ کیا۔ دمشق کا والی حارث غسانی آپ کے والا نامہ کو پڑھ کر بہت برہم ہوا۔ اور اس نے آپ کے والا نامہ کو پھینک دیا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ پھر قیصرِ روم کو اطلاع کیلئے خط لکھا۔ مگر قیصر نے حکم دیا کہ اپنا ارادہ ملتوی کر دو۔ ایلچی نے واپس آکر تمام حالات بتائے۔ تو

آپ نے فرمایا کہ اس کا ملک ہلاک ہوا۔ ذوالکلاع حمیری مسلمان ہوگیا۔ اور حارث بن کلال حمیری نے جواب دیا کہ میں غور کروں گا۔

راجہ قنوج کے نام فرمان اس زمانہ میں قنوج ہندوستان کی مرکزی حکومت تھی سبابانک نامی راجہ قنوج میں حکمران تھا۔ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ لے کر سورت کی بندرگاہ سے اُتر کر راجہ کے پاس گئے۔ سبابانک نے بڑا اکرام کیا اور مہمانوں کو باعزت رخصت کیا اور ہندوستان کے تحفے دربارِ رسالت میں ارسال کئے۔ (سیرت خاتم الانبیاء مولفہ حضرت مولانا محمد صاحب ص۲۵)۔

نوٹ : سنا گیا ہے کہ چین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی ایک مسجد ہے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر نے بنوایا تھا۔ جو چین تشریف لائے تھے۔ مگر بادشاہ مسلمان نہیں ہوا۔ (تاریخ الاسلام حصہ دوم ص۱۰۹)

اشارات

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ عالم کے نام جو دعوتی خطوط ارسال فرمائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت اہلِ عرب کیلئے مخصوص نہیں۔ بلکہ آپکی رسالت عرب و عجم اور دنیا کے تمام جن و انس کیلئے ہے۔ اگر آپکی نبوت عرب کیلئے مخصوص ہوتی تو پھر آپ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عجم کو کیوں دعوت دیتے۔

(۲) ۷ھ ہجری میں آپ نے یہود خیبر سے جہاد و قتال کیا۔ پھر ۸ھ ہجری میں موتہ کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا۔ اور ۹ھ ہجری میں آپ بہ نفسِ نفیس قیصرِ روم کے مقابلہ کیلئے تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ غزوہ نصاریٰ شام سے تھا معلوم ہوا کہ آپ کی نبوت عرب کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ اور تمام عالم آپ کی دعوت اور شریعت کا مکلف ہے۔ اگر وہ آپ کی دعوت کے مکلف نہ ہوتے، تو ان سے جہاد کرنے اور شاہانِ عالم کو دعوتی خطوط لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

مختلف اطراف میں مجاہدین کی روانگی

سنہ ۶ ہجری

سریہ عکاشہؓ | یہ سریہ چشمہ غمر کی طرف بھیجا گیا۔ دو سو اونٹ مالِ غنیمت ہاتھ آئے۔

سریہ محمد بن مسلمہؓ | یہ سریہ بنی ثعلبہ اور بنی عُوال کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ دشمنوں نے رات کے وقت بے خبری میں حملہ کر کے سب کو شہید کر دیا۔

سریہ ابو عبیدہؓ بن الجراح | ثعلبہ اور عُوال سے انتقام لینے کے لئے بھیجا گیا۔ دشمن بھاگ گیا۔ ان کے مویشیوں کو مالِ غنیمت بنا لیا گیا۔

سریہ زید بن حارثہؓ | بنی سلیم کی سرکوبی کے لئے ایک دستہ بھیجا گیا۔ دشمن بھاگ گیا۔ ان کے اونٹ، بکریاں اور کچھ قیدی ہاتھ آئے۔

سریہ زید بن حارثہؓ | بنی ثعلبہ کی سرکوبی کے لئے پندرہ مجاہدین کا دستہ بھیجا گیا۔ جو کامیابی سے واپس ہوا۔ دشمن فرار ہو گیا۔

سریہ زید بن حارثہؓ | حضرت دحیہ کلبیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ قیصر کو پہنچا کر واپس آ رہے تھے۔ راستے میں ہنید جذامی نے ڈاکہ مارا اور ان کا سارا مال اور قیصر کے دیئے ہوئے تحائف چھین لئے۔ لیکن رفاعہ جذامی نے ہنید سے وہ مال چھین کر حضرت دحیہؓ کو واپس دلا دیا۔ آپؐ نے ہنید کی سرکوبی کے لئے حضرت زیدؓ کو روانہ کیا۔ انہوں نے ہنید اور اس کے بیٹے کو قتل کیا۔ چند قیدی اور مالِ غنیمت ہاتھ لگا مگر غلطی سے بعض بیوی بچے بھی گرفتار کر لئے گئے۔ رفاعہ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورتِ حال عرض کی۔ آپ نے حضرت زیدؓ کو حکم بھیجا کہ تمام قیدی چھوڑ دیئے جائیں، اور سب مال واپس کر دیا جائے۔

سریہ دومۃ الجندل | حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی سرکردگی میں ایک دستہ بھیجا گیا۔

ان کی دعوت سے وہاں کے رئیس نے اسلام قبول کر لیا اور اپنی لڑکی کا نکاح حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کر دیا۔

سریہ علیؓ بنی سعد بن بکر نے یہود کی امداد کے لئے لشکر جمع کیا۔ حضرت علیؓ نے ان کو منتشر کر دیا۔ پانچ سو اونٹ دو ہزار بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔

سریہ زید بن حارثہؓ حضرت زید تجارت کے لئے شام جا رہے تھے۔ بنی فزارہ نے انہیں زخمی کر دیا۔ ان کی سرکوبی کے لئے دستہ بھیجا گیا۔ جو کامیابی سے واپس ہوا۔

سریہ عبداللہ بن رواحہؓ یہود کے سردار اُسیر نے مقابلے کے لئے غطفان اور دیگر قبائل کو ساتھ ملا لیا۔ آپ نے تیس ۳۰ آدمیوں کا دستہ اُسیر کو بلانے کے لئے بھیجا۔ اُسیر نے بھی تیس آدمی ساتھ لئے۔ ایک ایک اونٹ پر ایک یہودی اور ایک مسلمان سوار تھے۔ اُسیر اور عبداللہ بن انیسؓ ایک اُونٹ پر تھے۔ اُسیر نے دو دفعہ وار کرنا چاہا۔ مگر عبداللہ خبردار ہو گئے۔ جب تیسری دفعہ اُس نے یہ حرکت کی تو جنگ چھڑ گئی۔ تمام یہودی مارے گئے۔ مسلمانوں میں عبداللہ بن انیسؓ کو زخم آیا۔ مدینہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم پر لعابِ مبارک لگا دیا۔ زخم فوراً اچھا ہو گیا۔

غزوۂ خیبر
سنہ ۷ ہجری

مسلمان دو مخالف طاقتوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ شمال کی طرف خیبر کے یہود اور جنوب کی طرف مشرکینِ مکہ تھے۔ جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے اور ان کو مٹانے کیلئے آپس میں متحد تھے۔ لیکن صلح حدیبیہ کی رُو سے جب قریش اور مسلمانوں کے درمیان جنگ بند ہونے سے اس اتحاد کا خاتمہ ہو گیا تو مشرکینِ مکہ کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہا مگر بنو قریظہ کی جلاوطنی سے یہود کی آتشِ غضب اور بھڑک اُٹھی۔ انہوں نے قبیلہ غطفان کو مدینہ کی نصف پیداوار کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور منافقین مدینہ کو شریکِ حال بنا کر مسلمانوں کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھنے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ الٰہی محرم سنہ ۷ ہجری میں خیبر پر چڑھائی کی۔ بنی غطفان اور خیبر کے درمیان مقام رجیع میں پڑاؤ ڈالا تاکہ بنی غطفان اپنی حفاظت کی فکر میں یہودیوں کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ اس علاقہ میں یہودیوں کے متعدد قلعے تھے۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا اور سخت کوشش اور مقابلہ کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ محمود بن مسلمہؓ قلعہ کے دامن میں تھے۔ یہودیوں نے اُوپر سے چکی کا پاٹ گرا کر ان کو شہید کر دیا۔

اس کے بعد دوسرے قلعے آسانی سے فتح ہوتے گئے۔ مگر قلعہ قموص کے یہودی مسلمانوں کی مصالحت کی پیشکش کو ٹھکرا کر پوری تیاری کے ساتھ مقابلہ پر اُتر آئے۔ اس مہم پر بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے لیکن قلعہ سر نہ ہوا۔ مہم نے طول پکڑا تو ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل صبح ایسے شخص کو جھنڈا دیا جائے گا جس کو اللہ اور اللہ کا رسول محبوب رکھتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کو محبوب[1] رکھتا ہے۔ ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھئے یہ سعادت کس کے حصہ میں

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ازراہِ قدر دانی اور حوصلہ افزائی تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس کے سوا کوئی اور اللہ اور رسولؐ کو دوست نہیں رکھتا۔

آتی ہے۔ تمام رات اسی تمنا اور شوق میں گذری۔ صبح ہوئی تو آپ نے حضرت علیؓ کو یاد فرمایا اُن کی آنکھوں میں آشوب[1] تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا۔ دعا فرمائی اور عَلَم ان کو عنایت فرمایا۔ اور یہ نصیحت فرمائی کہ لڑائی سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ کے حقوق سے خبردار کرنا۔ اگر ایک شخص کو بھی اللہ تعالےٰ تمہارے ذریعہ ہدایت نصیب فرمائے تو وہ تمہارے لئے سُرخ اونٹوں[2] سے بہتر ہے۔

حضرت علیؓ نشان لے کر روانہ ہوئے تو اُدھر سے عرب کا مشہور پہلوان مرحب جو ہزار سوار کے برابر سمجھا جاتا تھا، بڑے طمطراق سے مقابلہ کیلئے نکلا۔ مگر حضرت علیؓ کے حملہ کی تاب نہ لاکر راہئِ ملکِ عدم ہوا۔ بعد ازاں مرحب کا بھائی یاسر مقابلہ کیلئے آیا۔ تو حضرت زبیرؓ نے آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اس طرح یہودیوں کے چھ سردار یکے بعد دیگرے مقابلہ پر آئے اور قتل ہو کر مرحب کے ساتھ ہمیشہ کی نیند سو گئے۔

یہود نے جاں بخشی کی درخواست کی۔ آپ نے اس شرط پر منظور فرمائی کہ نقدی اور زیورات کے علاوہ جو سامان لے جاسکتے ہو، لے جاؤ۔ مگر بنو نضیر کے رئیس حی بن اخطب نے بدعہدی کی اور زیورات کا تھیلا چھپا کر اپنے اسباب میں رکھ لیا۔ اس وعدہ خلافی کے باعث اسے قتل کر دیا گیا۔ بالآخر بیس دن کے محاصرہ کے بعد یہ قلعہ فتح ہو گیا اور مالِ غنیمت کے علاوہ بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔ جن میں حضرت صفیہؓ سردار بنی نضیر کی بیٹی بھی گرفتار ہوئیں۔ پھر آزاد ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ زوجیت سے مشرف ہوئیں۔

قلعہ قموص فتح ہو جانے کے بعد قلعہ صعب فتح ہوا۔ جس میں سے غلّہ، چربی اور کھانے پینے کا بہت سا سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس کے بعد یہود نے ایک پہاڑی قلعہ میں پناہ لی اس کا محاصرہ کیا گیا۔ کئی دن کے بعد یہودی مجبور ہو کر قلعہ سے نکلے۔ اور خوب لڑے مگر قلعہ

---

[1] یعنی آنکھیں آئی ہوئی تھیں۔ [2] سرخ اونٹ عربوں کا پسندیدہ اور محبوب مال تھا۔ مراد یہ ہے کہ یہ عمل دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔

فتح ہوگیا۔ اب یہود ہر طرف سے سمٹ کر وطیح اور سلالم دو قلعوں میں آکر محفوظ ہوگئے۔ مگر چودہ دن کے محاصرہ کے بعد یہ قلعے بھی فتح ہو گئے۔ یہود نے باجگزار رعایا بن کر رہنے اور باغات اور زراعت میں بٹائی پر کام کرنے کی درخواست کی، جو منظور کرلی گئی اور ان کو پیداوار کی نصف بٹائی پر کام کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ اور فیصلہ سُنا دیا گیا کہ جبتک ہم چاہیں گے تمہیں رکھیں گے اور جب چاہیں گے تمہیں نکال دیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ خیبر میں آباد رہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تخریبی کارروائیوں سے مجبور ہو کر ان کو ملک شام کی طرف جلاوطن کر کے خطۂ عرب کو غیر مسلموں سے پاک و صاف کر دیا۔

جب اہلِ فدک کو اطلاع ہوئی کہ یہود خیبر نے ان شرائط پر صلح کرلی ہے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ ہم کو صرف جان کی امان دی جائے ہم تمام مال و اسباب چھوڑ کر یہاں سے جلاوطن ہو جائیں گے۔ آپ نے منظور فرما لیا۔ فِدک چونکہ بغیر حملہ اور فوج کشی کے فتح ہوا تھا۔ اس لئے بلا تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ و تصرف میں رہا۔

خیبر سے واپسی کے بعد آپ نے وادی القریٰ کی طرف رُخ کیا۔ جہاں قدیم زمانہ میں عاد و ثمود آباد تھے۔ اور اس کو فتح کر کے اس کے مالِ غنیمت کو تقسیم فرمایا۔ اہلِ تیما نے یہ دیکھ کر خود بخود جزیہ ادا کرنے پر صلح کرلی۔

آپ خیبر میں تشریف رکھتے تھے کہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ مع اور مہاجرین حبشہ کے حاضر خدمت ہوئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ استقبال کر کے حضرت جعفرؓ سے معانقہ کیا، اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا حضرت جعفرؓ کے آنے کی۔

نوٹ: بعض قلعوں کی فتح میں مقامی یہودیوں نے بھی مدد کی۔ ایک یہودی نے ایک زمین دوز راستہ کا پتہ دیا۔ جس سے پہاڑی قلعہ آسانی سے فتح ہو گیا۔ ایک قلعے سے قلعہ شکن

آلات برآمد کئے گئے جس کی خبر یہودی جاسوس نے ہی دی تھی۔

اسباق و اشارات

(۱) دشمن کو تیاری کی مہلت دینا دانشمندی کے خلاف ہے اور بہت بڑی سیاسی غلطی ہے

(۲) مقابلہ کے وقت حُسنِ تدبیر سے دشمن کی کمک کو روکنا سپہ سالار کی بیدار مغزی اور اعلیٰ درجہ کی بصیرت اور اہلیت کی دلیل ہے۔ جیسا کہ مقام رجیع میں پڑاؤ ڈال کر بنی غطفان کی مدد کو روک دیا گیا۔

(۳) اسلام قبول کرنے کی صورت میں دشمن کی جاں بخشی کرنا اور ان کو آزادی دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں داخل ہے اور اسلام کا طغریٰ امتیاز ہے۔

(۴) فتحِ خیبر سے اموال غنیمت اور زرعی زمین جو مسلمانوں میں تقسیم ہوئی اس سے مہاجرین کی پریشان حالی اور افلاس سب دُور ہو گیا۔ وہ صاحبِ جائداد ہو گئے اب انصار پر ان کا بار نہ رہا۔

(۵) اس موقعہ پر متعدد احکام نازل ہوئے۔ پنجہ دار پرند حرام ہو گئے۔ درندہ جانور بھی حرام کر دیئے گئے۔ گدھا اور خچر بھی حرام کر دیا گیا اور متعہ کو بھی حرام قرار دے دیا گیا۔

بہادرانِ قریش اسلام کی آغوش میں

حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن عاص، حضرت عثمان بن طلحہ کا قبول اسلام

حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا، تو میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ آپ عمرہ کے لئے تشریف لائے تو میں مکہ سے باہر نکل گیا۔ میرے بھائی ولید بن ولید نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے مجھے تلاش کیا۔ مگر میں نہ ملا۔ بعد ازاں اس نے مجھے خط لکھا کہ اے بھائی! تیرا اسلام جیسے پاکیزہ

مذہب سے بے خبر رہنا قابلِ تعجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ خالد کہاں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر خالد مسلمانوں کے ساتھ مل کر دینِ حق کی حمایت کرتا اور اہلِ باطل کا مقابلہ کرتا تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا۔ اور ہم اُسے دوسروں پر مقدم رکھتے۔ بھائی جان! جو عمدہ مقامات آپ سے فوت ہو چکے ہیں۔ ابھی وقت ہے کہ ان کی تلافی کر لو۔

اس خط نے قبولِ اسلام کے لئے میرے دل میں ایک خاص نشاط پیدا کر دیا۔ اور مَیں حضورؐ کے ارشاد کو سُن کر بہت مسرور ہُوا۔ اور مَیں نے اسی اثنا میں ایک خواب دیکھا کہ میں ایک تنگ شہر اور خشک جگہ سے نکل کر سرسبز اور کشادہ شہر میں چلا گیا ہوں۔ چنانچہ مَیں نے مدینہ جانے کے لئے سامانِ سفر باندھا۔ عثمان بن طلحہ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ راستہ میں عمرو بن عاص سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہُوا کہ وہ بھی اسی ارادے سے مدینہ جا رہے ہیں۔

حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نجاشی کے دربار میں گیا۔ وہاں عمرو بن امیۃ کو دیکھا۔ مَیں نے نجاشی سے کہا کہ اسے آپ ہمارے حوالہ کر دیں۔ نجاشی سُنتے ہی برہم ہو گیا۔ مَیں نے فوراً معذرت کی۔ نجاشی نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح پیغمبر ہیں۔ ان کے پاس خدا کی طرف سے وحی آتی ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ آپ بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنے دشمنوں پر غالب ہو کر رہیں گے۔ مَیں نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر لی اور مسلمان ہو کر مدینہ کو چل دیا۔ راستے میں حضرت خالدؓ اور عثمانؓ سے ملاقات ہوئی۔

غرضیکہ تینوں حضرات مدینہ میں داخل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو مدینے کی طرف پھینک دیا ہے۔

حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے عمدہ کپڑے پہنے اور حاضری کے لئے چلا۔ راستہ

میں میرا بھائی آملا۔ اور کہا کہ جلدی چلو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری آمد سے بہت خوش ہیں اور تمہارے منتظر ہیں۔ ہم تیزی سے چل کر بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوئے۔ آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ میں نے سلام کے بعد عرض کیا کہ میں بہت شرمندہ اور نادم ہوں کہ حق کا مقابلہ کرتا رہا۔ آپ میرے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ خالد کی ان تمام خطاؤں کو معاف کر دے جو اس نے اسلام کی مخالفت میں کی ہیں۔ بعد میں عثمان بن طلحہ اور عمرو بن عاص آگے بڑھے اور حضور پُر نور کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

حضرت عمرو بن عاص رضؓ فرماتے ہیں کہ جب میں بیعت کے لئے بڑھا تو ندامت کی وجہ سے آپ کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ میری تمام گذشتہ خطائیں اور قصور معاف کر دیئے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسلام ان تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو کفر کی حالت میں کئے گئے ہوں۔ پھر میں بیعت ہوا۔

عہدِ خلافت میں حضرت خالدؓ نے ملک شام قیصر سے چھین لیا، اور عمرو بن عاصؓ مصر کا فاتح ہوا۔

نوٹ: حضرت معاویہؓ بھی صلح حدیبیہ کے بعد مکہ کی فتح سے پہلے مسلمان ہوئے۔

(تاریخ حبیبِ الٰہ صـ۱۲۱)

سریہ اُسامہ بن زیدؓ خیبر سے مدینہ پہنچ کر آپ نے ان قبائل کی سرکوبی اور گوشمالی کیلئے جو مسلمانوں کو مٹانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے، ایک ایک دستہ فوج روانہ کیا تاکہ ان کی بغاوت کوئی خطرناک صورت اختیار کرنے نہ پائے۔ یہ تمام فوجی دستے کامیاب و فتح مند واپس ہوئے۔ اس مہم میں حضرت اسامہؓ نے ایک شخص کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہنے کے باوجود قتل کر دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے۔ اسامہؓ کی جواب طلبی

ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اس شخص نے دھوکہ دینے اور جان بچانے کیلئے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تُو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ وہ منافقت سے کلمہ پڑھتا ہے۔

سریہ ابو قتادہؓ حضرت ابو قتادہؓ کو مدینہ کی ایک وادی بطنِ اضم کی طرف بھیجا جس میں حضرت مُحلم بن جثامہ نے ایک شخص عامر نامی کو السلام علیکم کہتے کہتے قتل کر دیا کہ یہ دشمن قبیلہ کا آدمی جان بچانے کیلئے السلام علیکم کہہ رہا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو سخت ناخوش ہوئے اور مُحلم سے کہا کہ تم نے ایک شخص کو مومن ہونے کی حالت میں کیوں قتل کیا۔ پھر آپ نے عامر کے ورثا کو پچاس اونٹ بطور خون بہا دے کر رضامند کیا۔

ف: اسلام امن اور سلامتی کا پیغام ہے۔ اگر کوئی شخص محض زبان سے کلمہ پڑھ لے یا کسی طرح اسلام کا اظہار کرے تو عین جنگ کی حالت میں بھی اسکی عزت و آبرو اور جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں۔ دشمن پر قابو پانے کی حالت میں معافی اور درگذر کی ایسی مثالیں کسی قوم اور مذہب میں نہیں ملتیں۔

مجاہدین کی نقل و حرکت

۷ سنہ تا ۱۰ سنہ ھ

ذی الحجہ ۷ھ سریہ اخرم | بنی سلیم کی طرف دعوتِ اسلام کے لئے ایک جماعت بھیجی گئی۔ بنی سلیم نے اسلام سے انکار کیا اور صحابہ کی جماعت کو شہید کر دیا۔

صفر ۸ھ سریہ غالب | بنی الملوح کی سرکوبی کے لئے ایک دستہ بھیجا گیا۔ جو کامیابی کے ساتھ مالِ غنیمت لے کر واپس ہوا۔

صفر ۹ھ | بنی عمرو بن حارثہ کی طرف دعوتِ اسلام کے لئے جماعت روانہ کی گئی۔ مگر انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ربیع الاول ۹ھ سریہ علقمہ | بنی کلاب کو دعوت دینے کے لئے ایک جماعت روانہ کی گئی۔ وہ مقابلہ پر اُتر آئے لیکن شکست کھائی۔ مسلمان کامیابی سے واپس ہوئے۔ حضرت علقمہؓ ان کی سرکوبی کے لئے جدہ کی طرف بھیجے گئے۔ یہ لوگ خبر پاتے ہی بھاگ گئے۔ واپسی پر کچھ لوگ لشکر سے آگے نکل گئے۔ علقمہ نے آگ جلائی اور عجلت کرنے والوں کو آگ میں کُودنے کا حکم دیا۔ کچھ لوگ آمادہ ہو گئے۔ علقمہ نے کہا۔ ٹھہرو! مَیں نے تو تم سے مذاق کیا تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ جو تمہیں معصیت کا حکم دے۔ اس کا حکم نہ مانو۔ ایک روایت ہے کہ اس جماعت کے امیر عبداللہ بن رواحہ تھے جنہوں نے آگ میں کُودنے کا حکم دیا۔

۱۰ھ | حضرت خالد بن ولیدؓ کو نجران کی طرف دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا گیا۔ ان کی دعوت سے اہلِ نجران نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے ایک خط کے

ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ نے پیغام بھیجا کہ نجران کے قبیلہ بنی حارث بن کعب کا وفد ہمراہ لے کر مدینہ آئیں۔ حضرت خالدؓ اس وفد کو لے کر مدینہ حاضر ہوئے۔ آپ نے نہایت عزت و احترام سے وفد کو ٹھہرایا اور واپسی پر قیس بن حصین کو ان کا سردار مقرر کیا۔ اور عمرو بن حزمؓ کو اسلام کے احکام کی تعلیم اور وصولی صدقات کے لئے ان کا عامل بنا کر روانہ فرمایا۔ اور ایک فرمان لکھ دیا جو احکامِ اسلام پر مشتمل تھا۔

رمضان سنہ ۱۰ھ تین سو مجاہدین کی ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امارت میں دعوتِ اسلام کے لئے یمن کی طرف روانہ کی گئی۔ حضرت علیؓ نے مقامِ قناۃ پر پہنچ کر صحابۂ کرام کی مختلف ٹولیاں اِدھر اُدھر روانہ کیں۔ حضرت علیؓ نے ایک جماعت کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ حضرت علیؓ نے اُن کا مقابلہ کیا۔ ان کے بیس آدمی مارے گئے، اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ حضرت علیؓ نے ان کا تعاقب کیا اور دوبارہ ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے اسلام کی دعوت کو قبول کر لیا۔

عمرۃ القضاء

سنہ ۷ ہجری کے آخر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ نے عمرہ کا ارادہ کیا کیونکہ گذشتہ سال بغیر عمرہ ادا کئے احرام کھولنا پڑا تھا جس کی قضا لازم تھی یعنی یہ وہ مسلمان جو سفر حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ سب تیار ہوئے اور آپ نے اکیس سو سواروں کے ساتھ عمرہ قضا پورا کرنے کیلئے مدینہ سے کوچ کیا۔ اور صحابہؓ کے اس جم غفیر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ اہل مکہ کو خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی آب و ہوا نے کمزور کر دیا ہے۔ اس بنا پر آپ نے حکم دیا کہ لوگ طواف کے پہلے تین پھیروں میں اکڑتے ہوئے چلیں عربی زبان میں اس کو رمل کہتے ہیں اور آج تک یہ سنت جاری ہے۔

اہل مکہ نے اگرچہ چار و ناچار عمرہ کی اجازت دے دی تھی۔ مگر ان کی آنکھیں اس منظر کو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ رؤسائے قریش نے عموماً شہر خالی کر دیا اور پہاڑوں پر چلے گئے۔ تین دن کے بعد پیغام بھیجا کہ شرط پوری ہو چکی ہے آپ مکہ سے نکل جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت روانگی کا حکم فرمایا۔

ف: ایفائے عہد اور دیانت و صداقت آپ کے اخلاقِ عظیمہ کے امتیازی اوصاف ہیں۔ روانگی کے وقت حضرت حمزہؓ کی کم سن صاحبزادی جو مکہ میں رہ گئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چچا چچا کہتی دوڑتی ہوئی آئیں۔ حضرت علیؓ نے ہاتھوں میں اٹھا لیا لیکن حضرت جعفرؓ اور زید بن حارثہؓ بھی اس لڑکی کی کفالت و پرورش کے دعویدار تھے۔ حضرت زیدؓ نے کہا کہ حضرت حمزہؓ میرے دینی بھائی ہیں، اس لئے میرا حق فائق ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا کہ یہ میری چچازاد بہن ہے اور میری بیوی اس کی خالہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے دعوے سن کر عمارہ کو حضرت جعفرؓ کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ خالہ بجائے ماں کے ہوتی ہے۔

ف: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے صحابہ کرامؓ میں صلہ رحمی، رشتہ داروں سے

سلوک اور یتیموں کی پرورش کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے والے لڑکیوں کی پرورش پر فخر کرنے لگے۔

متفرّق واقعات

(۱) خیبر میں زینب نامی ایک یہودیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت کا ہدیہ بھیجا جس میں اس نے زہر ملا دیا تھا۔ آپ نے اس میں سے ایک لقمہ منہ میں ڈالا اور ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ گوشت نے مجھ سے کہہ دیا ہے کہ اس میں زہر ہے۔ یہودیہ کو بلا کر پوچھا گیا۔ تو اس نے اقرار کیا۔ آپ نے اسے معاف فرما دیا۔

(۲) اسی سال آپ نے عمرہ سے فارغ ہو کر حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

۸ سنہ ہجری

سریہ سیف البحر | قبیلہ جہینیہ نے جو مدینہ سے مغرب کی طرف ساحل کے قریب آباد تھا سرکشی کی اور مدینہ پر حملہ آوری کے سامان کرنے لگے تو آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کی ماتحتی میں تین سو مسلمانوں کا لشکر ماہ رجب[1] میں انکی سرکوبی کیلئے بھیجا۔ دشمنوں پر اس مہم کی خبر سن کر ہیبت طاری ہو گئی۔ اس لئے یہ مہم بغیر کسی مقابلہ کے کامیاب واپس آئی۔ اس سفر جہاد میں صحابہ کو کھانے پینے کی سخت اذیت برداشت کرنی پڑی حتیٰ کہ ایک ایک چھوارے پر گذر کرنے کی نوبت آئی۔ وہ بھی ختم ہو گئے تو اس پاکباز جماعت نے جھاڑیوں کے پتوں کو غذا بنایا۔ اس بے کسی اور بے بسی کی حالت میں اللہ کا نام بلند کرنے والوں کیلئے دریائے رحمت جوش میں آیا غیبی مہمانی کی تیاری ہوئی اور یکایک سمندر میں حرکت پیدا ہوئی اور پچاس ہاتھ مچھلی کنارے پر آپڑی۔ جو اسلامی لشکر کے لئے اٹھارہ دن تک کافی ہوئی صحابہؓ مچھلی کا گوشت کھاتے رہے اور اس کی چربی جس کو عنبر کہا جاتا ہے، بدن پر ملتے رہے۔ مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب حالات بیان کئے اور

[1] ماہ رجب میں سریہ کو روانہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ شہر حرام میں کافروں سے لڑنا جائز ہے۔

عنبر مچھلی کا گوشت پیش کیا جس کو آپ نے بھی تناول فرمایا۔

ف : جو اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے مشقتیں برداشت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ غیب سے ان کی مدد کرتے ہیں اور روزی عطا فرماتے ہیں۔

مسجدِ نبوی کا منبر

زمانۂ رسالت پناہ میں عام مساجد کی طرح محراب کا رواج نہ تھا۔ اس کی ابتداء ولید بن عبد الملک کی طرف سے مدینہ کے حاکم حضرت عمر بن عبد العزیز کے وقت میں ہوئی۔

مسجدِ نبوی کی ابتدائی تعمیر کے وقت منبر بھی نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضرین کو خطبہ دیتے وقت حسبِ ضرورت ایک لکڑی سے جو ستونِ حنانہ کے نام سے مشہور ہے ٹیک لگا لیا کرتے تھے، اور وہ اس جگہ نصب تھی۔ حتیٰ کہ ۸ھ ہجری میں ایک انصاریہ کے غلام میمون نامی نجار نے آپ کی اجازت سے لکڑی کا منبر تیار کیا۔

معجزہ جب آپ منبر پر تشریف لے گئے تو وہ لکڑی کا ستون چلا چلا کر اس طرح رونے لگا جس طرح کوئی انسان اپنے محبوب کی جدائی میں روتا ہے۔ آپ منبر سے اُترے اور اس ستون کو اپنے بدنِ مبارک سے چمٹا لیا۔ تب وہ ہچکیاں لینے لگا۔ یہاں تک کہ تھم گیا۔ یہ ایسا مشہور واقعہ ہے جو متعدد روایات سے ثابت ہے۔

ف : مردہ کا زندہ ہونا اور لاٹھی کا سانپ بن جانا، بیشک یہ واقعات معجزہ تو ہیں لیکن ایک مردہ جسم میں دوبارہ رُوح کا آجانا اور لاٹھی کا لایعقل حیوان بن جانا اس قدر قابلِ تعجب نہیں، جتنا ایک سوکھی لکڑی کا چند روزہ صحبتِ نبوی سے صاحبِ حال عارف کا رُتبہ پانا خرقِ عادت ہے۔

سریہ موتہ

اسباب موتہ شام کے ایک قصبہ کا نام ہے۔ یہاں کے سردار شرجیل بن عمرو غسانی نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حارث بن عمیرؓ کو جو حاکمِ بصریٰ کے نام دعوتِ اسلام کا خط لے کر جا رہا تھا قتل کرا دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہؓ کو حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں اس کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔ اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کو، اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ کو امیر بنایا جائے۔ اگر عبداللہؓ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان باہمی مشورہ سے کسی ایک کو اپنا امیر بنا لیں۔

لسانِ نبوت نے ان حضرات کی شہادت کا اور چوتھے مسلمان کے ہاتھوں فتح و ظفر کا اشارہ کر دیا۔

واقعات حضرت زیدؓ اپنے لشکر کو لے بڑھتے چلے گئے۔ مگر مقامِ معان پر خبر ملی کہ شرجیل ایک لاکھ، لشکرِ جرار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے تیار ہے۔ اور موتہ سے تھوڑی دُور پرے ایک لاکھ فوج کے ساتھ خود قیصرِ روم خیمہ زن ہے۔ مسلمانوں کو تردد ہوا اور مشورہ ہوا کہ دربارِ رسالت کو اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا کہ اگر مارے گئے تو شہادت نصیب ہوگی، فتح حاصل ہوئی تو عین مراد ہے۔ غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج سے ٹکرا گیا۔ حضرت زیدؓ زخم کھا کر گر گئے اور شہید ہو گئے۔ پھر حضرت جعفرؓ نے نشان ہاتھ میں لیا۔ دشمن نے ان کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ یہ پیدل ہو گئے۔ ایک دشمن نے ان کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا، تو انہوں نے بائیں ہاتھ سے جھنڈا سنبھال لیا مگر دوسرے دشمن کے وار سے دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈا سینے سے لگا کر بازو کے زور سے تھاما۔ بالآخر سامنے کی طرف ، نوے سے زیادہ زخم کھا کر جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان کے شہید ہونے کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا مگر تھوڑی دیر بعد وہ بھی شہید ہو گئے۔

اب حضرت خالد بن ولیدؓ نے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور لشکر کو نئے سرے سے ترتیب دے کر رومیوں کی ٹڈی دل فوج پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن سمجھا کہ مسلمانوں کو تازہ دم کمک پہنچ گئی ہے۔ اس حملے سے اسکی فوج میں انتشار پیدا ہو گیا اور چند ہی گھنٹے بعد خون کی ندیاں بہتی اور کشتوں کے

پشتے لگتے ہوئے نظر آئے۔ اس جنگ میں آٹھ تلواریں حضرت خالدؓ کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں کسی تلوار نے خاطر خواہ ساتھ نہ دیا۔ بالآخر ایک یمانی تلوار نے وفا کی۔ دن ختم ہوا۔ دشمن کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ اگلے دن سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اِدھر تین ہزار سپاہی ایک لاکھ کا مقابلہ کہاں تک کر سکتے تھے۔ حضرت خالدؓ نے دُور اندیشی سے کام لیا، اور موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر پورے لشکر کو بچا کر لے آئے۔

معجزہ اِدھر لڑائی ہو رہی تھی اور اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت پر لڑائی کا حال بیان فرما دیا کہ اب زیدؓ نے نشان لیا اور شہید ہو گئے۔ پھر جعفرؓ نے نشان لیا وہ بھی شہید ہو گئے۔ اب عبداللہ بن رواحہؓ نے نشان لیا اور شہید ہو گئے۔ پھر فرمایا۔ اب خدا کی ایک تلوار نے نشان لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمنوں پر غلبہ دیا۔ آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اللہ جلّ جلالہٗ نے حجاب دُور کر دیا تھا کہ آپ نے مدینہ میں بیٹھے ہوئے سینکڑوں کوس دُور کا حال دیکھ کر بیان فرمایا۔

ف : حضرت خالد بن ولیدؓ کو اسی جنگ کے بعد "سیف اللہ" کا خطاب عطا ہوا اور حضرت جعفرؓ کے حق میں فرمایا کہ ان کو دو پَر ملے ہیں۔ فرشتوں کے ساتھ بہشت میں وہ اڑتے پھرتے ہیں۔ اسی سبب سے ان کا لقب جعفر طیارؓ ہوا۔

سَریّہ قضاعہ جنگِ موتہ کے بعد قبیلہ قضاعہ نے سرکشی کی اور مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے لشکر جمع کیا۔ آپ نے حضرت عمرو ابنِ عاصؓ کو تین سو مہاجر و انصار کا امیر بنا کر اس طرف روانہ کیا۔ دشمن کی جمعیت بہت زیادہ تھی۔ اس لئے حضرت ابو عبیدہؓ کو کمک دے کر بھیجا گیا۔ دشمن مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ اسلامی لشکر سالماً غانماً واپس آیا۔

غزوہ موتہ کے نتائج (۱) مدینہ کے شمال میں حدودِ شام تک مسلمانوں کا اثر و اقتدار قائم ہو گیا۔

(۲) بنی سلیم، بنی اشجع، بنی غطفان، بنی عبس، بنی ذبیان، بنی فزارہ میں سے ہزارہا لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (سیرۃ الرسول)

فتح مکّہ

اسباب جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مکّہ فتح ہو کر اسلام کی عظمت و شوکت ظاہر ہو اور کفر ذلیل ہو کر جزیرہ عرب سے مغلوب اور نیست و نابود ہو تو کفّار نے صلح حدیبیہ کے خلاف قدم اُٹھایا۔ صلح نامہ کی رُو سے دونوں فریق ایک دوسرے پر اور ایک دوسرے کے مددگاروں پر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ بنو خزاعہ اور بنو بکر کے درمیان مدّت دراز سے عداوت چلی آتی تھی۔ مگر صلح حدیبیہ کے بعد بنو خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بنو بکر قریش کے حلیف اور مددگار بن گئے۔ بنو بکر کی نیت بگڑی۔ ان کے سردار نوفل بن معاویہ نے انتقام لینے کیلئے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور قریش کے بل بوتے پر اچانک ایک رات بنو خزاعہ پر حلہ بول دیا قریش نے مشورہ کیا کہ آج موقعہ ہے کہ بنی خزاعہ کو پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حلیف ہونے کا مزہ چکھایا جائے۔ چنانچہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اعلانیہ ان کی مدد کی۔ بنو خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ مگر ظالموں نے حرم کے احترام کو بالائے طاق رکھ کر وہاں بھی ان کو چین نہ لینے دیا اور نہایت بے دردی سے حدودِ حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔

معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ اسی شب مکّہ میں خزاعہ کے فریادی نے آپ کو پکارا اور مدد چاہی۔ آپ اس وقت ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں وضو فرما رہے تھے کہ یکایک غیبی اطلاع سے فریادی کی آواز آپ کے کان تک پہنچی اور آپ لبیک لبیک پکار اُٹھے۔ حضرت میمونہؓ کے دریافت کرنے پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ خزاعہ کے فریادی نے مجھے پکارا ہے[ع] اور مدد کیلئے فریاد کی ہے۔ اس کے تین دن بعد عمرو بن سالم اپنی قوم کے چند آدمیوں اور بدیل بن ورقہ کو ہمراہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بنو بکر اور قریش کی عہد شکنی اور ظلم کی شکایت کر کے مدد کا خواستگار ہوا۔ آپ نے مدد کا وعدہ فرمایا اور قریش کے

ع خزاعہ بت پرست اور مشرک تھے۔ ان کا یہ فعل غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارنے کا جواز نہیں بن سکتا۔ کسی کو حاضر و ناظر سمجھ کر مدد کے لئے پکارنا شرک ہے البتہ بطور حکایت کسی کو غائبانہ یاد کرنا یا پکارنا جائز ہے۔

پاس قاصد بھیجا کہ ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک منظور کی جائے۔

شرائط (۱) مقتولوں کا خوں بہا ادا کیا جائے۔۔۔ یا

(۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں ۔۔۔۔ یا

(۳) اعلان کر دیا کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

مگر قریش کی طرف سے قرطہ بن عمرو نے جوش میں آ کر کہا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے۔ قاصد یہ سن کر واپس چلا آیا۔

ابوسفیان کی سفارت اور ناکامی قریش کو خوب معلوم تھا کہ اب مسلمانوں سے ٹکر لینا آسان کام نہیں۔ اس لئے قاصد کے چلے جانے کے بعد ان کو ندامت ہوئی اور ابوسفیان کو سفیر بنا کر تجدید معاہدہ کیلئے بھیجا۔ ابوسفیان مدینہ پہنچ کر اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ سے ملنے کیلئے آستانۂ نبوت پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو حضرت ام حبیبہؓ نے فوراً بستر لپیٹ دیا۔ باپ نے دریافت کیا کہ یہ فرش میرے قابل نہیں یا میں اس فرش کے قابل نہیں۔ بیٹی نے جواب دیا۔ اباجان! یہ خدا کے نبی کا بچھونا ہے۔ اس پر مشرک نہیں بیٹھ سکتا۔

اس سے امہات المؤمنینؓ کی حرارتِ ایمانی، غیرتِ ملی اور شیفتگیٔ رسول کا اندازہ ہوتا ہے۔

غرض پیاری بیٹی کی یہ حرکت ابوسفیان کو نہایت ناگوار گذری۔ اور کہا۔ افسوس مجھ سے جدا ہو کر تیری عادت بدل گئی اور ایسی خراب ہو گئی کہ بڑوں کی عزت کا پاس بھی نہ رہا۔ حضرت ام حبیبہؓ نے جواب دیا کہ اباجان میں تو نورِ اسلام سے منور ہو گئی۔ تو قوم کا سردار اور عاقل ہو کر پتھروں کو پوجتا ہے اور مسلمان نہیں ہوتا۔ ابوسفیان نے کہا کہ تو نے میری بے حرمتی کی اور مجھے کہتی ہے کہ باپ دادا کا دین چھوڑ دے۔ ناراض ہو کر وہاں سے اٹھ آیا۔ مگر اس حیرت زا واقعہ نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔ اب دربارِ اقدس میں حاضر ہو کر تجدید عہد کیلئے گفتگو کی مگر دربارِ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو واسطہ بنانا چاہا مگر انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس بارے میں آپ سے گفتگو نہیں کر سکتے۔ مجبور ہو کر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پاس گیا مگر وہاں سے بھی

وہی جواب ملا۔ بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؓ سے بہت تقاضا کیا۔ تو انہوں نے کہا، کہ آپ مسجدِ نبوی میں جاکر خود ہی اعلان کر دیں۔ چنانچہ ابوسفیان نے مسجد میں جاکر اعلان کر دیا کہ مَیں نے قریش کو امان دی اور معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔ اس کے بعد مکہ جاکر لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے نفرین کی اور کہا کہ علیؓ نے تو تجھ سے مذاق کیا۔ معاہدہ کی تجدید کہیں یوں ہوا کرتی ہے۔ نہ تو صلح کی خبر لایا کہ اطمینان ہوتا اور نہ لڑائی کی خبر لایا کہ تیاری کرتے۔

لشکرِ اسلام کی روانگی

ابوسفیان کی روانگی کے بعد آپ نے صحابہ کرامؓ کو مکہ کی روانگی کے لئے تیاری کا حکم فرمایا۔ اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے لیکن احتیاط کی گئی کہ اہلِ مکہ کو خبر نہ ہونے پائے[1]۔ اس اثنا میں ایک معزز صحابی حاطب بن ابی بلتعہؓ نے ایک عورت کو خط دے کر اہلِ مکہ کی طرف روانہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ کو بذریعہ وحی اطلاع ہو گئی۔ آپ نے حضرت علیؓ، زبیرؓ اور مقدادؓ کو ارشاد فرمایا کہ روضہ خاخ[2] تک جاؤ اور اس عورت کو گرفتار کر لاؤ۔ یہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے پہنچے اور اس مقام پر اس عورت کو جالیا۔ مگر باوجود تلاشی کے خط نہ ملا۔ تو حضرت علیؓ نے اس عورت کو کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر ہرگز جھوٹ نہیں ہو سکتی۔ بہتر ہو گا کہ تُو وہ خط ہمارے حوالہ کر دے ورنہ ہم برہنہ کر کے تیری تلاشی لیں گے۔ اِس پر اُس نے اپنے بالوں کے جُوڑے میں سے خط نکال کر دے دیا۔ جب یہ خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے حاطبؓ کو بُلا کر دریافت فرمایا۔ انہوں نے غلطی کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے عزیز و اقارب مکہ میں ہیں۔ ان کا کوئی حامی نہیں۔ اس لئے مَیں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا تاکہ وہ اس کے صلہ میں ان کو ضرر نہ پہنچائیں۔ مَیں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح دے گا اور میرے اس لکھنے سے کچھ نقصان نہ ہو گا۔ مَیں نے دین سے مرتد ہو کر یہ کام نہیں کیا

---

[1] قریش پر اچانک حملہ کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ بلا کُشت و خون مکہ کو فتح کر کے کفر و شرک سے پاک کرنا منظور تھا اور راز کھل جانے کی صورت میں جنگ کا احتمال تھا۔ [2] مکہ کے راستہ میں ایک مقام ہے۔

میری غرض یہی تھی جو میں نے عرض کی۔ آپ نے فرمایا۔ سچ کہتا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حکم ہو تو اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے عمر یہ اہلِ بدر میں سے ہے اور غازیانِ بدر کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر چکا ہے۔ غرض حاطبؓ کا قصور معاف کر دیا گیا اور وحیِ آسمانی یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ (مسلمانوں آئندہ کافروں سے دوستی مت رکھو جو میرے اور تمہارے دشمن ہیں) سے مخاطب فرما کر اس طرح نصیحت کر دی گئی جیسے مہربان حاکم خطاوار مجرم کو رہا کرنے کے بعد خیر خواہانہ نصیحت کیا کرتا ہے۔

اسلامی لشکر کی روانگی ۱۰ رمضان ۸ھ ہجری کو دس ہزار قدوسیوں کی جمعیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے۔ قبائل عرب راستہ میں آکر ملتے جاتے تھے۔ حضرت عباسؓ بھی مکّہ سے ہجرت کر کے آتے ہوئے مقام جحفہ پر ملے۔ آپ نے فرمایا۔ جس طرح میری نبوّت آخری ہے اسی طرح عباسؓ کی ہجرت آخری ہے۔ حضرت عباسؓ نے آپ کے حکم سے اسباب سفر مدینہ روانہ کر دیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں فوج ظفر موج کے ساتھ ہو لئے۔ آگے چل کر مقامِ ابوا پر ابوسفیان بن حارث و عبداللہ بن ابی امیہ آتے ہوئے ملے۔۔۔ ابوسفیان آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ نبوّت سے پہلے آپ کے گہرے دوست تھے مگر نبوّت کے بعد مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور آپ کی ہجو کرنے لگے۔ عبداللہ بن ابو امیہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ یہ بھی آپ کے شدید مخالفوں میں تھے۔ دونوں نے بارگاہِ نبوّت میں حاضری کی اجازت چاہی مگر اجازت نہ ملی۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سفارش کی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ایک آپ کے چچا کا بیٹا ہے اور دوسرا آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چچازاد بھائی نے میری آبروریزی کی۔ اور پھوپھی کا بیٹا وہی ہے جو کہتا تھا کہ اگر تو آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جائے اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہوں۔ پھر تو وہاں سے ایک دستاویز لے کر اترے اور چار فرشتے تیرے ساتھ ہوں اور گواہی دیں کہ تجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تو میں پھر بھی تجھ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ ام المؤمنین نے عرض کیا کہ آپ کے خوانِ نعمت سے اپنے تو محروم نہیں ہونے چاہئیں۔ ابوسفیان

نے کہا کہ اگر آپ حاضری کی اجازت نہ دیں گے تو میں اپنے بیٹے کو لے کر کسی صحرا میں بھوکا پیاسا مر جاؤنگا۔ دریائے رحمت جوش میں آیا۔ ام المؤمنین کی سفارش اور ان کی طلب و ندامت کو دیکھ کر حاضری کی اجازت دے دی گئی۔ دونوں نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے عرض کیا۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ○

قسم ہے اللہ کی بیشک اللہ نے آپکو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم قصوروار ہیں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○

آج کے دن تم پر کوئی الزام اور ملامت نہیں۔ اللہ تمہارا قصور معاف کرے، وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

عبد اللہ کا اسلام لانے کے بعد یہ حال تھا کہ شرم کے مارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ابوسفیان نے بھی مدت العمر آپ کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ رضی اللہ عنہم۔

نوٹ : جب آپ کدید کے مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ روزہ کی سختی حد سے تجاوز ہوتی جا رہی ہے۔ تب آپ نے پانی طلب فرمایا اور مجمع کے سامنے نوش فرمایا۔ تاکہ صحابہ دیکھ لیں کہ مسافرت اور جہاد کے موقعہ پر افطار کی اجازت ہے۔

مرالظہران پر پڑاؤ لشکرِ اسلام شام کے وقت مکہ سے چار کوس کے فاصلہ پر مرالظہران پر پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ اور فوجیں دُور دُور تک پھیل گئیں۔ تمام فوج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحرا بقعۂ نور بن گیا۔ حضرت عباسؓ جانتے تھے کہ اگر اسلامی لشکر مکہ پر حملہ آور ہوا تو قریش کی خیر نہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اہلِ مکہ مسلمان ہو جائیں۔ اس لئے رات کو لشکر گاہ سے باہر نکلے کہ کوئی مکہ کا باشندہ آدمی مل جائے تو اسے خطرہ سے آگاہ کر کے ترغیب دوں کہ اب مسلمان ہو جانا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ مکہ والے

اب تک بے خبر تھے۔ رات ہونے پر چرواہوں کے ذریعہ خبر پہنچی کہ وادی مرّ الظہران میں ایک بہت بڑا لشکر خیمہ زن ہے۔ یہ سن کر ابوسفیان، بدیل بن ورقا، حکیم بن حزام تفتیشِ حال کے لئے نکلے۔ آگ کی روشنی دیکھ کر متحیر ہوئے اور آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ حضرت عبّاسؓ نے ابوسفیان کی آواز پہچان کر ان کو پکارا۔ وہ آواز سن کر حضرت عباسؓ کے پاس آئے۔ حضرت عباسؓ نے حقیقتِ حال سے آگاہ کیا تو گھبرا کر کہنے لگے کہ اب پناہ کی صورت کیا ہے۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ یہی ایک صورت ہے کہ میرے ساتھ چلو اور پناہ مانگ لو۔ ابوسفیان تو فوراً حضرت عبّاسؓ کے خچر پر بیٹھ گئے۔ حضرت عبّاسؓ ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ اس دشمنِ خدا کی گردن اُڑا دوں لیکن حضرت عبّاسؓ نے جاں بخشی کی درخواست کی۔ جسے رحمتِ عالم نے قبول فرمایا۔ اور حکم دیا کہ اسے اپنے خیمہ میں رکھو۔ صبح ہوتے حاضر کرو۔ تاریخ عالم میں یہ اپنی قسم کی واحد مثال ہے کہ اتنے بڑے دشمن کو کمال فراخدلی اور عالی حوصلگی سے معاف کر دیا گیا ہو۔ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا اسی وقت درگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور اسلام لانے کے بعد دونوں مکّہ واپس ہو گئے تاکہ اہلِ مکّہ کو آپ کی آمد سے مطلع کریں۔

ابوسفیان کا اسلام | صبح ہونے پر حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو حاضر کیا۔ ابوسفیان کے گذشتہ کارنامے اور ایک ایک حرکت اس کے قتل کی دعویدار تھی۔ اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ۔ قبائل عرب کو بھڑکانا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خفیہ سازش، ان میں ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی۔ مگر جبینِ رحمت پر شکن تک نہ تھی۔ محبت بھرے لہجہ میں یوں ارشاد فرمایا۔ ابوسفیان! افسوس اب تک تو نہیں سمجھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ رحمت آمیز نصیحت ابوسفیان کے قلب پر بجلی کی طرح کوندی۔ عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے آپ جیسا رحیم و کریم شخص دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ باوجود میری کھلی عداوت کے میرے ساتھ ایسا مشفقانہ برتاؤ فرمایا ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ خدا کی قسم اگر اللہ کے سوا کوئی معبود ہوتا تو آج ہمارے کچھ کام آتا اور ضرور ہماری امداد کرتا۔ یہ پہلا فقرہ تھا جو خُلقِ نبوی کی برکت سے توحید کے اظہار میں

ابوسفیان کی زبان سے نکلا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو میری نبوت کے آثارِ صداقت دیکھتے ہوئے میری تصدیق کرے اور ایمان لائے۔ ابوسفیان نے تامل کیا۔ حضرت عباسؓ نے کہا۔ اب تامل کا وقت نہیں اور اسے اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ ابوسفیان نے کلمۂ شہادت پڑھا اور دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو کر صحابہؓ کے زمرہ میں داخل ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

مکہ کو روانگی لشکرِ اسلام مکہ کی طرف بڑھنے لگا۔ تو حضرت عباسؓ ابوسفیانؓ کو لے کر ایسی جگہ کھڑے ہو گئے، جہاں سے لشکر کو گذرنا تھا۔ جب لشکرِ اسلام نے مکہ کی طرف کوچ کیا اور یکے بعد دیگرے فوجی دستے گذرنے لگے تو افواجِ الٰہی کا جلال دیکھ کر ابوسفیان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور حضرت عباسؓ سے کہنے لگے کہ تمہارے بھتیجے تو بڑے بادشاہ بن گئے۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ یہ بادشاہی نہیں پیغمبری ہے۔

مہاجرین کا عَلم حضرت زبیرؓ کے ہاتھ میں اور انصار کا سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ سعدؓ، ابوسفیان کے پاس سے ہو کر گذرے تو جوش میں آکر کہا کہ آج لڑائی کا دن ہے اور آج کعبہ میں قتل و قتال حلال ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سامنے سے گذری تو ابوسفیان نے عرض کیا کہ کیا آپ نے سعدؓ کو اپنی قوم کے قتل کا حکم دیا ہے اور سعد کا قول نقل کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سعد نے غلط کہا۔ آج تو خانۂ کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حکم دیا۔ کہ جھنڈا سعدؓ سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا جائے۔

امن کا اعلان حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ ابوسفیان جاہ پسند آدمی ہے آپ اس کو کوئی عزت بخشیں۔ آپ نے اس تجویز کو منظور فرمایا۔ اور اعلان کرا دیا گیا، کہ آج جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا یا ہتھیار ڈال دے گا یا دروازہ بند کر لے گا یا حکیم بن حزام کے گھر میں چلا جائے گا یا خانۂ کعبہ میں داخل ہو گا، اس کو امن ہے۔ اور حکم دیا کہ فوج ان احکام کی پابندی کرے، اور اس کے علاوہ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمی اور قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ ابوسفیانؓ اپنی عزت افزائی دیکھ کر بہت خوش

ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے اجازت ہو تو آپ سے پہلے مکّہ میں جا کر قریش کو سمجھاؤں۔ آپ نے اجازت فرمائی تو ابو سفیان نے سب سے پہلے مکّہ میں داخل ہو کر ان احکام کی منادی کرا دی

مکّہ معظّمہ میں داخلہ

اعلانِ امن کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو حکم دیا کہ وہ مختلف[1] راستوں سے شہر میں داخل ہوں اور خود بنفسِ نفیس مکّہ کے بالائی حصّے کی طرف سے داخل ہوئے اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک دستہ کا افسر بنا کر مکّہ معظّمہ کے زیریں[2] حصّے کی طرف سے داخل ہونے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ جب تک کوئی تم سے مقابلہ نہ کرے لڑائی نہ کرنا۔ مگر قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا ارادہ کیا اور حضرت خالد کی فوج پہ تیر برسائے جس سے تین مسلمان شہید ہوئے حضرت خالد نے مجبور ہو کر حملہ کیا تو یہ سب لوگ بہت سی لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت خالد کا لشکر کفّار کو قتل کرتا ہوا بیت اللہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا تو باشندگانِ مکّہ میں سے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اہلِ مکّہ خالد کے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں، خدا کے لئے رحم فرمائیے۔ آپ نے ایک آدمی کو بلا کر حکم دیا کہ جاؤ خالد سے کہو کہ تلوار اٹھا لیں اور قتل سے باز آ جائیں۔ مگر قاصد نے جا کر پیغام دیا کہ تلوار چلاؤ اور مارو۔ اس پر حضرت خالدؓ نے اور بھی سرگرمی دکھائی۔ یہاں تک کہ ستّر کافر مارے گئے۔ آپ نے حضرت خالدؓ پر عتاب فرمایا تو حضرت خالد نے عرض کیا کہ غلام کو تو قتل کا حکم پہنچا تھا، اس کی تعمیل کی گئی ہے۔ آپ نے قاصد کو بلا کر دریافت کیا۔ اس نے کہا یا رسولَ اللہ! مجھے راہ میں ایک ایسی ہیبت ناک صورت نظر آئی جس کا سر آسمان میں اور پاؤں زمین پر تھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک ہتھیار تھا۔ اُس نے مجھے دھمکا کر کہا کہ تُو یوں کہہ کہ قریش پر تلوار چلاؤ اور مارو، ورنہ میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا۔ مجھ پر ایسا رُعب طاری ہوا۔ کہ

---

[1] تھوڑی سی جماعت سے بڑی جماعت پر رُعب ڈالنے کی یہ بہترین صورت ہے کہ کسی بڑے شہر میں اگر چھوٹے چھوٹے دستے مختلف راستوں سے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوں تو نہ ہے کہ تمام شہر میں سنسنی پھیل جائیگی۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پوری حکمت خدا جانے یا رسول۔ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ واللہ اعلم بالصواب

[2] اس حصہ میں حضورؐ کے بدترین دشمن آباد تھے اور مقابلے کیلئے جمع تھے۔ حضرت زبیرؓ کو شمال کی جانب سے اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو مغربی گوشہ سے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا۔

اس کی تعمیل کے بغیر چارہ نہ رہا۔ در اصل یہ غیبی فرشتہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ شہدائے اُحد کے برابر قریش کے ستر آدمی مقتول ہوں۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے روز جبکہ آپ کے چچا حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تھے۔ ان کا مُثلہ کیا گیا تھا، یوں فرمایا تھا کہ اگر میں قریش پر قابو پاؤں گا تو ستر آدمی ان کے قتل کروں گا۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات کو سچا کر دکھایا۔ (تاریخِ حبیبِ الٰہ ص ۹۸)

نتیجہ بڑے بڑے سردارانِ قریش شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور جو باقی رہ گئے ان کو امن دے دیا گیا اور فتح مکمل ہو گئی۔

خانہ کعبہ کی تطہیر خدا کے برگزیدہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سانڈنی پر سوار اس شان سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے کہ تواضع و انکساری کے باعث جنابِ ایزدی میں گردن جھکی ہوئی تھی اور آپ نے مکّہ سے کس مپرسی اور بے سروسامانی کے عالم میں نکلنا اور آج شاہانہ شان و شوکت اور عظمت کے ساتھ داخل ہونا دیکھ کر پالان پر ہی سجدۂ شکر ادا کیا۔ سورۂ فتح کی وہ مبارک آیتیں جن میں فتح مکّہ کی بشارت دی گئی تھی، تلاوت فرماتے جا رہے تھے۔ حضرت اسامہؓ آپ کے پیچھے اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ بلا روک ٹوک خانہ کعبہ کی طرف تشریف لے گئے۔ پہلے سواری پر ہی سات بار بیت اللہ کا طواف کیا۔ مشرکین نے خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بُت نصب کئے ہوئے تھے۔ آپ ایک ایک بُت کی طرف چھڑی سے اشارہ کر کے یہ آیت پڑھتے جاتے تھے۔

جَاۤءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○

حق آیا اور باطل نکل بھاگا۔ بیشک باطل نکل بھاگنے والا ہے۔

اور بُت منہ کے بل اوندھے گرتے جاتے تھے۔ پھر آپ نے دیوارِ کعبہ کی تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا۔ جب تصویریں مٹا دی گئیں اور حرم ان آلائشوں سے پاک ہو گیا تو آپ نے کعبہ کا دروازہ کھلوایا اور اندر جا کر نمازِ شکرانہ ادا کی۔

جب آپ باہر تشریف لائے تو حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ بیت اللہ کی کنجی ہم کو عطا کی جائے
حضرت عباسؓ نے بھی درخواست کی کہ کلید بیت اللہ بنی ہاشم کو دی جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا۔
بیشک اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل یعنی حق داروں کو واپس کرو۔

آپ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ کو بلا کر کنجی مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میں نے خود نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دلائی ہے۔ جو کوئی یہ کلید تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔

معجزہ ابتدائے نبوت میں آپ نے اسی عثمان سے بیت اللہ کا دروازہ کھولنے کو فرمایا تھا۔ اس نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن ہوگا کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہونگا، عطا کرونگا۔ عثمان نے کہا۔ کیا اس روز قریش سب کے سب ذلیل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں، بلکہ وہ اور بھی معزز اور باقبال ہوں گے۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

باب کعبہ پر خطبہ رمضان کی بیس تاریخ ہے۔ مسجد حرام لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ سب منتظر ہیں کہ مجرموں اور دشمنوں کے بارے میں کیا حکم دیا جاتا ہے۔ اہلِ مکہ گردنیں جھکائے خوف اور شرمساری کے عالم میں آپ کے سامنے مجرمانہ انداز میں کھڑے ہیں۔ آپ نے کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ ایک اہم خطبہ دیا، جو اسلام کے بہت سے احکام کی اساس و بنیاد ہے۔

"اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی۔ اور دشمن کی تمام جماعتوں کو شکست دی۔ کان کھول کر سن لو، میں نے جاہلیت کی تمام رسموں کو پاؤں تلے مسل دیا ہے۔ مگر بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت ضرور برقرار رہے گی۔ اے گروہِ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کے غرور اور باپ دادا کے نام و نسب پر فخر کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ پھر

یہ آیت تلاوت فرمائی۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ	اے لوگو! میں نے تمہیں مرد اور عورت سے
مِّنْ ذَكَرٍ وَّ أُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ	پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان
شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا	بنائے تاکہ آپس میں ایک دوسرے سے
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ	پہچان نے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف
أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔	اور بزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔
(حجرات۔ آیہ ۱۳)	خدا دانا اور واقف کار ہے۔

اس خطبہ نے حسب نسب پر فخر کرنے کا خاتمہ کر دیا اور اسلامی مساوات کا جھنڈا نصب کیا اور بتلا دیا کہ بزرگی کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

رحمتِ عالم کا عفوِ عام | حرم میں مکّہ کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے اور خوف و ہراس ان پر چھایا ہوا تھا۔ ہر ایک کو اپنے دن یاد آ رہے تھے۔ کوئی حضرت رسالت پناہ پر اینٹیں پھینکنے والا اور گالیاں دینے والا تھا۔ کوئی صاحبزادی کے نیزہ مارنے والا۔ کوئی حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا تو کوئی ان کا کلیجہ چبانے والی ـــــ کوئی ہجو کرنے والا تھا تو کوئی گا گا کر آگ بھڑکانے والی۔ کوئی صحابۂ کرام پر ناروا ظلم وستم ڈھانے والے۔ غرض ہر ایک کو اس کا جرم آج قتل کے خوف سے لرزا رہا تھا۔ خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا اور دریافت فرمایا۔ کہ اے گروہِ قریش میری نسبت تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا۔ تو وہ پکار اُٹھے کہ تُو شریف بھائی ہے، اور شریف برادرزادہ ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا	آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ
فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔	تم سب آزاد ہو۔

آپ ایک دنیوی فاتح نہ تھے کہ جبر و تشدد سے لوگوں کو اپنے احکام کا پابند بنائیں۔

آپ ایک دعوت اور ایک پاکیزہ نظام کے علمبردار تھے۔ آپ کو دلوں کی تبدیلی درکار تھی، جو ہمیشہ نرمی، احسان اور عفو کی صورت میں ہو سکتی ہے۔

جنگی پالیسی آپ کی جنگی پالیسی یہ تھی کہ مخالف عنصر کا خون بہانے کی بجائے اسے بے بس کر دیا جائے تاکہ وہ تعاون کرے یا مزاحمت کرنا چھوڑ دے۔

آپ کی نگاہ اس امر پر تھی کہ قریش عربوں میں سب سے زیادہ قیادت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر ان کو ضائع کر دیا جائے تو ان کا بدل فراہم نہیں کیا جا سکتا۔ قیادت کے لئے ایمان و تقویٰ کے علاوہ علمی اور عملی صلاحیت، اثر و رسوخ، تجربہ اور کام لینے کا سلیقہ، تدبیر و مصلحت کا شعور، عوام کے نفسیات کو پہچاننے کی مہارت بھی چاہیئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قیادت کرنے والوں کی برتری عوام میں پہلے سے مسلّم ہو۔ اسلامی نظام کو اس صفات کے لیڈر اور فعال افراد قریش سے ہی مل سکتے تھے۔

بامِ کعبہ پر اذان جب نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے آپ کے حکم سے کعبہ کی چھت پر اذان دی۔ صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے جماعت کے ساتھ بے خوف و خطر نماز ادا کی۔

جو سردارانِ قریش کفر کی ذلّت اور اسلام کی عزّت کا یہ منظر نہ دیکھ سکے، وہ روپوش ہو گئے۔ اس وقت عتاب و خالد پسرانِ اسید، حارث بن ہشام اور ابوسفیان صحنِ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب اور خالد نے کہا کہ اللہ نے ہمارے باپ کی عزت رکھ لی کہ اُسے پہلے ہی دنیا سے اُٹھا لیا۔ حارث نے کہا۔ واللہ! اگر مجھے یقین ہو جاتا کہ آپ حق پر ہیں تو میں ضرور اتباع کرتا۔ ابوسفیان نے کہا کہ میں نے اگر کوئی لفظ زبان سے نکالا تو یہ سنگریزے بھی آپ کو خبر کر دیں گے۔ آپ کو بذریعہ وحی اطلاع ہو گئی۔ آپ اس طرف سے گذرے تو ان کی یہ سب گفتگو بیان کر دی۔ اس پر حارث اور عتاب کو یقین ہو گیا کہ اللہ نے ہی اپنے رسول کو ہماری ان باتوں کی خبر دی ہے ——— چنانچہ وہ

مشرف باسلام ہوگئے۔

انصار کی تالیفِ قلوب طواف سے فارغ ہو کر آپ کوہِ صفا پر تشریف لائے اور دیر تک بیت اللہ کی طرف منہ کر کے حمد و ثنا اور دعا میں مشغول رہے۔ اس اثنا میں بعض انصار نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر آپ کا شہر اور اس کی زمین فتح کر دی ——— مبادا آپ یہیں ٹھہر جائیں اور مدینہ تشریف نہ لے جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے گروہِ انصار! مَیں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی۔ تمہاری زندگی میری زندگی ہے اور تمہاری موت میری موت ہے۔ یہ سُن کر انصار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ نے کوہِ صفا پر بیٹھ کر مسلمان ہونے والے مردوں اور عورتوں کی بیعت قبول فرمائی۔

قیامِ مکّہ مکّہ میں داخل ہو کر آپ نے اوّل اپنی چچازاد بہن اُمِّ ہانی کے مکان پر جا کر غسل کیا اور چاشت کی آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں، اور فتح کے بعد فارغ ہو کر مقامِ خیف میں قیام فرمایا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں کفارِ قریش نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو محصور کر کے آپس میں یہ عہد اور حلف کیا تھا کہ جب تک یہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالہ نہ کریں ان سے ہر قسم کے تعلقات قطع کر دیئے جائیں۔ چنانچہ آپ کو اور آپ کے تمام خاندان کو تین سال تک فاقہ اور بھُوک کی ناقابلِ برداشت تکالیف جھیلنی پڑیں۔ اس مقام پر قیام اسلئے مناسب سمجھا گیا کہ وہ گذرا ہوا وقت اور مصیبت خیز سماں نظر کے سامنے پھر جائے اور حالتِ موجودہ کا مقابلہ کرنے کے بعد حق تعالیٰ کا شکریہ کامل طور پر ادا ہو۔

بیت اللہ کا احترام فتح مکّہ کے دوسرے دن ایک خزاعی نے ایک مشرک کو مار ڈالا۔ آپ کو علم ہوا تو آپ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے مکّہ کو حرام اور محترم پیدا کیا۔ پس کسی کو جائز نہیں کہ مکّہ میں خون بہائے یا درخت کاٹے۔ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔ بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے پاس سے سو اونٹ اس شخص کی دیت ادا فرمائی۔

متروکہ جائداد کی واپسی کا مسئلہ فتح کے بعد غنیمت کے طور پر کفار کے مال و اسباب پر قبضہ کرنے کا تو کیا ذکر ہے، مہاجرین جو مکہ ہی سے اُجڑ کر گئے تھے، ان کے گھروں پر کفار نے قبضہ کر لیا تھا۔ اب بعض مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جائدادوں کے واپس دلائے جانے کی درخواست کی۔ لیکن آپ نے ان کی درخواست کو نامنظور فرمایا کہ جن چیزوں کو تم خدا کے لئے چھوڑ چکے ہو، اب اس کی واپسی کا کیوں سوال کرتے ہو۔

مجرمین خاص کا فیصلہ مکہ میں داخل ہونے سے پیشتر آپ نے تمام فوج کو ہدایت کر دی تھی کہ باشندگان مکہ سے بہ لطف و کرم پیش آئیں۔ حتیٰ کہ جو لوگ اسلام کو مٹانے میں سب سے پیش پیش تھے، جنہوں نے آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے، جو آپ کی ایڑیوں کو لہو لہان کر دیا کرتے تھے جن کی پیاس خونِ نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی اور جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا، اور جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے، سب کو معافی دے دی گئی۔ مگر گیارہ مرد اور چھ عورتوں کے متعلق جو غایت درجہ گستاخ اور دریدہ دہن تھے، حکم دیا گیا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ اس عالی ظرفی اور دریا دلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھاگنے والوں کے سوا جو بھی حاضر ہوا، سرِ نیاز جھکاتا حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

مجرمین میں سے ابنِ خطل اور مقیس نے ایک ایک مسلمان کو قتل کیا تھا، یہ قصاص میں قتل کئے گئے۔ حارث اور حویرث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا کرتے، اور آپ کی ہجو[1] کیا کرتے تھے حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ باقی کے سات آدمی خلوص سے ایمان لائے۔ ان کو معافی دی گئی

---

[1] پیغمبر کی بے حرمتی، دینِ الٰہی کی بے حرمتی ہے۔ اسلئے پیغمبر کی ہجو بے آبروئی اور گستاخی سخت سے سخت اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے امام مالک سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کا کیا حکم ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اس اُمت کی کیا زندگی ہے جس کے پیغمبر کو گالیاں دی جائیں۔

عکرمہ بن ابی جہل جو لوگ اس اندیشے سے کہ برسوں کی خطائیں اور حاکمِ وقت کی بغاوت کسی حکومت کے نزدیک قابلِ عفو نہیں، جان بچانے کے لئے بھاگ گئے تھے ان میں سے عکرمہ تو یمن کی طرف چلے گئے۔ باپ کی طرح یہ بھی آپ کے شدید دشمن تھے لیکن ان کی بیوی اُمِّ جمیل مسلمان ہو گئیں اور بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر شوہر کے لئے امن کی خواستگار ہوئیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرزندِ ابی جہل کے لئے امان کی درخواست کو فوراً منظور کر لیا۔ عکرمہ ساحلِ یمن پر پہنچ کر کشتی میں سوار ہو چکے تھے کہ ان کی بیوی پہنچ گئیں اور دربارِ رسالت سے امان حاصل کرنے کا ذکر کر کے واپسی کی خواہشمند ہوئیں۔ عکرمہ ساری عمر آپ کو ایذائیں پہنچانے اور انتہائی عداوت کی وجہ سے امان کو محال سمجھتا تھا۔ یہ حال سُن کر حیران رہ گیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ کیا آپ نے مجھے امان مرحمت فرمائی ہے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ہاں تم کو امان دی گئی ہے۔ ارشادِ نبوی حیرت انگیز اثر کر گیا، اور عکرمہ یہ دیکھ کر کہ اس قدر عفو و کرم اور تحمل نبی کے سوا دوسرے سے ممکن نہیں، مسلمان ہو گئے اور بکمال مقبول ہوئے۔ قرآن مجید دیکھ کر وجد کی حالت طاری ہو جاتی تھی اور یہ کہہ کر کہ یہ میرے رب کا کلام ہے، رقت طاری ہو جاتی تھی۔ خلافتِ صدیقی میں اجنادین کی جنگ میں شہید ہوئے۔

نوٹ: ایک روایت میں ہے کہ فتحِ مکہ میں عکرمہ کے ہاتھ سے ایک مسلمان شہید ہوا۔ جب آپ کو خبر ہوئی تو مسکرائے اور فرمایا کہ قاتل اور مقتول دونوں جنت میں ہیں (مدارج النبوۃ صفحہ ۲۹۲ ج-۲)۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح یہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی تھے۔ مرتد ہو کر کفار سے جا ملے۔ فتحِ مکہ کے دن جان بچانے کی خاطر چھپ گئے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے بیعت کیلئے سفارش کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ پھر عرض کیا مگر پھر بھی آپ خاموش رہے[1] بالآخر حضرت عثمان غنیؓ نے کمال سعی اور کوشش سے قصور معاف کرا لیا۔ **ف**: ۱۔ نبی کا حکم معافی کا ہو یا قتل کا قطعی ہوتا ہے۔ ۲۔ آپ ایسی جماعت تیار کرنا چاہتے تھے جس میں منشائے نبوی تاڑ جانے کی صلاحیت ہو۔

ہبار بن اسود مسلمانوں کو بہت ایذائیں دیتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی

[1] بعد میں آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی سمجھدار نہ تھا کہ جب میں نے عبداللہ کی بیعت سے ہاتھ روک لیا تھا تو اُٹھ کر اس کو قتل کر دیتا۔ کسی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ اس وقت آنکھ سے اشارہ فرما دیتے (بقیہ صفحہ آئندہ)

حضرت زینبؓ نے جب ہجرت کی تو یہ راستہ میں حملہ آور ہوا اور اس زور سے نیزہ مارا کہ تاب نہ لا سکیں اور پتھر پر گر گئیں۔ حمل ساقط ہو گیا جس کی وجہ سے بیمار ہو گئیں اور اسی صدمہ سے انتقال فرما گئیں۔ ہبار، فتح مکہ کے دن روپوش ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو ہبار نے مسجد نبوی میں داخل ہو کر یکبارگی اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ آپ نے اس کا قصور معاف فرما دیا۔

وحشی | وحشی، حضرت حمزہؓ کے قاتل بھاگ کر طائف پہنچے مگر مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر قصور کی معافی چاہی اور اسلام قبول کیا، اور خلافت صدیقی میں مسیلمہ کذّاب کو جس نے پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، قتل کیا۔

کعب بن زہیر | مشہور شاعر ہیں۔ آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے دن ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ بعد میں مدینہ پہنچ کر مسلمان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قصیدہ مدحیہ پیش کیا۔ آپ بہت خوش ہوئے اور کعب کو اپنی چادر مبارک عطا فرمائی۔

عبداللہ بن زلبعری | یہ بڑے زبردست شاعر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتے تھے بھاگ کر نجران چلے گئے۔ بعد میں حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کیا۔ اور معذرت میں اشعار کہے۔

صفوان بن امیّہ | سردارانِ قریش میں تھے۔ فیاضی اور مہمان نوازی میں مشہور تھے۔ جدہ بھاگ گئے۔ ان کے چچازاد بھائی عُمیر نے ان کیلئے امن کی درخواست کی۔ آپ نے امن عطا فرمایا۔ عمیر جدہ پہنچ کر ان کو واپس لائے۔ انہوں نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ مجھ کو سوچنے کی دو ماہ کی مہلت دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ تجھ کو چار ماہ کی مہلت ہے۔ مگر غزوہ حنین میں آپ کے ہمراہ رہے۔ واپسی پر آپ نے بیشمار بکریاں عطا فرمائیں۔ صفوان اس قدر سخاوت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ سہیل بن عمرو بھی غزوہ حنین کے بعد ایمان لے آئے۔ جن لوگوں کو امان دیا گیا تھا، ان میں کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ جو ایمان لایا بطیب خاطر ایمان لایا۔

عورتوں کا فیصلہ | عورتوں میں سے دو عورتیں ہندؓ اور فرتنا مسلمان ہو گئیں۔ باقی چار قتل کر دی گئیں۔ ہندہ نے معرکہ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر چبایا تھا، اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آپ نے فرمایا نبی کے لئے ایسا کرنا زیبا نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذائیں دی تھیں۔ اس نے حاضر خدمت ہو کر معذرت کی اور اسلام قبول کیا اور گھر جاکر تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔

نوٹ : رسول اللہ علیہ وسلم کا عفو عام اپنی مثال آپ ہے۔ تاریخ میں اس قسم کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی فاتح نے اپنے بدترین دشمنوں پر فتح پانے کے بعد انہیں اس قدر فیاضی سے معاف کر دیا ہو۔

عتبہ اور معتب کا اسلام | یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ فتح مکّہ کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد ایمان لائے اور ان کے علاوہ عتبہ اور معتب پسران ابولہب کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبّاسؓ سے دریافت فرمایا کہ کہاں ہیں۔ وہ مجھے نظر نہیں آئے اور ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت عبّاسؓ تلاش کرکے لائے۔ دونوں نے حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کیا۔ چہرۂ انور پر مسرّت کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت عبّاسؓ نے عرض کیا، کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ مسرور رکھے۔ مَیں آپ کے چہرہ کو مسرور دیکھ رہا ہوں۔ فرمایا کہ مَیں نے اپنے پروردگار سے یہ درخواست کی تھی کہ مجھ کو میرے چچا کے دونوں بیٹے عطا کر دیئے جائیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں مجھ کو عطا کر دیئے۔

بت شکنی اور دعوتِ حق | فتح مکّہ کے بعد آپ کا قیام مکّہ معظمہ میں پندرہ دن رہا۔ ان دنوں خانہ کعبہ کے بتوں کو تو خود اپنے دستِ مبارک سے منہدم کیا لیکن مکّہ کے اطراف وجوانب کے بتوں کو توڑنے کے لئے صحابہؓ کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے عزیٰ بُت کو توڑا جو قریش کا بہت بڑا بُت تھا اور مقام نخلہ میں نصب تھا حضرت عمرو بن عاصؓ نے سواع بُت کو توڑا جس کو ہذیل قبیلہ والے پوجتے تھے اور مکّہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا حضرت سعد بن زیدؓ نے مناۃ بُت کو توڑا جس کی کلب اور خزاعہ والے پوجا کیا کرتے تھے۔

رمضان کا مہینہ اسی میں گذر گیا۔ مگر ماہِ شوال میں تبلیغ اسلام کیلئے حضرت خالدؓ کو بنی خزیمہ کی طرف بھیجا۔ حضرتِ خالدؓ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ گھبراہٹ میں اسلام کا

کلمہ تو کہہ نہ سکے اس کی بجائے صبانا صبانا پکارنے لگے کہ ہم نے اپنا پہلا دین چھوڑ دیا حضرت خالدؓ نے اس کو کافی نہ سمجھا۔ بعض کو قتل کیا اور بعض کو گرفتار۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ اے اللہ خالد نے جو کیا، میں اس سے بری ہوں۔ پھر حضرت علیؓ کو بھیج کر مقتولین کا خون بہا ادا کیا۔

بہت سے قبائل کی رائے تھی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ پر غالب آگئے تو سچے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ مکہ فتح ہوتے ہی لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حتیٰ کہ گھر گھر توحید کی شعاعیں پہنچ گئیں۔ اس کے بعد تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اطرافِ عالم میں بھی توحید کی روشنی پھیل گئی۔ باطل کی چکاچوند ماند پڑ گئی، اور دینِ حق تمام ادیانِ باطل پہ غالب آگیا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ	وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ	ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ وہ
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔	اس دین کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کرے۔

اسباق و اشارات

① اگر غیر مسلم طاقت معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو مسلمان بھی بری الذمہ ہیں اور بعض حالات میں تو معاہدہ توڑنے والی جماعت کا استیصال ازبس ضروری ہے جیسے کہ فتح مکہ کے اسباب سے ظاہر ہے۔

② کافر و مشرک گروہ مسلم مفاد کی صورت میں حلیف بنایا جاسکتا ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی جان و مال اور آبرو کے بارے میں ان کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کیا جائے جو مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

③ فتحِ مکہ کی یہ خصوصیت ہے کہ بزورِ طاقت فتح ہونے کے باوجود خونریزی سے محفوظ رہا۔

④ اپنی جماعت یا قوم کے راز افشا کرنا اور دشمن کو اطلاع دینا شدید سیاسی غلطی ہے۔

⑤ جو مال یا جائداد اللہ کے لئے ایک دفعہ چھوڑ دی جائے تو پھر اس کا مطالبہ درست نہیں

(۶) جانی دشمنوں کو اس طرح معاف کر دینا پیغمبر کے سوا دوسرے کا کام نہیں۔ فتحِ مکہ کا ایک ایک واقعہ آپ کی نبوّت کی روشن دلیل ہے۔

(۷) عرب کے اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ اہلِ باطل کعبہ پر غالب نہیں آسکتے۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غالب آگئے تو بیشک وہ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔ اور بہت سے قبائل اسلام کی صداقت کو پا چکے تھے مگر قریش کے خوف اور ان کی پرانی عظمت کے خیال سے قبولِ اسلام کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ مگر فتحِ مکہ کے بعد یہ موانع دُور ہوگئے اور عرب قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوگئے۔

(۸) اسلام کی اشاعت کے راستہ کی سب رکاوٹیں دُور ہوگئیں۔

غزوۂ حنین

اسباب فتحِ مکہ کے بعد مشرکینِ عرب کی شوکت و قوت کا قریب قریب خاتمہ ہوگیا اور قبائلِ عرب یکے بعد دیگرے اسلام میں داخل ہونے لگے لیکن ہوازن اور ثقیف دو قبائل جو نہایت جنگ جُو اور فنِ حرب کے ماہر تھے۔ پوری تیاری کے ساتھ مالک بن عوف کی سرکردگی میں مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی عورتوں بچّوں اور مال مویشی کو ہمراہ لے کر نکلے۔ ان کے ایک تجربہ کار بوڑھے سردار درید بن صمہ نے عورتوں اور بچوں کی معیت کو ناپسند کیا۔ اور کہا کہ شکست کی صورت میں عورتوں کی وجہ سے زیادہ ذلّت ہوگی۔ مگر سردارِ لشکر نے اس کی رائے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

روانگی جب آپ کو خبر ملی تو آپ بارہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ جس میں دس ہزار اہلِ مدینہ اور دو ہزار نو مسلم اہلِ مکہ اور اسّی ۸۰ مکہ کے غیر مسلم تھے۔ یہ بارہ ہزار کا لشکر اپنی کثرت پر ناز کرتا ہوا مکہ سے باہر نکلا۔ لیکن مالکِ بے نیاز کو یہ ادا پسند نہ آئی۔ اس لئے کفّار کے چار ہزار لشکر کو بھاری کر دیا، تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ فتح و شکست کا مدار کثرت و قلت پر نہیں بدر میں بے سر و سامانی

کے باوجود فتحِ عظیم اور حنین میں اس قدر ساز و سامان کے ساتھ شکست کا یہی راز تھا۔

واقعات مسلمان حنین میں پہنچ کر ایک تنگ گھاٹی سے گذر کر نشیب کی طرف اُترنے لگے کہ صبحِ کاذب کی تاریکی میں دشمنوں نے اچانک تیر برسانے شروع کئے۔ مگر اسلامی لشکر ان کی فوج کو پسپا کرتا ہوا بڑھتا چلا گیا۔ بعض لوگ دشمن کی پسپائی کو دیکھ کر غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن کے تیر اندازوں نے موقعہ پا کر تیروں کا ایسا مینہ برسایا کہ مکہ کے طلقاء[1] جو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے شریک ہوئے تھے۔ فریب سے شکست کھا کر پیچھے ہٹے۔ اس سے مسلمانوں میں بے ترتیبی اور پسپائی شروع ہو گئی اور اکثر لوگوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

آپ دُلدل پر سوار تھے۔ جب آپ نے چاروں طرف سے حملہ آوروں کو بڑھتے اور اپنے لشکر کو بھاگتے دیکھا تو دُلدل کو آگے بڑھایا اور دشمن کے مقابلہ کے لئے سب سے آگے نکل گئے۔ اس وقت آپ کے ہمراہ صرف چند جاں نثار رہ گئے۔ حضرت عباسؓ خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ اور آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارثؓ رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ آپ نے سواری سے اُتر کر فرمایا۔

"میں سچا نبی ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔"

پھر آپ نے حضرت عباسؓ کو فرمایا کہ صحابہؓ کو پکارو۔ انہوں نے مہاجرین اور انصار اور اصحابِ سمرہ[3] کو پکارا۔ ان کی آواز سنتے ہی سو کے قریب نبوت کے پروانے آن کی آن میں شمعِ نبوت کے گرد جمع ہو گئے۔ باقی جہاں جہاں تھے وہیں لڑنے لگے۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ آپ نے ایک مٹھی خاک لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور اللہ تعالیٰ نے مدد کیلئے آسمان سے فرشتے نازل فرمائے۔ نقشۂ جنگ بدل گیا۔ کفار مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ پسپا ہو کر پیچھے ہٹے۔ مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ ان کی عورتوں اور لڑکوں کو قید کر لیا۔ مال و اسباب

---

[1] اہل مکہ، جن کو فتح مکہ کے موقعہ پر معافی دی گئی اور آزاد کیا گیا۔ [2] حضرت اُم سلیمؓ (والدہ حضرت انسؓ) نے جو جنگ میں شریک تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان طلقاء کو قتل کر دیجئے۔ انہی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے۔ (سیرت نبوی ج۱ صفحہ ۵۳۲) [3] جنہوں نے کیکر کے درخت کے نیچے حدیبیہ میں بیعت کی تھی۔

پر قبضہ کر لیا۔ مالِ غنیمت[1] اور قیدی مقام جعرانہ بھیج دیئے گئے۔ اس جنگ میں کُل چار یا چھ مسلمان شہید ہوئے اور اکہتر[2] کافر قتل ہوئے۔

ہوازن کا تعاقب ہوازن اوطاس کی طرف اور بنو ثقیف طائف کی طرف بھاگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر اشعریؓ کو اوطاس کی طرف روانہ کیا۔ ہوازن نے مقابلہ کیا۔ ابو عامرؓ، ابن درید کے ہاتھوں شہید ہوئے اور ابن درید کو حضرت ابو موسیٰؓ نے قتل کر دیا۔ بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی اور بیشمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

طائف کا محاصرہ بنو ثقیف کی سرکوبی کے لئے طائف کا محاصرہ کیا گیا۔ قلعہ کی فصیل اس قدر مضبوط تھی کہ منجنیق اور دیگر قلعہ شکن آلات سے کام لیا گیا۔ مگر بیس دن کے محاصرہ کے باوجود شہر فتح نہ ہو سکا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن معاویہ کے مشورہ سے محاصرہ اُٹھا لیا۔ اور جعرانہ تشریف لے آئے۔ (ریاض التواریخ)۔

بعد ازیں وہ قلعہ خود بخود فتح ہو گیا۔ عوف بن مالک آکر مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اسے امیر مقرر کر دیا۔ اس نے مقابلہ کر کے ثقیف کو بھی مسلمان بنایا۔

ہوازن کا وفد آپ نے دس دن سے زیادہ ہوازن کا انتظار کیا۔ مگر جب کوئی نہ آیا تو آپ نے مجاہدین پر مالِ غنیمت تقسیم فرما دیا۔ تقسیم کے بعد ہوازن کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ انتظار کر کے مالِ غنیمت تقسیم کیا ہے۔ اب دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لو۔ مال و اسباب لے لو یا اپنے اہل و عیال کو چھڑا لو۔ وفد نے کہا۔ ہمیں اہل و عیال زیادہ عزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اور میرے خاندان کے حصّہ میں جو کچھ آیا ہے وہ سب تمہارا ہے۔ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے۔ باقی جو حصّہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے اس کے متعلق میں تمہاری سفارش کروں گا۔ نمازِ ظہر کے وقت جب سب مسلمان جمع ہوں درخواست

---

[1] مالِ غنیمت میں عورتوں اور بچوں سمیت چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار سے زائد بھیڑ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے ہاتھ آئی واللہ اعلم۔ (تاریخ ابنِ خلدون)۔

پیش کرنا۔ چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد ہوازن نے اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بھائی ہوازن مسلمان ہو کر آئے ہیں۔ میں نے اپنا اور اپنے خاندان کا حصہ ان کو دے دیا ہے۔ آپ لوگوں میں سے اگر کوئی خوشی سے ان کے قیدی واپس کرے تو بہتر، ورنہ مجھ سے معاوضہ لے کر دست بردار ہو جائے۔ یہ سن کر تمام مہاجرو انصار نے ہوازن کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ دو چار شخصوں نے کچھ تامل کیا۔ آپ نے ان کا معاوضہ دے دیا اس طرح چھ ہزار قیدی دفعۃً آزاد کر دیئے گئے۔ فتح مکہ کے بعد یہ پہلا وفد ہے جو حاضر خدمت ہوا۔ (سیرت المصطفیٰ ج۔۳ ص۱۰۸ و تاریخ اسلام نجیب آبادی ص۲۲۸)

ان قیدیوں میں آپ کی رضاعی بہن حضرت شیما بھی تھیں۔ آپ نے ان کیلئے اپنی چادر بچھا دی اور اس پر اسے بٹھلایا، اور فرمایا کہ اگر تم میرے پاس رہنا پسند کرو تو میں تمہیں عزت و احترام سے رکھوں گا۔ اگر اپنے قبیلہ میں جانا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔ انہوں نے اپنی قوم میں جانا چاہا۔ آپ نے ان کو رخصت کرتے وقت کچھ اونٹ اور بکریاں، تین غلام اور ایک باندی عطا فرمائی۔ (سیرت المصطفیٰ ج۔۳ ص۱۰۹)

مالِ غنیمت اور انصار مکہ کے جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، مالِ غنیمت میں ان کو ترجیح دی گئی، اور بعض کو ان کے حصہ سے کئی گنا زیادہ دیا گیا۔ اس پر انصار کے بعض نوجوانوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ مشکلات اور شدائد میں کام آنے کے لئے تو ہم ہیں مگر مالِ غنیمت دوسروں کو تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو انصار کو جمع کر کے فرمایا کہ تمہاری ایسی باتیں مجھے پہنچی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے نوجوانوں نے اس قسم کی باتیں ضرور کی ہیں لیکن کسی سمجھدار آدمی نے تو ایسا خیال تک بھی نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے انصار! کیا تم گمراہ نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے واسطے سے تم کو ہدایت دی۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعہ بھائی بھائی بنا دیا۔ تم لوگ نادار تھے، میری بدولت اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا۔ انصار نے کہا کہ آپ جو فرماتے ہیں

بالکل بجا اور درست ہے۔ بیشک اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں، تم یہ کہو کہ لوگوں نے تجھے جھٹلایا، ہم نے تیری تصدیق کی۔ تُو بے یار و مددگار تھا ہم نے تیری مدد کی۔ تُو بے سہارا اور بے ٹھکانا تھا ہم نے تجھے ٹھکانا دیا۔ تو محتاج تھا ہم نے تیری یاری اور غم گساری کی۔ تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں کہ تم سچ کہتے ہو۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ بکریاں لے کر اپنے گھر واپس ہوں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر جاؤ۔ یہ فرمانا تھا کہ انصار چیخ اُٹھے اور روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر ہجرت ایک تقدیری امر نہ ہوتا تو میں بھی انصار میں سے ہوتا۔ اے اللہ! انصار اور انصار کی اولاد اور ان کی اولاد پر رحم فرما۔ یہ سُن کر انصار کو جو خوشی ہوئی، اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ نے انصار کو سمجھایا کہ یہ لوگ ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں۔ تالیفِ قلوب کے خیال سے ان کو زیادہ مال دیا گیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ان کا حق زیادہ ہے۔ انصار ہر طرح سے مطمئن ہوگئے۔ (سیرت المصطفٰی و تاریخ اسلام)۔

مکّہ کا انتظام بعد ازاں آپ جعرانہ سے عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ مکّہ پہنچ کر عتابؓ بن اسید کو مکّہ کا امیر مقرر کیا۔ اسلام میں یہ پہلے امیر ہیں، جنہوں نے مسلمانوں کو عرب کے طریق پر حج کرایا۔ معاذ بن جبلؓ کو احکامِ دین سکھانے کے لئے ان کے پاس چھوڑا اور ابو محذورہؓ کو مکّہ کا موذن مقرر کیا، اور خود ۲۷ ذیقعدہ کو صحابہ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔

متفرّق واقعات

اسی سال آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ اور اسی سال آپکی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے انتقال فرمایا۔ اسی سال آپ نے کعب بن عُمیرؓ کو پندرہ آدمیوں کے ہمراہ شام کی طرف قضاعہ کے ایک گروہ کے پاس دعوتِ اسلام کی غرض سے روانہ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے سب مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ صرف ایک آدمی کسی طرح بچ کر مدینہ آیا۔

عروہ بن مسعود طائف کے رئیس تھے۔ محاصرہ کے دنوں کہیں باہر گئے ہوئے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو روانہ ہوئے تو یہ راستہ میں حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہوئے، اور واپس آ کر اہل طائف کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی اور ان کو شہید کر دیا۔

ازواج سے علیحدگی جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات عنایت فرمائیں اور لوگ آسودہ ہو گئے تو ازواج مطہرات نے بھی مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ کیا۔ دنیا طلبی آپ کو پسند نہیں تھی۔ اس لئے آپ کو یہ حرکت ناگوار گذری۔ قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر نہیں جاؤں گا۔ مسجد کے قریب بالاخانہ میں علیحدہ فروکش ہو گئے۔ صحابہ مضطرب تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو اور حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو ڈانٹا۔ ان کو اپنی صاحبزادیوں کی فکر تھی کہ پیغمبر کو ملول کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ آخر ایک ماہ بعد آیت تحییر نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (احزاب۔ پارہ ۲۱)	اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی رونق و بہار اور ساز و سامان چاہتی ہو (تو پھر میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا) آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع (رخصتی جوڑے) دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دوں اگر اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی اور آخرت (کے اعلیٰ مراتب) کی طلب ہے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بہت بڑا اجر و ثواب رکھا ہے

نزول آیت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے اور پہلے حضرت عائشہؓ کو خدا کا حکم سنایا اور فرمایا کہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض

کیا۔ اسمیں مشورہ کی ضرورت ہے، مَیں تو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کرتی ہوں۔ باقی ازواج مطہراتؓ نے بھی یہی کہا جو حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا اور دنیا کے عیش و عشرت کا تصور دل سے نکال ڈالا۔

ف : اس واقعہ سے امہات المومنینؓ کی اللہ اور رسول سے والہانہ محبت، زہد، صبر اور سادہ زندگی کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ ان کے منصب، تقویٰ اور عملی زندگیوں کا اندازہ تخیل سے بالاتر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بڑے بڑے گھرانوں کی خواتین تھیں۔ ان کے ذوق کسی سے کم نہ تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے انکی زندگیاں ہر لحاظ سے عالمِ نسواں کے لئے نمونہ کی زندگیاں تھیں۔ مگر انسان آخر انسان ہے۔ بشری تقاضے اس کے ساتھ ہیں۔ ازواجِ مطہرات اگرچہ ایمان و اخلاق کے لحاظ سے عالی مرتبہ پر فائز تھیں۔ تاہم کبھی نہ کبھی باہمی رشک کے جذبات کا کچھ نہ کچھ اثر لے لیتی تھیں قدرت کو منظور تھا کہ آپ کی زندگی میں ایک نمونہ اس کا بھی دکھایا جائے کہ اگر بیوی کی بعض لغزشوں سے شوہر کو رنج پہنچے تو اس کا نباہ کس طرح کیا جائے۔ چنانچہ پے در پے چند واقعات ایسے پیش آئے کہ بہ تقاضائے بشریت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہرات کی طرف سے بعض[1] رنج پہنچے۔

① کچھ دنوں حضرت زینبؓ آپؐ کو شہد کا شربت پلا دیتیں۔ آپ کو ان کے ہاں معمول سے زیادہ دیر ہو جاتی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو یہ تاخیر گراں گذری انہوں نے نسوانی رقابت کے اثر اور آپ کی محبت و عقیدت کے تقاضے سے یہ حیلہ کیا کہ حضرت حفصہؓ سے آپ نے عرض کیا کہ شاید آپ نے مغافیر[2] نوش فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں نے تو شہد پیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شاید مکھی نے مغافیر کا رس چوسا ہو۔ آپ نے

---

[1] توسیع نفقہ کا مطالبہ جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ [2] مغافیر ایک گوند ہے جس میں بد بُو ہوتی ہے۔

قسم کھائی کہ آئندہ شہد نہیں پیوں گا۔ اور حضرت حفصہؓ کو اس کے اخفاء کی تاکید کر دی تاکہ حضرت زینبؓ کا جی بُرا نہ ہو۔

(۲) ایک دن حضرت حفصہؓ اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ حضورؐ انکے ہاں ہی رونق افروز تھے۔ اتنے میں حضرت ماریہ قبطیہؓ بھی وہاں آگئیں اور کچھ دیر ٹھہری رہیں۔ حضرت حفصہؓ واپس آئیں تو دروازے کے باہر بیٹھ کر رونے لگیں۔ حضرت ماریہؓ کے جانے کے بعد حضورؐ باہر نکلے، تو دیکھا کہ حضرت حفصہؓ رو رہی اور شکوہ کر رہی ہیں۔ آپ نے ان کو راضی کرنے کی غرض سے قسم کھائی کہ میں آئندہ ماریہؓ کے پاس نہ جاؤں گا۔ اور حضرت حفصہؓ کو تاکید کر دی، کہ دوسروں کے سامنے اس کا ذکر نہ کریں۔ مگر حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو ان واقعات کی اطلاع کر دی۔ آپ کو بذریعہ وحی اس کا علم ہو گیا۔ آپ نے حضرت حفصہؓ سے افشائے راز کا شکوہ اس طرح کیا کہ ان کو زیادہ ندامت اور شرمندگی نہ ہو کچھ بات بتائی کچھ ٹلا دی۔

اشارات

(۱) اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ معاشرت اور وسعتِ اخلاق کا پتہ چلتا ہے کہ آپ خلافِ طبع باتوں پر کس قدر چشم پوشی فرماتے تھے۔ اگر بیوی کی بعض لغزشوں سے شوہر کو رنج پہنچے تو عفو و کرم سے کام لے۔

(۲) حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے دل حُبِّ رسولؐ کی وجہ سے اس طرف مائل ہو رہے ہیں کہ دوسری بیبیوں سے ہٹا کر آپ کو اپنا ہی بنا لیں۔ لیکن اس میں دوسروں کی حق تلفی اور دل شکنی تھی۔ اس لئے ان کو تنبیہ کی گئی کہ اس ارادہ سے توبہ کر کے اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرو۔

ؔ تفصیل کے لئے سورہ تحریم کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

غزوۂ تبوک

۹ھ ہجری

اسباب تبوک شام کی سرحد کے قریب ایک مشہور شہر ہے۔ ۹ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ جنگ موتہ کی ہزیمت کا انتقام لینے کیلئے غسانی بادشاہ نے ایک لشکرِ عظیم فراہم کرکے ہرقل شاہِ روم سے امداد طلب کی ہے۔ وہ ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں پر چڑھائی کیلئے تیار کر رہا ہے۔ غرض سرحد شام پر عیسائی فوجوں کے اجتماع اور مدینہ پر حملہ ہونے کی خبریں متواتر پہنچنی شروع ہوئیں تو آپ نے مناسب خیال فرمایا کہ ہم خود حدودِ شام پر اقدام کرکے اس کا جواب دیں۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ مسلمان اطرافِ ملک سے آ آ کر جمع ہونے لگے۔ گرمی سخت تھی۔ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ کھجور کی فصل پک رہی تھی۔ سایہ خوش گوار تھا۔ پھر اسقدر طویل مسافت طے کرکے جانا اور نہ صرف غسان بلکہ قیصرِ روم کی مسلّح فوج سے نبرد آزما ہونا کوئی کھیل تماشہ نہ تھا۔ ایسی مہم میں مؤمنینِ مخلصین کے سوا کس کا حوصلہ تھا کہ جانبازانہ قدم اٹھا سکتا۔ چنانچہ منافقین جھوٹے حیلے بہانے تراش کر کھسکنے لگے اور بعض مسلمان بھی ایسے سخت وقت پر اس طویل سفر سے کتراتے تھے۔ جن میں بہت سے تو آخر کار ساتھ ہوئے اور جن کو کسل نے اس شرفِ عظیم کی

برکت سے محروم رکھا، وہ رہ گئے۔

مالی استعانت یہ پہلا غزوہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کی مالی استعانت کیلئے ترغیب دی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار، تین سو اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کئے، اور تیس ہزار لشکر میں سے بیس ہزار کا سامان کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت راضی ہوئے اور فرمایا کہ میں عثمانؓ سے راضی ہوں، یا اللہ! تو بھی راضی ہو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس کے بعد کوئی عمل عثمانؓ کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال پیش کر دیا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے دو سو اوقیہ چاندی اور حضرت عاصم بن عدیؓ نے ساٹھ وسق کھجوریں پیش کیں۔ حضرت عباسؓ اور حضرت طلحہؓ نے زر کثیر پیش کیا۔ اور عورتوں نے بھی اپنے حوصلے سے زیادہ زیور پیش کئے یہی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو کُل مال ہی اسلام پر قربان کر دیا۔ صدیقِ اکبرؓ جب اپنا مال لے کر حاضر خدمت ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ گھر والوں کے لئے بھی کچھ چھوڑ آئے ہو، تو عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ! میں اپنے گھر میں اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ آیا ہوں۔

مدینہ کا عارضی انتظام جب صحابہؓ ہمہ تن تیار ہو گئے تو آپ نے محمد بن مسلمہؓ انصاری کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا اور حضرت عبد اللہ بن اُمِّ مکتومؓ کو اپنی مسجد کا امام بنایا۔ اور حضرت علیؓ کو اہل و عیال کی حفاظت اور نگرانی کے لئے چھوڑا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ آپ نے ان کی دلداری کیلئے فرمایا کہ تم میرے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی، مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: آپ کے اس ارشاد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل ثابت نہیں

---

[۱] قصص القرآن ج ۴ ص ۲ - [۲] تاریخ حبیب الٰہ ص ۲۷

کی جاسکتی۔ کیونکہ آپ نے محمد بن مسلمہؓ کو حاکمِ مدینہ بنایا اور عبداللہ بن مکتومؓ کو اپنی مسجد کا امام مقرر کیا۔ حضرت علیؓ کی نیابت تو اہل و عیال کی حد تک محدود تھی۔

۲ : بدر کے قیدیوں کے بارے میں جب آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو اس وقت آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت ابراہیم اور عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ تشبیہ دی، اور حضرت عمرؓ کو نوح اور موسیٰ علیہما السلام کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ کسی کو ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام سے تشبیہ دینا ہارون علیہ السلام کی طرف نسبت کرنے سے کہیں زیادہ بالا و برتر ہے۔

روانگی رجب ۹ھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار سر فروش مجاہدین کا لشکر لے کر حدودِ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں مقامِ حجر سے گذر ہوا۔ جہاں ثمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ آپ نے چہرۂ انور پر کپڑا لٹکایا، اور ناقہ کو تیز کر دیا۔ صحابہ کو فرمایا کہ کوئی شخص یہاں کا پانی نہ استعمال کرے۔ روتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے سرنگوں اس وادی سے گذر جائیں۔ جن لوگوں نے غلطی سے پانی لے لیا تھا اور آٹا گوندھ لیا تھا۔ ان کو حکم دیا کہ پانی گرا دیں اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیں۔[1]

ف : مواقعِ عذاب میں داخل ہونے سے نزولِ عذاب کا اندیشہ ہے۔ آج کل ایسے مقامات کو تفریحاً دیکھا جاتا اور سیرگاہ بنایا جاتا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔ اے دیکھنے والو عبرت پکڑو۔

معجزہ ① آگے چل کر ایک منزل پر ٹھہرے، تو پانی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے مینہ برسا دیا۔ جس سے سب سیراب ہو گئے۔

② وہاں سے چلے تو راستہ میں آپ کا ناقہ گم ہو گیا۔ ایک منافق نے کہا کہ آسمان کی تو خبریں بیان کرتے ہیں مگر تعجب ہے کہ اپنے ناقہ کی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے کسی چیز کا علم نہیں، سوائے اس کے جو میرے اللہ نے مجھے سکھا دیا ہے، اور

[1] بخاری شریف بحوالہ سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۱۳۱۔

اب میں بالہامِ الٰہی کہتا ہوں کہ وہ ناقہ فلاں جگہ ہے۔ اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس کی وجہ سے وہ رُکی ہوئی ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک صحابی کو بھیج کر ناقہ منگوا لیا۔ اللہ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں۔ وہ جس کو جتنا چاہے عطا فرماتے ہیں ؎

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم گہے بر پائے پشتِ خود نہ بینم

(۳) تبوک کے چشمے پر پہنچے تو پانی نہ تھا۔ ایک ایک قطرہ رس رہا تھا۔ تھوڑا سا پانی ایک برتن میں جمع کر کے آپ نے اس میں اپنا ہاتھ منہ دھویا۔ اور پانی اس چشمہ میں ڈال دیا۔ پانی کا ڈالنا تھا کہ چشمہ فوارہ کی طرح اُبلنے لگا۔ جس سے تمام لشکر سیراب ہو گیا۔ اور آپ نے معاذ بن جبل رضؓ سے فرمایا کہ تُو اس خطّے کو باغات سے سرسبز و شاداب دیکھے گا۔[۱]

سامان خورد و نوش کی قلّت

اس سفر میں ظاہری بے سرو سامانی کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک کھجور روزانہ دو دو سپاہیوں پر تقسیم ہوتی تھی۔ اخیر میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ بہت سے مجاہدین ایک ہی کھجور کو یکے بعد دیگرے چُوس کر پانی پی لیتے تھے۔ پھر پانی کے فقدان سے اونٹوں کی آلائش نچوڑ کر پینے کی نوبت آئی۔ سواری کا اتنا قحط تھا کہ دس دس آدمی ایک ایک اونٹ پر باری باری اُترتے چڑھتے تھے۔ یہی جذبہ ایثار اور فداکاری تھا جس نے مٹھی بھر جماعت کو تمام دنیا کی قوموں پر غالب[۲] کر دیا۔

نتیجہ

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس[۲۰] روز قیام فرمایا۔ دشمن مرعوب ہو گئے۔ ہرقل نے اس ڈر سے کہ آپ کو پیغمبر برحق سمجھتا تھا، ادھر کا رُخ نہ کیا، اور کوئی رومی مقابلہ کیلئے نہ آیا۔ آس پاس کے قبائل[۳] نے حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ اس مقام سے آپ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کی طرف روانہ کیا اور فرمایا کہ وہ تجھے شکار کھیلتا ہوا ملے گا۔ اس کو قتل نہ کرنا۔ گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا۔ حضرت خالدؓ رات کے وقت پہنچے۔ چاندنی رات تھی۔ ایک نیل گائے دیوارِ قلعہ کے پاس آگئی۔ اکیدر اس کو شکار کرنے نکلا تھا کہ حضرت

---

[۱] سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۱۳۳ [۲] حاشیہ قرآن مجید حضرت شیخ الہند پ ۱۱۔ سورہ توبہ۔ [۳] ص کر اہلِ

ص اور والیان حربا، اذرح اور سینیا وغیرہ۔

خالد بن ولیدؓ کا شکار ہو گیا۔ حضرت خالدؓ اُسے گرفتار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ اکیدر نے دو ہزار اونٹ۔ آٹھ سو گھوڑے۔ چار زرہیں اور چار سو نیزے دے کر صلح کر لی اور اطاعت قبول کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرحد شام کے عیسائی حاکموں اور رئیسوں سے اطاعت کا اقرار لیتے اور معاہدات کرتے ہوئے کامرانی کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لائے۔

مسجد ضرار منافقین نے مسلمانوں کے خلاف سازش کا ایک مرکز قائم کرنے کے لئے مسجد قبا کے مقابلہ میں ایک مسجد بنائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ ہم نے ایک مسجد بنائی ہے تاکہ مسجد قبا میں تنگیِ جگہ کی شکایت نہ رہے اور قرب و جوار کے بیماروں اور ناتوانوں کو بھی سہولت ہو۔ حضور ایک مرتبہ چل کر وہاں نماز پڑھ لیں تو ہمارے لئے موجب برکت و سعادت ہے۔ آپ نے فرمایا: میں اس وقت تبوک جا رہا ہوں۔ اگر اللہ نے چاہا تو واپسی پر دیکھا جائے گا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس ہو کر مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کی ناپاک اغراض پر مطلع کر کے مسجد ضرار کا پول کھول دیا۔ آپ نے اُسے مسمار کرانے اور جلوانے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسجد ضرار کا نام و نشان مٹ گیا۔

ف: (۱) عمل صالحہ بھی اگر بُری نیت سے کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مردود ہے۔

(۲) حق کے خلاف سازشی اڈوں کو حتی الامکان بیخ و بُن سے اُکھاڑنا ضروری ہے اور ان سے چشم پوشی اور کسی قسم کی کوتاہی کرنا شدید قسم کی سیاسی غلطی ہے۔

عذر خواہی اس سفر میں آپ کے دو مہینے صرف ہوئے۔ رمضان ۹ھ ہجری میں آپ واپس مدینہ تشریف لائے۔ اوّل مسجد میں جا کر دوگانہ ادا فرمایا اور نماز سے فارغ ہو کر کچھ دیر لوگوں کی ملاقات کے لئے بیٹھے۔ منافقین نے عدمِ شرکت کے جھوٹے بہانے تراش کر خدمتِ اقدس میں عذر خواہی کی۔ آپ نے اسلام کے جماعتی نظم کے مصالح کی بنا پر ان سے درگذر

لے سیرت المصطفیٰ ج-۳ ص۱۳۴

فرمایا۔ منافقین کے علاوہ بعض مسلمان بھی کسی عذر کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔

معجزہ حضرت ابوذرؓ کا اونٹ دُبلا پتلا تھا سان کو خیال ہوا کہ دو چار دن میں کھا پی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا تو میں اس وقت آپ سے جا ملوں گا۔ مگر جب اس سے نا اُمید ہو گئے تو سامان پُشت پر رکھ کر پا پیادہ روانہ ہوئے اور تن تنہا تبوک پہنچے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ اللہ ابوذرؓ پر رحم فرمائے، اکیلا چلا آ رہا ہے۔ اکیلا ہی مریگا، اکیلا ہی اُٹھایا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ربذہ میں تنہا وفات پائی۔ تجہیز و تکفین کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اتفاق سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ سے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے تجہیز و تکفین کی۔[1]

ابو خیثمہؓ حدیث میں ہے کہ ابو خیثمہؓ بھی غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے۔ حضور کی روانگی کے بعد باغ میں گئے۔ وہاں خوشگوار سایہ تھا۔ حسین و جمیل بیوی سامنے تھی۔ اس نے پانی چھڑک کر زمین کو خوب ٹھنڈا کر دیا۔ چٹائی کا فرش کیا۔ تازہ کھجور کے خوشے سامنے رکھے اور سرد و شیریں پانی حاضر کیا۔ یہ سامانِ عیش دیکھ کر ابو خیثمہؓ کے دل میں ایک بجلی سی دوڑ گئی۔ اور کہا کہ تف ہے اس زندگی پر کہ میں تو خوشگوار سائے، ٹھنڈے پانی اور باغ و بہار کے مزے لُوٹ رہا ہوں، اور خدا کا محبوب پیغمبر ایسی سخت لُو اور گرمی اور تشنگی کے عالم میں کوہ و بیاباں طے کر رہا ہے۔ یہ خیال آتے ہی سواری منگائی۔ تلوار حمائل کی۔ نیزہ سنبھالا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چل نکلے۔ اونٹنی تیز ہوا کی طرح چل رہی تھی۔ آخر پہنچ گئے حضورؐ نے دُور سے دیکھ کر کہ کوئی اونٹنی سوار ریت کے ٹیلے قطع کرتا چلا آ رہا ہے فرمایا کہ ابو خیثمہؓ ہو گا۔ تھوڑی دیر میں سب نے دیکھ لیا کہ وہ ابو خیثمہؓ ہی تھے۔

مخلصین صحابہؓ میں سے جو حضرات کسل اور تن آسانی کیوجہ سے تبوک میں حاضر نہ ہو سکے، ان میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر غایت ندامت سے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جبتک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] سیرت مصطفی ج-۳ ص ۱۳۷

اپنے ان مجرموں کو معاف کر کے نہ کھولیں گے، اسی طرح رہیں گے۔ آخر ان کی توبہ قبول ہوئی۔ تب آپ نے ان کو کھولا اور قبولِ توبہ کی بشارت دی۔

اصحابِ ثلاثہ ان مخلصین حضرات میں سے یہ تین حضرات کعب بن مالکؓ، ہلال بن اُمیہؓ، مرارہ بن ربیعؓ بھی تھے جو تن آسانی اور سہل انگاری کی بنا پر تبوک کی شرکت سے محروم رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو انہوں نے اپنی کوتاہی اور تقصیر کا علانیہ اعتراف کیا۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ منافقین جھوٹے بہانے بنا کر چھوٹ رہے تھے۔ مجھ سے دریافت کیا گیا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں۔ آپ کو اختیار ہے، میرے حق میں جو چاہیں فیصلہ کریں۔

معاشرتی بائیکاٹ مخلصین کی یہ حرکت کہ وہ جماعتی نظام کی خلاف ورزی کریں اور جہاد جیسے عظیم الشان فریضہ کو سُستی کی وجہ سے ترک کر دیں تو پھر بھی ان کو منافقین کی طرح معمولی معذرت پر معاف کر دیا جاتے؟ نہیں۔ بلکہ اس کیلئے ضرورت تھی کہ اس معاملہ میں ایسا فیصلہ دیا جائے کہ آئندہ کسی مخلص مسلمان کو ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہ ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے سچ سچ کہہ دیا۔ اب جاؤ، خدا کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ اور تمام صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ ان تینوں سے کلام و سلام بالکل ترک کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام مسلمانوں نے اُن کا معاشرتی مقاطعہ کر دیا۔

عدیم النظیر نظم و ضبط حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ میرے دونوں ساتھیوں نے تو باہر نکلنا ہی ترک کر دیا۔ میں برابر نماز کے اوقات میں مسجد میں حاضر ہوتا رہتا۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا تو کوئی جواب نہ پاتا۔ البتہ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو آپ میری طرف دیکھتے رہتے۔ اور جب میں فارغ ہو کر آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو رُخ پھیر لیتے۔ کوئی مسلمان ہم سے کلام و سلام کا روادار نہ تھا۔ عزیز و اقارب بیگانے ہو گئے۔ جب میں اس حالت سے اُکتا گیا تو ایک دن اپنے عزیز چچا زاد بھائی ابو قتادہؓ کے پاس گیا۔ جو اس سے پہلے مجھ پر جان چھڑکتا تھا۔

اور میرا عاشق و جاں نثار تھا۔ میں نے اس کو سلام کیا۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں اُس حالت کو دیکھ کر تڑپ گیا۔ اور ابو قتادہؓ سے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں۔ ابو قتادہ خاموش رہا۔ میں نے پھر پوچھا۔ مگر اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر تیسری مرتبہ پوچھنے پر یہ کہہ کر خاموش ہو گیا کہ "اللہ اور اس کا رسول ہی خُوب جانتے ہیں"۔

یہ سُن کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ میری آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ چالیس دن کے بعد بارگاہِ رسالت سے حکم پہنچا کہ اپنی بیویوں سے الگ رہو۔ ان اللہ کی بندیوں نے حکمِ رسول کو مقدم سمجھا اور اپنے میکے چلی گئیں۔ البتہ ہلال بن اُمیہؓ کی بیوی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہلال بہت بوڑھے ہیں۔ ان کو خدمت کی ضرورت ہے اور میرے سوا کوئی ان کی خدمت کرنے والا نہیں۔ آپؐ نے ان کو اجازت دے دی اور فرمایا کہ خدمت کرتی رہو مگر اور کسی قسم کا تعلق نہ رکھو۔ ان حالات کے اندر کہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے درمیان دوسرا کوئی موجود نہیں ہوتا تھا کیا مجال کہ کسی نے امرِ رسول سے انحراف کرنے کی جرأت کی ہو۔ اسی اثنا میں بادشاہِ غسان کا مجھ کو خط ملا۔ اُس نے اظہارِ ہمدردی کے بعد اپنے پاس آنے کی دعوت دی۔ یہ خط پڑھ کر مجھے بہت رنج ہوا اور میں نے کہا۔ خدایا اب کافر بھی میرے ایمان میں طمع رکھتا ہے اور مجھے بلاتا ہے۔ میں نے اس خط کو تنور میں ڈال دیا۔ اور ایلچی سے کہا کہ یہ ہے تیرے بادشاہ کے خط کا جواب۔

قبول توبہ غرض پچاس دن اسی حالت میں گذر گئے کہ خدا کی زمین باوجود فراخی کے ہم پر تنگ ہو گئی۔ اور زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی کہ یکایک صبح کے وقت یک شخص نے پہاڑی سے پکار کر کہا کہ اے کعب بن مالکؓ بشارت ہو کہ تمہاری توبہ قبول ہوئی۔ میں نے سُنتے ہی سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں اپنا کل مال خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ اپنے لئے رکھ لو۔ میں نے خیبر کا حصہ الگ کر کے باقی مال صدقہ کر دیا۔ (اقتباس از قصص القرآن صفحہ ۲۷۶ ج ۴ و حاشیہ قرآن مجید حضرت شیخ الہندؒ)۔

اشارات

(۱) جہاد سے جی چرانے کا نتیجہ ہلاکت اور بربادی ہے۔

(۲) بروقت جماعت کا ساتھ نہ دینا، ملّت کے نظم و نسق کو توڑنا اور اپنی جماعت کو کمزور کرنا ہے۔

(۳) ایسے لوگوں کے لئے تادیبی کارروائی ضروری ہے۔ تاکہ ان کی اصلاح ہو اور دوسروں کو عبرت ہو۔

وفود کی آمد

سنہ ۹ ہجری

عرب کا عقیدہ تھا کہ اہلِ باطل کعبہ پر غالب نہیں آسکتے۔ اس لئے فتح مکّہ کے بعد لوگوں کو یقین ہو گیا کہ دینِ اسلام، دینِ الٰہی ہے۔ تمام عالم میں پھیل کر اور غالب ہو کر رہے گا۔ کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی لوگ جو کسی طرح بھی اسلام کا نام سننا اور مسلمان کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ مکّہ فتح ہوتے ہی جوق در جوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور دُور دراز کے علاقوں کے قبائل نے اپنے وفد بھیج کر اطاعت کا اقرار کیا، اور برضا و رغبت اسلام کے حلقہ بگوش بن کر اپنا جان و مال فدا کرنے کیلئے تیار ہو گئے اور اس کثرت سے وفود آئے کہ یہ سال عام الوفود کے نام سے مشہور ہو گیا۔

وفد بنو تمیم | محرم سنہ ۹ھ کے شروع ہوتے ہی آپ نے عاملین کو ملک کے اطراف و اکناف میں زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کیلئے روانہ کیا۔ بشیر بن سفیانؓ کو بنو تمیم کی طرف بھیجا۔ جس وقت یہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے انکار کیا اور لڑنے کیلئے تیار ہو گئے۔ اب آپ نے عیینہ بن حصن کو انکی گوشمالی کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ انکے کچھ آدمی گرفتار کر کے مدینے لے آئے۔ بنو تمیم نے مجبور ہو کر ایک وفد آپکی خدمت میں روانہ کیا۔ یہ لوگ مدینہ پہنچے تو حجرہ شریفہ کے پیچھے کھڑے ہو کر آوازیں دینے لگے۔ اے محمد باہر آیئے۔ اس پر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو اس طرح باہر سے پکارنا بدتہذیبی اور حماقت ہے۔ ان کے لئے بہتر یہ تھا کہ آپ کا انتظار کرتے۔ جب آپ باہر تشریف لاتے، اور ان کی طرف متوجہ ہوتے تو اس وقت آپ سے خطاب کرتے۔

وفد بنی المصطلق ولید بن عقبہؓ کو آپ نے بنی المصطلق کی طرف صدقات وصول کرنے کیلئے بھیجا۔ بنی المصطلق ہتھیار لگا کر ان کے استقبال کیلئے نکلے۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ مقابلہ کیلئے نکلے ہیں۔ وہیں سے واپس ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے بنی المصطلق کو خبر ہوئی تو انہوں نے فوراً ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا جس نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر حقیقتِ حال کی اطلاع دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ	اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ مبادا کہ بے خبری میں کسی قوم کو ضرر پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو۔

نوٹ: اکثر تنازعات اور جھگڑوں کی ابتداء جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے۔ اس لئے اوّل اختلاف و تفریق کے اسی سرچشمہ کو بند کرنے کی تعلیم دی کہ کسی خبر کو یونہی بے تحقیق قبول نہ کرو۔

وفدِ ثقیف طائف والوں نے جب سُنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مظفر و منصور واپس تشریف لے آئے ہیں تو ان کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں سے لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ چنانچہ ان کا ایک وفد عبدیالیل کی سرکردگی میں مدینہ حاضر ہوا۔ یہ وہی عبدیالیل ہے جس کے اشارے پر طائف میں آپ پر کیچڑ پھینکی گئی اور پتھر برسائے گئے۔ آپ نے ان لوگوں کو مسجد میں ٹھہرایا، تاکہ وہ قرآن سُنیں اور مسلمانوں کے اخلاق و کردار کو دیکھیں۔ وفد کی خبر گیری حضرت خالد بن سعیدؓ کے سپرد تھی۔ وفد نے خالد کے واسطہ سے عجیب شرطیں پیش کیں۔

(۱) نماز معاف کر دی جائے۔ (۲) لات کو تین سال تک نہ توڑا جائے۔

(۳) ہمارے بُت ہمارے ہاتھوں نہ تڑوائے جائیں۔

آپ نے فرمایا کہ جس دین میں نماز نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ پھر انہوں نے کہا۔ کہ اچھا ہمیں جہاد کیلئے نہ بُلایا جائے۔ اور نہ ہم سے زکوٰۃ لی جائے۔ آپ نے یہ شرط قبول فرمالی اور صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ اسلام کے اثر سے یہ دونوں کام خود کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ پھر انہوں نے دریافت کیا کہ جس دیوی (لات) کی ہم پوجا کرتے ہیں اس کو کیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ اسے گرادو اور توڑ دو۔ وفد کے لوگوں نے کہا ہائے ہائے اگر دیوی کو خبر ہوگئی تو وہ تو ہمیں تباہ کر ڈالے گی۔ آپ ہمارے ہاتھوں اسے نہ اکھڑوائیں۔ اور اس کی ذمہ داری خود لے لیں۔ آپ نے قبول فرمالیا۔ آخران لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور مسلمان ہوکر واپس ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت مغیرہؓ کو "لات" کے توڑنے کے لئے روانہ کیا۔ مغیرہؓ بُت توڑنے کیلئے تیار ہوئے۔ ثقیف کے زن و مرد کا گمان تھا کہ گرانے والے پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے گی۔ اسے کسی طرح گرایا نہیں جاسکے گا۔ ثقیف کی پردہ نشین عورتیں بھی برہنہ سر اور برہنہ پا یہ تماشہ دیکھنے کے لئے گھروں سے نکل پڑیں۔ حضرت مغیرہؓ نے پہلے بُت کو توڑا۔ پھر مندر کی دیواروں کو گرایا۔ یہانتک کہ اس کی بنیاد کو بھی کھود ڈالا۔ اس سے قوم کے دلوں میں اسلام کی بنیاد مستحکم ہوگئی۔ (رحمۃ للعلمین و سیرت المصطفیٰ)

وفدِ طے تبوک کی واپسی کے بعد آپ نے حضرت علیؓ کو قبیلہ طے کی طرف روانہ کیا۔ حضرت علیؓ وہاں پہنچے تو قبیلہ کا سردار عدی بن حاتم فرار ہوکر شام کی طرف بھاگ گیا۔ ان کی بہن گرفتار ہوکر مدینہ آئیں۔ حاتم کی لڑکی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مجھ پر احسان کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کریگا۔ آپ نے اسے آزاد کردیا اور کچھ جوڑے زادِ راہ اور سواری دے کر بڑی عزّت و حرمت سے رخصت کیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس گئیں اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ عدی اپنی قوم کی طرف سے وفد لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے اس کی انتہائی عزّت کی اور مسجد نبوی سے

اپنے ہمراہ لئے ہوئے مکان کی طرف آئے۔ راستہ میں ایک عورت نے آپ کو روک لیا۔ جبتک وہ بات کرتی رہی، آپ کھڑے رہے۔ عدی کو حیرت ہوئی کہ شہنشاہِ عرب ایک بڑھیا کے ساتھ اس مساوات سے پیش آتا ہے۔ اسے یقین ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ نہیں بلکہ نبیِ برحق ہیں۔ پھر آپ مکان پر آئے۔ خود زمین پر بیٹھے اور مہمان کو گدے پر بٹھایا اور کچھ نصائح فرمائے۔ اور اسلام کی دعوت دی۔ عدی اسی وقت آپ کے اخلاق سے مسخّر ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔

فرضیّتِ حج تبوک سے واپسی کے بعد لگاتار وفود کی آمد شروع ہوگئی۔ قبائلِ عرب آآ کر فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر نہیں جاسکتے تھے۔ جب حج کا موسم آیا تو آپ نے اپنی جگہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر اور حضرت علیؓ کو نقیب بنا کر مکہ روانہ کیا۔ بیس اونٹ قربانی کے اپنی طرف سے ان کے ساتھ کئے۔ تین سو مسلمانوں کا قافلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سرکردگی میں روانہ ہؤا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانوں کو حج کرایا اور حضرت علیؓ نے سورۂ برأت کی آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کیا کہ آئندہ کوئی مشرک اللہ کے گھر میں داخل نہ ہوسکے گا، اور کوئی شخص ننگا ہوکر خانہ کعبہ کا طواف نہ کرسکے گا۔ کافر جنّت میں داخل نہ ہونگے۔ جن لوگوں نے معاہدوں کی پوری پوری پابندی کی، ان کے معاہدے اپنی اپنی مدت تک باقی رہیں گے۔ اور جن لوگوں سے کوئی معاہدہ نہیں، ان کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد جو اسلام میں داخل نہ ہوگا، اس کی گردن ماردی جائے گی۔ اس اعلان کے بعد مکہ میں جو لوگ بھی شرک پر قائم تھے، اسلام میں داخل ہوگئے، اور ہر طرف سے قبائل گروہ در گروہ آآ کر اسلام قبول کرنے لگے۔[1]

---

[1] سیرت المصطفیٰ ج۔۳، اور تاریخ اسلام حصہ اوّل۔

سنہ ۹ ہجری کے متفرق واقعات

(۱) اسی سال عبداللہ بن ابی منافق کا انتقال ہوا۔ جس کے بارہ میں یہ حکم نازل ہوا کہ آپ کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھیں، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

(۲) کافر کے جنازے میں شرکت اور اسکی قبر پر کھڑا ہونا قطعاً ناجائز ہے۔

(۳) اسی سال نجاشی شاہِ حبشہ کا انتقال ہوا۔ اسی روز آپ کو بذریعہ وحی اس کی وفات کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

(۴) اسی سال سود کی حرمت اور جزیہ کا حکم نازل ہوا۔

(۵) اسی سال آپ کی صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور اسی سال حج فرض ہوا۔

وفود کی آمد ــــ سنہ ۱۰ ہجری

سنہ ۱۰ھ میں بھی وفود کی آمد اور قبائلِ عرب کے اسلام میں داخل ہونے کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ صوبہ یمن کا ایک بڑا قبیلہ دوس بہت پہلے اسلام لا چکا تھا۔ قبیلہ اشعر کے لوگ بھی خود بخود مسلمان ہو گئے تھے۔ قبیلہ ہمدان حضرت علیؓ کی تبلیغ سے سارے کا سارا ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد قبائل یمن یکے بعد دیگرے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ سعد بن بکر کے سردار ضمام بن ثعلبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ اور اپنے قبیلہ میں اسلام پھیلایا۔ بنو اسد کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنے حاضر ہونے اور اسلام لانے کو احسان کے طور پر جتلایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ	یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ ہم اسلام لائے۔ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان

يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدٰكُمْ لِلْإِيْمَانِ
إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (حجرات آیۃ ١٧)

نہ رکھو بلکہ خدا کا تم پر احسان ہے کہ تمہیں
اسلام کی توفیق بخشی، اگر تم سچے ہو۔

ف : اسلام اور ایمان کی دولت بغیر توفیقِ الٰہی کے حاصل نہیں ہوتی۔ اس نعمت پر جس قدر ہو سکے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا چاہیئے۔ اترانا اور دعویٰ کرنا اللہ کو پسند نہیں۔

نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے ان کو مسجد میں اُتارا۔ دورانِ قیام عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مکالمہ اور مباحثہ شروع ہوا۔ نصاریٰ نے کہا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں تو ان کا باپ کون ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں تو خدا کی مثل اور مشابہ ہونے چاہئیں۔ حالانکہ سب کو علم ہے کہ خدا تعالیٰ بے مثل اور بے چون و چگون ہے۔ اور فرمایا کہ ہمارا پروردگار حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ ہے زندہ ہے کبھی اس پر موت نہیں آسکتی، اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت آنے والی ہے۔ نصاریٰ نے کہا بیشک ایسا ہی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ہمارا پروردگار ہر چیز کا قائم رکھنے والا، تمام عالم کا محافظ نگہبان اور رازق ہے۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام انہیں سے کسی چیز پر قادر ہیں۔ نصاریٰ نے کہا نہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو رحمِ مادر میں جس طرح چاہا بنایا۔ اور تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، نہ اس کو بول و براز کی حاجت ہوتی ہے حضرت مریمؑ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح جنا جس طرح عورتیں بچے جنتی ہیں۔ پھر بچوں کی طرح ان کو غذا دی گئی۔ اور کھاتے بھی تھے پیتے بھی تھے۔ بول و براز بھی کرتے تھے، پھر وہ خدا کیسے ہوئے۔ نصاریٰ پر حق واضح ہو گیا۔ مگر انہوں نے دیدہ و دانستہ اتباعِ حق سے گریز کیا اور کہا آپ حضرت مسیحؑ کو اللہ کا بندہ بتلاتے ہیں۔ کیا آپ نے حضرت مسیحؑ جیسا کسی کو دیکھا یا سنا بھی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ
كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ

یقیناً عیسیٰ علیہ السلام کا حال خدا کے نزدیک
ایسا ہی ہے جیسا آدم علیہ السلام کا حال،

ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○	کہ اس کو مٹی سے بنایا پھر اس کو کہا ہو جا۔
اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ	چنانچہ وہ ہو گیا۔ اے نبی یہ امور واقعیہ میں
مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ فَمَنْ حَآجَّكَ	جو آپ کے رب کی طرف سے بتائے گئے ہیں
فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ	تو آپ ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جو شک
الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ	کرنے والے ہیں۔ پھر آپ کے پاس صحیح علم آ جانے
اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا	کے بعد جو شخص آپ سے کج بحثی کرے تو آپ
وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ	فرما دیجئے کہ آجاؤ ہم تم مل کر اپنے اپنے بیٹوں
ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ	کو اور اپنی اپنی عورتوں کو بلالیں اور خود ہم
اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○	اپنے آپ کو بھی شریک کریں پھر ہم سب مل
(سورۃ ال عمران۔ پارہ ۳)	کر خدا کی جناب میں اس طور پر دعا کریں کہ ان
	پر اللہ کی لعنت ڈالیں جو جھوٹے اور ناحق پر ہوں۔

ان آیات کے نازل ہونے پر آپ مباہلہ کیلئے تیار ہو گئے اور اگلے روز امام حسنؓ امام حسینؓ اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اور حضرت علیؓ کو ہمراہ لے کر باہر تشریف لائے۔ نصاریٰ ان مبارک اور نورانی چہروں کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے۔ اور مہلت مانگی۔ ان کے بڑے پادری نے وفد کہا کہ تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ شخص نبی مرسل ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس نے جو کچھ کہا ہے قول فیصل ہے۔ اگر اس سے مباہلہ کیا تو بالکل ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے۔ اگر تم اپنے دین پر رہنا چاہتے ہو تو صلح کر کے واپس ہو جاؤ۔ اس پر انہوں نے مباہلہ سے گریز کیا اور جزیہ دے کر اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول کر لی۔ وہاں کے مشرک عرب حضرت خالد کی تبلیغی کوششوں سے مسلمان ہو گئے۔

بحرین کی وادیوں میں عبد القیس، بکر بن وائل اور تمیم کے مشہور اور طاقت ور قبیلے آباد تھے۔ ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا۔ عمان میں ازد قبیلہ سکونت پذیر تھا۔ عبید اور جعفر رئیس تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس اسلام کا

پیغام بھیجا۔ انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ خود مسلمان ہو کر سارے قبیلہ کو مسلمان بنایا۔ کندہ ازد اور سلاطینِ حمیر وغیرہ تمام قبائل کی سفارتیں دربارِ نبوت میں آئیں۔ اور اس طرح حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے والے وفود کی تعداد ستر[1] تک بیان کی جاتی ہے۔ غرض عرب کے گوشہ گوشہ میں اسلام پھیل گیا، اور کفر و شرک کی تاریکی کافور ہو گئی۔[2]

مدعیانِ نبوت مسیلمہ، طلیحہ، خویلد، اسود، سجاح بنت حارث نے الگ الگ نبوت کا دعویٰ کیا مگر سب کے سب ذلیل و خوار ہوئے۔ ان میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی زیادہ مشہور ہیں۔

بنی حنیفہ کے لوگ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ انہی میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ جس نے واپسی کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اور اسی دعویٰ کی وجہ سے خلافتِ صدیقی میں صحابہؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا منکر تو نہیں تھا۔ لیکن آپ کے بعد چونکہ کسی نبوت کا دعویٰ جائز نہیں، اس لئے مسیلمہ کا غیر تشریعی نبوت کا دعویٰ بھی کفر و ارتداد سمجھا گیا اور اس پر جہاد کیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

ف : تمام اسلامی فرقوں کے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعوئ نبوت کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہے۔

اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو آپ نے فیروز دیلمی کو اس کی سرکوبی کیلئے مامور فرمایا۔ اسود کی بیوی مسلمان تھی اور فیروز کی چچازاد بہن تھی۔ فیروز نے اس کی رضامندی سے مکان کی پُشت سے نقب لگا کر اسود کو قتل کر دیا۔ تو اس نے زور سے چیخ ماری۔ باہر کے پہرہ داروں نے پوچھا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ اس کی بیوی نے کہا کہ تمہارے پیغمبر پر وحی آئی ہے یہ اس کی آواز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز مدینہ میں اسود کے قتل کی خبر دی[3]

---

[1] رسول اللہ مؤلفہ احمد سعید دہلوی ص۱۱۶-۱۱۷۔ [2] تاریخ حبیب الہٰ ص۱۰۶۔

حجۃ الوداع

جب توحید کی روشنی پھیل گئی اور کفر و شرک کی تاریکی دُور ہو گئی - فرائض نبوت ادا ہو چکے - اسلام کی تعلیم مکمّل ہو گئی اور اللہ کا گھر بتوں کی نجاست اور جاہلیت کی رسوم سے پاک ہو گیا تو وقت آ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ حج کو عملی طور پر انجام دیں تاکہ اُمّت کو معلوم ہو جائے کہ حج کس طریقے اور شان سے ہونا چاہیئے۔

ذیقعدہ سنہ ۱۰ ہجری میں آپ نے حج کا ارادہ فرمایا اور اعلان کر دیا۔ یہ خبر بجلی کی طرح ملک بھر میں پھیل گئی۔ شمعِ نبوت کے پروانے کم و بیش ایک لاکھ سے زائد جمع ہو گئے۔ ۲۵ ذیقعدہ کو آپ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ — اور چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ پہنچ کر رات گذاری اور دوسرے دن احرام باندھ کر روانہ ہوئے۔ ازواجِ مطہرات اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ ۴ ذوالحجہ کو آپ مکّہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ عمرہ سے فارغ ہو کر آپ نے ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے، احرام کھولنے کا حکم دیا۔ اسی اثناء میں حضرت علیؓ بھی جو یمن گئے ہوئے تھے آ کر شامل ہو گئے۔ جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منٰی میں قیام فرمایا۔ نویں تاریخ کو عرفات تشریف لے گئے اور وہاں ایک مفصّل اور بلیغ خطبہ دیا جو نصائح اور حِکَم سے بھرا ہوا خدا کے رسول کا آخری پیغام تھا۔

خطبہ "اے لوگو جو میں کہتا ہوں سُنو۔ شاید آئندہ سال تم سے نہ مل سکوں مسلمانوں کی جان و مال اور عزّت و آبرو تم پر قیامت تک اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہیں۔ لوگوں کی امانتیں واپس کی جائیں، قرض ادا کر دیئے جائیں"۔

"آج تمام سود مٹائے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے میں عبّاس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا اور چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام خونوں کے قصاص ختم کئے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون معاف کرتا ہوں"۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

"لوگو! تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ اے لوگو مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال بغیر اس کی خوشی کے حلال نہیں۔ دیکھنا کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ تم سب کو ایک خدا کے سامنے حاضر ہونا اور حساب دینا ہے۔ میں تمہارے لئے اللہ کی کتاب اور اپنی سنّت چھوڑے جاتا ہوں اگر تم اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔"

پھر ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو تمہارا پروردگار ایک ہے۔ تم سب آدم علیہ السّلام کی اولاد ہو۔ آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ تم میں سب سے عزّت والا وہ ہے جو متّقی ہو۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت نہیں۔"

پھر ارشاد فرمایا۔

قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا۔ بتاؤ کیا جواب دوگے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے ہم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کردیا۔ آپ نے تین بار انگشتِ شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ اے اللہ! تو گواہ رہیو۔ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ حاضرین کو چاہیئے کہ میرا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔

تکمیلِ دین کی بشارت آپ خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت بلالؓ نے ظہر کی اذان دی ظہر اور عصر دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں ادا کی گئیں۔ بعد ازاں آپ خداوندِ ذوالجلال کی حمد و ثنا اور دعا میں مشغول ہوگئے کہ جبرائیل علیہ السّلام بارگاہِ الٰہی سے پیغامِ بشارت لے کر حاضر ہوئے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ — آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل

وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ — کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور

رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط — تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

اس آیت کو سن کر بہت سے اصحاب خوش ہوئے کہ دین کی تکمیل ہو گئی۔ مگر بعض اصحاب مثل ابو بکر صدیقؓ کے جو زیادہ نکتہ رس طبیعت کے تھے۔ آبدیدہ ہوئے کہ یہ آیت پیغامِ فراق ہے کیونکہ جب دین کی تکمیل ہو گئی تو فریضۂ نبوت ادا ہو گیا۔ نبی کے رہنے کی ضرورت نہ رہی۔

۱۰ ذوالحجہ کو منیٰ میں پہنچ کر آپ نے تریسٹھ ۶۳ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمائے۔ اور باقی سینتیس ۳۷ اونٹ حضرت علیؓ کے سپرد کئے کہ وہ ذبح کریں۔

ارکانِ حج سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہی۔ لوگ اپنے اپنے مقامات کو واپس چلے، اور مہاجرین و انصار، آپ کی معیت میں مدینہ کو روانہ ہوئے۔

جیشِ اسامہؓ
(آخری لشکر)

۲۶ صفر ۱۱ھ ہجری کو شہیدانِ موتہ کا انتقام لینے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام اُبنیٰ کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں جنگِ موتہ ہوئی۔ یہ آخری لشکر تھا جس کی روانگی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انتظام فرمایا۔ اس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ جیسے اکابر صحابہ شامل تھے۔ اور اس لشکر کی قیادت اُسامہ بن زیدؓ کے سپرد ہوئی۔ چہار شنبہ سے آپ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ پنجشنبہ کے روز باوجود علالت کے آپ نے اپنے دستِ مبارک سے نشان بنا کر اسامہؓ کو دیا، اور فرمایا۔ اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور کفر کرنے والوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کرو۔ اسامہ باہر آئے کہ اور فوج لے کر مدینہ سے ایک میل باہر مقامِ جُرف پر قیام کیا۔ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ تو

تیمار داری کی غرض سے مدینہ واپس آگئے اور حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی اسامہؓ سے اجازت لے کر آپ کو دیکھنے آئے۔ جمعرات کے روز جب مرض میں شدت ہوئی اور آپ عشا کی نماز کے لئے مسجد تشریف نہ لے جاسکے تو ابوبکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، اور اپنی جگہ امام مقرر کیا اور شنبہ کے دن اُسامہؓ نے روانگی کا قصد کیا اور تیاری میں مشغول ہوئے کہ یہ قیامت خیز خبر کانوں میں پہنچی کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن)۔

تمام مدینہ میں تہلکہ مچ گیا۔ لشکر بھی گرتے پڑتے مدینہ واپس آئے۔ جب صدیقِ اکبرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے جیشِ اُسامہ کو روانہ کیا۔ چالیس روز کے بعد لشکر مظفر و منصور واپس آیا۔ اس معرکہ میں جو بھی مقابلہ پر آیا، تہ تیغ ہوا۔ اور حضرت زیدؓ کا قاتل بھی واصلِ جہنم ہوا صدیقِ اکبرؓ نے مدینے سے باہر جاکر ان کا استقبال کیا۔ جب مدینے میں داخل ہوئے تو مسجدِ نبوی میں دوگانہ شکر ادا کیا۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۱۹۰)

ف: (۱) صحابہؓ نے مُلک کے اندرونی فتنوں اور حالات کی نزاکت سے متاثر ہوکر رسالے کے لشکر کی روانگی کو ملتوی کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا کہ سنو۔ دین کامل ہوچکا۔ وحی بند ہوگئی۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ میری زندگی میں دین ناقص ہوجائے اور جس لشکر کی روانگی کا آپ حکم دے چکے ہیں، مَیں اسے روک لوں۔

(۲) جیشِ اُسامہ کی روانگی حضرت صدیقِ اکبر کا وہ کارنامہ ہے کہ اُمت کبھی بارِ احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ آپ نے قیامت تک آنے والی اُمت کیلئے مثال قائم کردی کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو بدلنے اور اسمیں مداخلت کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سنتِ رسولؐ میں مداخلت اور تحریف کرنے کا دروازہ بند کردیا۔

لہ غزوۂ موتہ کے دن ان کے والد کو سردار بنایا گیا۔ فتح مکہ کے دن یہی اسامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر آپ کی اونٹنی پر سوار تھے۔ آج یہی اسامہؓ جلیل القدر صحابہ پر افسر بنا کر بھیجے جارہے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ مخصوص عنایت کی علامت یہ ہے کہ محبوب رسول اللہ کا لقب ہے۔ اس وقت اسامہؓ کی عمر کل سترہ برس تھی۔

پیغمبر کے فیصلہ پر عمل نہ کرنا، دین کو ناقص کرنا اور مٹانا ہے۔ پہلی امتیں دین میں مداخلت کر کے اس کو مٹاتی رہیں۔

○ آپ نے وصیت فرمائی کہ اے لوگو! اسامہؓ کے لشکر کو جانے دو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض لوگ اسامہ کی امارت پر معترض ہیں۔ انہی لوگوں نے پہلے اس کے باپ کی امارت اور سرداری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ خدا کی قسم یہ بھی امارت کے لائق ہے اور اس کا باپ بھی سرداری اور امارت کا اہل تھا اور وہ میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں تھا۔

○ حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زید بن حارثہؓ جنگِ موتہ میں شہید ہو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شہادت کا بے حد رنج تھا۔ اسی لئے آپ نے اسامہؓ کو سردار بنایا تاکہ وہ اپنے والد کا کما حقہٗ انتقام لے سکے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کو کامل اطاعت اور فرمانبرداری کا سبق سکھانا اور یہ احساس دلانا منظور تھا کہ ان پر خواہ کسی ادنیٰ آدمی کو بھی حاکم مقرر کیا جائے، انہیں ہر حال میں اس کی اطاعت کرنا لازمی ہے۔

ف : جب آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ابوبکرؓ رقیق القلب ہیں۔ شاید وہ آپ کی جگہ کھڑے نہ ہو سکیں آپ حضرت عمرؓ کو حکم دیں کہ نماز پڑھائیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے اصرار کے باوجود ان کی بات کی طرف التفات نہ فرمایا اور دوبارہ تاکیدی حکم دیا کہ ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ ایک دن انہیں مسجد آنے میں دیر ہو گئی۔ حضرت بلالؓ نے حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کہا۔ حضرت عمرؓ بلند آواز تھے۔ جب انہوں نے تکبیر کہی اور ان کی آواز آپ کے کانوں تک پہنچی، تو آپ نے فرمایا۔ ابوبکر کہاں ہیں۔ اللہ اور مسلمان اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ ابوبکر کی بجائے کوئی اور شخص نماز پڑھائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت ابوبکرؓ کی جانشینی اور

ولیعہدی کی طرف لطیف اشارہ ہے کیونکہ امامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا اوّلین مظہر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ آخرت

جب دنیا کو اللہ کا پیغام پہنچ گیا۔ دین کی تکمیل ہو گئی۔ آپ کے دنیا میں تشریف لانے کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا، تو بارگاہِ الٰہی سے بُلاوا آگیا کہ اب ہمارے پاس آنے کی تیاری کیجئے بیت اللہ کی زیارت کر چکے۔ اب ربِ بیت کی زیارت کیلئے تیار ہو جیئے۔ حج سے واپس آکر اُحد تشریف لے گئے اور آٹھ سال کے بعد شہدائے اُحد پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کیلئے دعائے خیر کی۔ اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ:

"میں تم سے پہلے حوضِ کوثر پر جا رہا ہوں۔ میرا تم سے حوضِ کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔ مجھ کو روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرو گے۔ البتہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تم دنیا پر فریفتہ ہو کر اس میں مبتلا ہو جاؤ گے آپس میں لڑو گے اور ہلاک ہو جاؤ گے"۔

ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ آدھی رات جنّت البقیع تشریف لے گئے۔ اہلِ بقیع کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ واپس تشریف لائے تو دفعتہً مزاج ناساز ہو گیا۔ دردِ سر اور بخار کی شکایت ہو گئی۔ اس بیماری کی حالت میں بھی آپ باری باری ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لیجاتے رہے۔ جب مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لیکر حضرت عائشہؓ کے ہاں تشریف لے آئے۔

واقعہ قرطاس وفات سے چار روز پیشتر بروز پنجشنبہ جب آپ کے مرض میں شدّت ہوئی تو حاضرین سے فرمایا کہ میرے پاس کاغذ اور قلم دوات لے آؤ، تاکہ تمہارے لئے ایک

لہ آپ کی وفات کا ذکر سیرت المصطفیٰ سے ماخوذ ہے۔ سلہ غزوہ اُحد کے دن شہدا اُحد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی (سیرت النبی ج ۲۔ ص ۱۷۱)۔

وصیت نامہ لکھ دوں جس پر عمل کرنے سے تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ حضرت عمرؓ نے اہلِ مجلس سے کہا کہ آپ بیمار ہیں، درد کی شدت ہے۔ ایسی حالت میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔

بعض نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور بعض نے اختلاف کیا۔ لیکن جب آپ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا کہ میرے پاس سے اُٹھ کھڑے ہو۔ نبی کے سامنے اس قسم کا مناقشہ ٹھیک نہیں۔ اس کے بعد آپ نے کچھ زبانی وصیتیں فرمائیں۔

شبہ شیعہ حضرات فاروقِ اعظمؓ پر یہ طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور حکم عدولی کی۔

جواب (۱) اس حکم کے مخاطب خاص حضرت عمرؓ ہی نہ تھے بلکہ تمام حاضرین تھے۔

(۲) حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور دیگر حاضرینِ اہلِ بیت میں سے کسی نے بھی اس حکم کی تعمیل نہیں کی۔ ان کو اس حکم کی تعمیل میں کیا رکاوٹ تھی۔

(۳) اس واقعہ کے بعد آپ پانچ روز اس عالم میں تشریف فرما رہے مگر پھر ان ایام میں آپؐ نے اس امر کا حکم نہیں فرمایا اور نہ ہی اہلِ بیت یا دیگر اصحاب میں سے کسی نے اس بارہ میں کچھ عرض کیا۔

(۴) اگر اس حکم کی تعمیل فرض یا واجب تھی تو تمام حاضرین فرمانِ نبوی کے مخالف ہوئے نہ کہ اکیلے حضرت عمرؓ۔

(۵) صلح حدیبیہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو لفظ رسول اللہ مٹانے کا حکم دیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اگرچہ آپ کا یہ انکار بظاہر نافرمانی ہو مگر درحقیقت کمالِ محبت اور انتہائی عظمت ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی یہ گذارش کہ یا رسول اللہ! آپ اس بیماری میں تکلیف نہ فرمائیں، نافرمانی اور حکم عدولی نہیں بلکہ عین محبت اور خیر خواہی ہے۔

پھر لوگوں کے چلے جانے کے بعد آپ نے آرام فرمایا اور ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو آپ نے پانی کی سات مشکیں اپنے اوپر ڈلوائیں جس سے کچھ سکون ہوا۔ پھر حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ بعد ازاں آپ نے خطبہ دیا۔ یہ آپ کا آخری خطبہ تھا۔ آپ نے فرمایا:

اے لوگو! اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے[1] کہ دنیا کی نعمتوں کو اختیار کرے خواہ آخرت کی نعمتوں کو قبول کرے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے[2]۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے سوائے ابوبکر کے سب کے احسانات کا بدلہ چکا دیا ۔ اس کے احسان کا بدلہ قیامت کے دن اللہ ہی دیگا۔ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ ابوبکر کے دروازہ کے سوا مسجد کی طرف لوگوں کے جتنے دروازے ہیں، سب بند کر دیئے جائیں[3] ف: دروازہ کی اجازت خلافت کی طرف اشارہ ہے۔

پھر فرمایا "جیشِ اسامہ کو جلدی روانہ کرنا۔ اور فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ دیکھنا تم ہرگز ایسا نہ کرنا۔ کوئی نبی اپنی اُمت میں ہمیشہ نہیں رہا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا سے ملنے والا ہوں اور تم بھی خدا سے ملنے والے ہو۔ میں تمام مسلمانوں کو مہاجرین اوّلین کے ساتھ خیر اور بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اور مہاجرین کو تقویٰ اور عملِ صالحہ پر قائم رہنے کی تاکید کرتا ہوں۔ مسلمانو! انصار کے ساتھ خیر اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا۔ انصار نے اسلام اور ایمان کو ٹھکانہ دیا۔ مال و دولت اور جائدادوں میں تم کو شریک بنایا اور اپنے نفسوں پر ترجیح دی۔ آگاہ ہو جاؤ، میں تم سے پہلے جا رہا ہوں تم بھی مجھ سے آکر ملو گے۔ حوضِ کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔"

ارشاد فرمایا۔ "اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو، یا میری زبان سے کسی شخص کے متعلق کوئی ناروا بات نکل گئی ہو، تو وہ مجھ سے انتقام لے لے۔ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض ہو تو میرا مال حاضر ہے۔"

کسی کو اگر میں نے مارا بھی ہو	بُری بات کہہ کر پکارا بھی ہو
وہ آج آن کر مجھ سے لے انتقام	قیامت کے دن پر نہ رکھے یہ کام
کہ خجلت بروزِ قیامت نہ ہو	خدا پاس مجھ کو ندامت نہ ہو

اس کے بعد آپ منبر سے اُتر آئے اور حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔

---

[1] نبی کو اس کی موت سے پہلے اختیار دیا جاتا ہے۔ [2] رازدارِ نبوت نے سمجھ لیا کہ فراقِ محبوب کی خبر ہے

جبتک آنے جانے کی قوت رہی، آپ نماز پڑھانے کیلئے مسجد میں تشریف لاتے رہے سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ پنجشنبہ کی مغرب[1] کی نماز تھی۔ لیکن جب بیماری اتنی بڑھی کہ مسجد تک تشریف لے جانے کی طاقت نہ رہی تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

اشارات

(۱) اللہ کا رسول بدوں حکم خداوندی کسی کو اپنا نائب اور قائم مقام نہیں بنا سکتا۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو اپنی بجائے امام مقرر کرنا، اس کی جانشینی اور خلافت کی طرف صاف اور کھلا اشارہ ہے۔

شنبہ یا یک شنبہ کے روز کچھ افاقہ ہوا تو آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹے۔ آپ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔

وفات سے ایک دن پہلے سب غلاموں کو آزاد کر دیا۔ گھر میں سات دینار نقد موجود تھے، وہ غربا کو تقسیم کر دیئے۔ اس دن شام کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چراغ کا تیل ایک پڑوسن سے اُدھار لیا۔ سلاحات مسلمانوں کو ہبہ فرمائے۔ زرہِ نبوی ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ (رحمۃ للعالمین ج۔ ا ص ۳۲۱)۔

دوشنبہ کے دن آپکی طبیعت کو سکون تھا۔ آپنے حجرہ مبارک سے پردہ ہٹا کر دیکھا۔ لوگ صبح کی نماز میں مشغول تھے۔ اس نظارہ سے رُخِ انور پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ روئے انور قرآن[2] کا ورق

---

[1] جب عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا۔ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ کے منتظر ہیں۔ آپ نے کئی بار اٹھنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر شدتِ مرض کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے تھے۔ آخر فرمایا کہ ابوبکرؓ کو میری طرف سے کہدو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

[2] در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل ۔۔۔ ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

گویا کلام سے متکلم کی طرف معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح قرآن پاک اللہ کے (بقیہ برصفحہ آئندہ)

معلوم ہوتا تھا۔ آہٹ پاکر لوگوں کو خیال ہوا کہ باہر تشریف لانا چاہتے ہیں۔ صحابہؓ جوشِ مسرت سے ایسے بےخود ہوئے، قریب تھا کہ نمازیں توڑ دیں۔ آپ نے اشارہ سے روکا، اور حجرہ شریف میں داخل ہو کر پردے ڈال دیئے۔ (رسول اللہ ص۱۲۳)

اسی روز آپ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو سیدۃ النساء کی بشارت عطا فرمائی۔ پھر حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا۔ دونوں کو چوما، اور ان کے احترام کی وصیت فرمائی۔ پھر ازواج مطہرات کو بلا کر نصیحتیں فرمائیں۔ بعد ازاں حضرت علیؓ کو نصیحت فرمائی (رحمۃ للعالمین ج۔ا ص۳۲۲)۔

جوں جوں دن چڑھتا جاتا تھا، بار بار غشی طاری ہوتی تھی۔ وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن مسواک ہاتھ میں لئے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک پر نظر ڈالی۔ حضرت عائشہؓ نے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی اور خدمتِ اقدس میں پیش کی۔ آپ نے اسے استعمال فرمایا۔

اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا۔ آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ درد سے بیتاب ہو کر بار بار اس میں ہاتھ ڈالتے اور چہرہ پر ملتے تھے۔ دوپہر ڈھل گئی۔ سینہ میں سانس کی رفتار تیز ہونے لگی۔ پھر چھت کی طرف دیکھا، اور ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ ”اے اللہ میں رفیقِ اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں“۔ اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن)۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَاتِہٖ صَلٰوۃً کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

یہ جاں گداز واقعہ جس نے دنیا کو نبوت و رسالت کے فیوض و برکات اور وحی ربانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جمال و جلال کا مظہر ہے اسی طرح حضورؐ کا روئے انور آئینہ جمالِ الٰہی معلوم ہوتا تھا اس لئے روئے انور ورقِ قرآن سے تشبیہ دی گئی جو عین حقیقت ہے۔

کے انوار و تجلّیات سے محروم کر دیا، بروز شنبہ بارہ [۱۲] ربیع الاوّل کو پیش آیا۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ [۶۳] سال تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوتے ہی مدینہ میں ہلچل مچ گیا۔ تمام صحابہؓ رنج و غم اور صدمہ جانکاہ سے اس درجہ متحیّر تھے کہ ان کے ہوش و حواس تک بجا نہ رہے [۱]۔ حضرت عثمان غنی سکتہ کے عالم میں تھے، شدّتِ غم سے بات نہ کر سکتے تھے۔ حضرت علیؓ کا یہ حال تھا کہ زار و قطار روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور امّہات المومنین پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو فرطِ غم سے یقین ہی نہ آتا تھا کہ اللہ کے رسولؐ نے انتقال فرمایا۔ ان کی پریشانی اور حیرانی کی یہ کیفیت تھی کہ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اس کا سر اُڑا دوں گا۔

حضرت ابوبکرؓ وصال کے وقت موجود نہ تھے۔ صبح کے وقت جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ اور سکون تھا، تو اجازت لے کر گھر والوں [۳] کے پاس چلے گئے تھے۔ مگر جب یہ ہوش رُبا خبر پہنچی تو فوراً چلے آئے۔ حجرۂ مبارک میں داخل ہوئے اور چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا۔ اور چشمِ پُرنم کے ساتھ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جبینِ مبارک کو بوسہ دیا۔ روئے اور فرمایا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ حیات اور وفات دونوں حالتوں میں پاکیزہ ہیں اگر آپ کی موت اختیاری نہ ہوتی تو ہم آپ کی موت کے لئے جانیں قربان کر دیتے۔ واللہ!

---

[۱] تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ کی وفات دوشنبہ کے دن ربیع الاوّل کے مہینے میں ہوئی۔ البتہ تاریخ میں اختلاف ہے۔ مگر مشہور یہ ہے کہ بارہ تاریخ تھی۔ [۲] روایت ہے کہ عبداللہ بن زید جو صاحبِ اذان کہے جاتے ہیں اپنے باغ میں کچھ کام کر رہے تھے۔ دفعتاً ان کے فرزند پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبرِ وفات سُنائی۔ اسی وقت انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ اور کہا۔ اے اللہ! مجھے نابینا کر دے کہ ان آنکھوں سے اب کسی اور کو نہ دیکھ سکوں۔ اس قسم کے بیشمار واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو آپ سے اپنی جان بلکہ سارے جہان سے زیادہ محبّت تھی۔ [۳] یہ دن (بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتیں نہیں دے گا۔ جو موت آپ کے لئے مقدر تھی وہ آچکی۔ یہ کہہ کر حجرہ شریف سے باہر آئے اور منبرِ نبوی پر کھڑے ہو کر حمد و ثنا کے بعد صحابہؓ کو یوں خطاب فرمایا۔

لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ سُن لے کہ آپ وفات پا گئے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ وہ حیّ و قیّوم آج بھی زندہ ہے۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ	اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک رسول
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ	ہیں۔ بلا شبہ ان سے پہلے اور بھی رسول گذر
مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی	چکے ہیں۔ پھر اگر وہ وفات پا جائیں، یا
اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰی	شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں
عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط	کے بل لوٹ جاؤ گے۔ اور جو شخص اپنی
وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○	ایڑیوں کے بل اُلٹا پھر جائے گا۔ تو وہ ہرگز

خدا کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ اور ان لوگوں کو جو شکر گذار رہیں گے، عنقریب اللہ تعالیٰ صلہ عطا فرمائیں گے۔

یہ سُن کر صحابہؓ کو ہوش آیا، اور غفلت کا پردہ اُٹھ گیا اور تمام صحابہ کو یقین ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

خلیفہ کا انتخاب ادھر صدیقِ اکبرؓ خطبہ سے فارغ ہوئے اور ادھر انصار نے سقیفہ بنی[1] ساعدہ میں جمع ہو کر سعد بن عبادہ کو امیر بنانا چاہا لیکن جو مہاجرین اس وقت وہاں موجود تھے انہوں نے مخالفت کی۔ اس پر فریقین میں بحث و تکرار ہونے لگی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرت صدیق اکبرؓ کی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کی نوبت کا تھا جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر رہتی تھیں۔ (حاشیہ صفحہ ہذا) [1] سقیفہ بنی ساعدہ ایک سائبان تھا جو سعد بن عبادہ کے مکان کے ساتھ ایک چبوترہ پر قائم تھا۔

اطلاع ہوئی تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ اس وقت اُمّت میں کہیں اختلاف کا کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے، جس سے اسلام کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ آپ اس وحشت انگیز خبر کو سُن کر حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ کو ہمراہ لے کر اس فتنہ کی روک تھام کے لئے وہاں پہنچے اور انصار کو سمجھایا کہ بیشک آپ حضرات کی قربانیوں کا انکار نہیں مگر عرب قریش کے سوا اور کسی کی حکومت تسلیم نہیں کریں گے۔ اس پر انصار میں سے ایک آدمی نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔ اس ناقابلِ عمل تجویز پر پھر اختلاف ہوا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ اے انصار! تم ہی تھے جنہوں نے اس دین کی نصرت و حمایت کیلئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اب تم ہی سب سے پہلے اس کی تباہی کے درپے ہو رہے ہو۔ اس پر ایک انصاری بشیر بن اسد نے کہا کہ واللہ ہم نے جو کچھ کیا ہے محض اپنے رب کی رضا اور نبی کی اطاعت کی خاطر کیا ہے۔ ہمیں اپنی دینی خدمات کے بدلہ میں امرِ خلافت کی طلب زیبا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سے تھے۔ اس لئے آپ کی قوم ہی اس منصب کی زیادہ حقدار ہے۔ اے انصار تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور مہاجرین کی مخالفت نہ کرو۔

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ اے انصار اللہ سے ڈرو۔ اسلام میں تفرقہ کی صورت پیدا نہ کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی ارشاد ہے کہ قریش ہی امرِ خلافت کے والی اور متوّلی ہوں گے۔ ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر۔ پھر فرمایا کہ یہ عمرؓ اور ابو عبیدہؓ آپ میں موجود ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ مگر ان دونوں حضرات نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو لوگوں کی امامت پر مامور فرمایا ہے۔ جب آپ دین کے افضل اور اعلیٰ رُکن ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور قائم مقام ہیں تو آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا خلافت اور امارت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ آپ اپنا دست مبارک بڑھایئے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

جب ان حضرات نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ارادہ کیا تو بشیر بن اسد بن

نعمان انصاری نے سبقت[1] کر کے سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بیعت ہوئے۔ بعد ازاں چاروں طرف سے لوگ بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ غرض اس طرح حضرت ابو بکر صدیق باجماع مہاجرین و انصار خلیفۂ اوّل منتخب[2] ہوئے۔

غسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل آپ کے قریبی عزیزوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں لڑکوں افضل اور قثم اور حضرت اسامہ بن زید نے دیا۔ غسل کے بعد آپ کو کفن پہنایا گیا اور وہ پیراہن جس میں آپ کو غسل دیا گیا آتار لیا گیا (سیرت المصطفیٰ)۔

نماز جنازہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریفہ میں جس جگہ آپ کا انتقال ہوا تھا، قبر شریف تیار کی گئی اور منگل کے روز جنازہ قبر کے پاس رکھ دیا گیا۔ ایک ایک گروہ حجرہ شریفہ میں آتا تھا اور بغیر امام کے تنہا نماز پڑھ کر واپس آجاتا تھا۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے ان کے بعد لڑکوں نے اور پھر غلاموں نے نماز پڑھی۔ (ابن خلدون)۔

تدفین دوشنبہ کو دوپہر کے وقت آپ کا وصال ہوا۔ یہ وہی دن اور وقت تھا جب آپ ہجرت کر کے مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔ چہارشنبہ کی شب میں آپ دفن ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دفن سے فارغ ہو کر کفِ افسوس ملتے اور خون کے آنسو بہاتے ہوئے گھروں کو واپس ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (سیرت المصطفیٰ)۔

فائدہ: انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنی وفات کا علم بذریعہ وحی ہو جاتا ہے اور صالحین کو بذریعہ الہام اور رویائے صادقہ اپنی وفات کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ عام مومنین کو کبھی بذریعہ خواب کبھی بذریعہ بیماری اور کبھی بذریعہ عمر تنبیہ ہو جاتا ہے۔ ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ جانا اور بڑھاپے کا آجانا موت کا پیام اور اس کی آمد آمد کی خبر ہے۔

متروکاتِ نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی درویشانہ اور فقیرانہ تھی بعض مرتبہ دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلی، صرف پانی اور کھجور پر گذر تھا۔ کچے حجروں میں زندگی بسر

---

[1] حیاۃ الصحابہ حصہ دوم ص۴۳۶۔ [2] سیرت المصطفیٰ۔

فرماتے تھے۔ کمبل پوش تھے۔ بوریے اور ٹاٹ پر بیٹھتے تھے۔ آپ اپنے پاس کیا رکھتے تھے، جو وارثوں کے لئے چھوڑ جاتے۔[1]

حضرت عمرو بن حارث رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا نہ دینار نہ چاندی نہ غلام۔ مگر ایک سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جس کو اپنی زندگی میں مسلمانوں کے لئے وقف کر گئے۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۶۴ بحوالہ بخاری شریف)۔

ازواجِ مطہرات

پیغمبر مومنین کے حق میں بمنزلہ روحانی باپ کے ہے۔ ازواجِ مطہرات مومنین کی محترم مائیں قرار دی گئی ہیں۔ آپ کی ازواجِ مطہرات گیارہ تھیں۔ جن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا نے آپکی حیات میں انتقال فرمایا اور نو بیبیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت زندہ موجود تھیں۔

ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے (زمانۂ نبوت میں) اپنا اور اپنی کسی بیٹی کا نکاح اس وقت تک نہیں کیا جبتک جبرائیل امین اللہ عزوجل کے پاس سے وحی نہ کر میرے پاس نہیں آئے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا۔ کہ زمانۂ نبوت کی ازواجِ مطہرات کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ آپ کی خواہش کو اسمیں کوئی دخل نہیں تھا۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ آپ کی پہلی بیوی ہیں سب سے پہلے اسلام لائیں پچیس سال تک آپ کی زوجیت میں رہیں پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ان کے حالات پہلے بیان کئے جاچکے ہیں۔

---

[1] اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق اعلان فرما چکے تھے لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ یعنی ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا مال ہے۔ [2] زرقانی ج ۳ ص ۲۱۹ و سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۳۰۶

اُمّ المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا پہلے خود مسلمان ہوئیں، پھر شوہر کو مسلمان کیا۔ پھر ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئیں۔ وہاں شوہر کی وفات ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر کے مصیبت زدہ بیوہ کی ہمدردی فرمائی۔ (تاریخ اسلام حصہ سوم)

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضرت سودہؓ آپ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت سودہؓ سخاوت اور فیاضی میں حضرت عائشہؓ کے سوا سب سے ممتاز تھیں۔ اطاعت اور فرمانبرداری بھی ان کا خاص وصف تھا۔ جسمیں وہ تمام ازواج مطہرات میں ممتاز تھیں (سیرت النبی ج ۲)۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ کے بعد ان سے نکاح فرمایا۔ ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا۔ اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی۔ ہجرت کے آٹھ ماہ بعد شوال کے مہینہ میں رخصتی ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نو سال کچھ ماہ تھی۔ نو سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عائشہؓ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اڑتالیس سال آپ کے بعد زندہ رہیں۔ ۵۸ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

کمالِ علمی حضرت عائشہؓ نے باپ کی فہم و فراست اور مقامِ صدیقیت سے خاص حصہ پایا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نو سالہ فیضِ صحبت سے ایسا وسیع اور عمیق علم حاصل ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اکابر صحابہؓ کو جب کوئی اشکال پیش آتا، تو حضرت عائشہؓ کی طرف رجوع کرتے۔ عہدِ صحابہؓ میں حضرت عائشہؓ کا علم اور تفقہ اور تاریخ دانی مسلّم تھی۔ یہاں تک کہ احکامِ شرعیہ کا چوتھائی حصہ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔ (فتح الباری و سیرت المصطفیٰ)۔

زُہد تمام کمالات کا سرچشمہ دو چیزیں ہیں۔ ایک علم دوسرا زُہد یعنی دنیا سے بے تعلقی۔ جس طرح دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اسی طرح زہد تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور منبع ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے پاس حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے دو بوریاں (ایک لاکھ اسّی ہزار) درہم کی بھیجیں۔ آپ اسی وقت تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئیں۔ جب شام ہوئی تو ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔ روزے سے تھیں۔ شام کے وقت خادمہ سے افطاری منگوائی۔ خادمہ نے روٹی اور زیتون کا تیل لاکر رکھ دیا۔ کسی نے کہا کہ اگر آپ ایک درم کا گوشت منگا لیتیں تو اچھا ہوتا۔ فرمایا۔ اگر یاد دلا دیتی تو منگا لیتی۔ عروہؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ستّر ستّر ہزار درم تقسیم کر دیتی تھیں اور کُرتی میں پیوند لگا ہوا تھا (سیرت المصطفیٰ ج۔۳ ص ۲۱۹)۔

اسی فضل و کمال کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے بہت محبّت تھی۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہؓ ازواجِ مطہّرات میں سب سے محبوب تر تھیں۔ لیکن محبّت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ حُسنِ صورت میں حضرت صفیہؓ ان سے بڑھ کر تھیں، اور کم سن بھی تھیں۔ حضرت امِ سلمہ بھی حسن و جمال میں حضرت عائشہؓ سے ممتاز تھیں بعض اور ظاہری محاسن میں بھی دیگر ازواج ان سے کم نہ تھیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ کی قابلیت ذہانت، قوّتِ اجتہاد، وسعتِ معلومات ایسے اوصاف تھے جو اُن کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔ (سیرت النّبی و سیرت المصطفیٰ)۔

اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ ۳ھ ہجری میں آپ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کیا۔ ایک مرتبہ[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی۔ تو جبریل علیہ السّلام حکم لے کر نازل ہوئے کہ حفصہ سے رجوع کر لیجئے، وہ بڑی روزہ رکھنے والی اور عبادت گذار ہے۔ اور جنّت میں آپ کی بیوی ہے۔ آپ نے رجوع فرما لیا۔ شعبان ۴۵ھ ہجری ساٹھ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا آپ بہت سخی اور فیّاض تھیں: اس لئے اُمّ المساکین کہہ کر پکاری جاتی تھیں۔ جنگِ اُحد کے بعد آپ کے نکاح میں آئیں نکاح کے دو تین ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو راز کی ایک بات بتائی اور اس کے اخفاء کی تاکید کی۔ مگر انہوں نے چپکے سے حضرت عائشہؓ سے اس کا ذکر کر دیا۔ اس افشائے راز پر آپ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا (معارف القرآن)

وفات کے وقت ان کی عمر تیس سال تھی۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے ابوسلمہ کے نکاح میں آئیں۔ انکی ہجرت کا واقعہ بڑا دردناک ہے۔ کفّار کی مخالفت کی وجہ سے شوہر اور بچّے سے جُدا ہو گئی تھیں۔ سال بھر جُدائی اور تنہائی کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد مدینہ پہنچیں۔ ابھی ہجرت کے مصائب تازہ تھے، کہ اس غربت کے عالم میں ابوسلمہ کا انتقال ہو گیا اور یہ بے سہارا ہو گئیں۔ اسلام کی خاطر بہت مصیبتیں اُٹھا چکی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح میں لے کر ان کے جاں گداز صدمہ کی تلافی فرمائی۔ اور ان کی زندگی ابدی مسرت میں بدل دی۔ ازواج مطہرات میں سب کے بعد انکی وفات ہوئی۔

فضل وکمال ازواج مطہّرات میں حضرت عائشہؓ کے بعد فضل وکمال میں انہی کا درجہ ہے۔ روایتِ حدیث اور نقلِ احکام میں حضرت عائشہؓ کے سوا تمام بیبیوں پر ان کو فضیلت حاصل ہے۔ صلح حدیبیہ میں جب صحابہؓ کو مکّہ سے باہر حق اور قربانی میں تامل تھا، تو حضرت اُمِّ سلمہؓ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی۔ جو ان کی دانشمندی اور عقل و ذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے۔ (سیرت النّبی ج-۲)۔

ازواج مطہّرات میں حضرت اُمِّ سلمہؓ فضل وکمال، حسن وجمال اور فہم و فراست میں مسلّم تھیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا حضرت زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ جمال میں بھی ممتاز تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے نہایت محبّت تھی۔ ازواج مطہرات میں جو بیبیاں حضرت عائشہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں ان میں حضرت زینبؓ بھی تھیں۔ پہلے زید بن حارثہ کے نکاح میں آئیں۔ انہوں نے طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح حضرت زینبؓ سے کر دیا اور بذریعہ وحی اطلاع دی۔

عبادت میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں۔ زہد و ورع سے موصوف تھیں۔ نہایت قانع اور فیّاض طبع تھیں۔ خود اپنے ہاتھ سے کماتیں اور اس کو راہِ خدا میں لٹا دیتی تھیں۔ ترپن ۵۳ برس کی عمر میں ۲۰ھ ہجری کے اندر انتقال فرمایا۔

اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضرت جویریہؓ حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں جو قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا۔ اُن کا پہلا نکاح مسافع بن صفوان سے ہوا تھا جو غزوہ مریسیع میں قتل ہوا۔ اور اس غزوہ میں جہاں اور بہت سے بچے اور عورتیں گرفتار ہوئیں، انہی میں حضرت جویریہ بھی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ اتفاق سے ان کے باپ حارث آئے۔ انہوں نے کہا کہ میری بیٹی کنیز نہیں رہ سکتی، آزاد کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں اس کو جویریہ کی مرضی پر چھوڑتا ہوں۔ جویریہ نے فرمایا کہ میں اللہ اور رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ ۵۰ھ ہجری کے اندر پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ عبادت کا خاص ذوق تھا۔ گھر میں ایک جگہ عبادت کیلئے مخصوص تھی۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت اُمِّ حبیبہؓ قریش کے مشہور سردار ابوسفیان کی بیٹی تھی۔ اپنے پہلے خاوند عبیداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ لیکن کچھ دنوں بعد عبیداللہ مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا لیکن اُمِّ حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں اور انکی ایمانی استقامت میں فرق نہ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ بے سہارا خاتون کو سہارا ملنا چاہیئے۔ نجاشی کے پاس قاصد بھیجا کہ اُمِّ حبیبہؓ کو میری طرف سے نکاح کا پیغام دو اُمِّ حبیبہؓ نے یہ بشارت سُن کر پیغام دینے والی بادشاہ کی باندی کو ہاتھوں کے کنگن، پاؤں کے پازیب اور انگلیوں کے چھلّے اُتار کر دے دیئے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو جمع کر کے نکاح پڑھایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا اور شرجیل بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کو روانہ کیا۔ ۴۴ھ میں وفات پائی۔ (سیرت النبی)۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت صفیہ حی بن اخطب سردار بنو نضیر کی بیٹی تھیں۔ جنگِ خیبر میں گرفتار ہو کر آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے اپنی شرفِ زوجیت میں قبول فرمایا۔ آپ کو حضرت صفیہؓ کے ساتھ نہایت محبت تھی۔ اس کی دلجوئی فرماتے رہتے تھے۔ حضرت صفیہؓ نے ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت صفیہؓ بڑی عقلمند، بردبار اور صاحبِ فضل و کمال تھیں۔ ایک مرتبہ انکی ایک باندی نے حضرت عمرؓ سے جا کر کہہ دیا کہ حضرت صفیہؓ ہفتہ کے دن کو بہت محبوب رکھتی ہیں، اور یہود کے ساتھ بہت سلوک کرتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت صفیہؓ سے دریافت کر بھیجی۔ حضرت صفیہؓ نے کہا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہفتہ کے بدلے جمعہ عطا فرمایا ہے، اس روز سے میں نے ہفتہ کو کبھی پسند نہیں کیا۔ البتہ یہود سے میری قرابتیں ہیں، ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں۔ اس کے بعد باندی سے دریافت کیا کہ تجھے اس بات پر کس نے آمادہ کیا۔ باندی نے سچ سچ کہہ دیا کہ مجھے شیطان نے آمادہ کیا۔ حضرت صفیہؓ نے اسی وقت باندی کو آزاد کر دیا (سیرت المصطفیٰ ج-۲ ص ۲۵۷)

اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عبّاس کی خالہ تھیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ ۷ھ ہجری میں عمرہ کی قضا کے لئے مکہ معظمہ تشریف لائے تو اس وقت آپ کی زوجیت میں آئیں۔ یہ آپ کی آخری بیوی تھیں۔ جس کے بعد آپ نے کسی اور سے نکاح نہیں کیا۔

یہ گیارہ ازواجِ مطہرات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں اور آپ کے نکاح میں آنے سے پہلے سوائے حضرت عائشہؓ کے سب کی سب بیوہ تھیں۔

نوٹ: حضرت ماریہ قبطیہ آپ کی کنیز تھیں جن کو مقوقس شاہِ سکندریہ نے بطورِ ہدیہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ انہی کے بطن سے تھے۔

تبصرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال تک عنفوانِ شباب اور جوشِ جوانی کا زمانہ کمال تقویٰ اور نہایت ورع کے ساتھ پورا کیا اور پچیس سے پچاس سال تک کی عمر کا زمانہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ بسر کیا جو عمر میں آپ سے پندرہ سال بڑی اور دو شوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی ماں اور معمر ہو چکی تھی۔ کیا اس پر بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس نکاح کی وجہ پاک دامنی اور تقویٰ و طہارت کی حفاظت کے علاوہ کچھ اور ہو سکتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اسلام کی شوکت اور غلبہ کا اظہار ہو تو ہجرت کے بعد

تبلیغ و اشاعت کا دروازہ کھل گیا۔ نبی کی ذات لوگوں کے لئے آفتابِ ہدایت ہوتی ہے اور اس کی پوری زندگی مجسّم نمونۂ عمل ہوتی ہے جس کا لوگوں کے سامنے آنا ضروری ہوتا ہے تاکہ لوگ اس کے مطابق عمل کر سکیں۔ آپ کی عام زندگی کے حالات تو بتمام و کمال صحابۂ کرامؓ کی جماعت نے دنیا کو پہنچائے جس کی نظیر کسی مذہب و ملت میں نہیں ملتی۔ مگر انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح اندازہ اس کے خانگی حالات سے لگایا جا سکتا ہے اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے خانگی حالات دنیا کے سامنے آئیں۔ بیوی کے سوا شوہر کے رازوں سے کوئی دوسرا شخص کما حقہٗ واقف نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواہش نفس کی بنا پر تو عورتوں کی کوئی حاجت[1] نہ تھی کیونکہ ان کا ہر قول اور عمل خواہش نفس سے پاک ہوتا ہے۔ عرب کے بڑے بڑے عمائد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حسین سے حسین عورتیں سلطنت حکومت اور مال پیش کرنے کی درخواست کی تھی۔ اور چاہتے تھے کہ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہا جائے۔ آپ نے صاف انکار فرما دیا۔ پس آپ کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا (معاذ اللہ) حظِ نفس کیلئے نہیں تھا باذنِ الٰہی[2] تھا۔ تاکہ

(۱) اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں مدد ملے اور انبیائے سابقین کی سنت پر عمل ہو۔

(۲) آپ کی خانگی زندگی کے حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آ جائیں اور ایک کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

(۳) شریعت کے وہ احکام اور مسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہیں، ان کی تبلیغ، ازواج مطہرات کے ذریعہ ہو جائے۔ درحقیقت ازواج مطہرات کے حجرے عورتوں کے لئے دینی درس گاہیں تھیں۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر نکاح فرمائے، ان کی بنیاد بہت سے دینی، ملکی، قومی فوائد اور مقاصد پر قائم تھی جس کا عرب جیسے ملک میں حاصل ہونا بغیر اسکے ناممکن تھا[3]۔ مثلاً

---

[1] مَا لِیَ فِی النِّسَاءِ مِنْ حَاجَۃٍ۔ یعنی مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں (رحمۃ للعلمین ج۲ ص ۱۲۹)

[2] جیسے نبی کا انتخاب خدا کرتا ہے ایسے ہی زوجیتِ نبی کا انتخاب بھی خدا نے کیا۔ [3] رحمۃ للعلمین۔

۱ : اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ کے نکاح سے پیشتر یہود نے ہر لڑائی میں کسی نہ کسی طرح کفار سے تعاون کیا مگر اس نکاح کے بعد یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل نہیں ہوئے۔

۲ : حضرت اُمِ حبیبہؓ کا باپ ابوسفیان کفار کو مسلمانوں پر چڑھا کر لانے والا، حضرت اُمِّ حبیبہؓ کے نکاح کے بعد کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتا نظر نہیں آتا۔

۳ : حضرت جویریہؓ کا باپ رہزن اور ڈاکو تھا۔ قبیلہ بنی مصطلق اس کی ترغیب اور اشارے پر مسلمانوں کے خلاف شریکِ جنگ ہوتے رہے۔ لیکن اس نکاح کے بعد تمام قبیلہ قزاقی چھوڑ کر متمدن زندگی اختیار کر لیتا ہے اور مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل نہیں ہوتا۔

۴ : حضرت میمونہؓ کی ایک بہن سردارِ نجد کے گھر میں تھی۔ اس نکاح نے مُلکِ نجد میں صلح و امن اور اسلام پھیلانے میں بہترین نتائج پیدا کیے۔

۵ : حضرت زینبؓ کے نکاح سے عرب کی اس رسم کو باطل کیا گیا کہ لے پالک کی بیوی سے نکاح حرام ہے اور کسی شریف عورت کو غلام کے نکاح میں دینا رسوائی ہے حضرت زینبؓ حضرت زیدؓ کے نکاح میں تھیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنّیٰ تھے۔ انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی، تو ان رسموں کو مٹانے اور حضرت زینبؓ اور ان کے خاندان کی دل جوئی کے لئے یہ نکاح عمل میں آیا۔ واللہ اعلم

۶ : حضرت اُمِّ سلمہؓ، ابوسلمہؓ کی وفات کے بعد بے سہارا ہو گئیں۔ اسلام کی خاطر انہوں نے بہت سی مصیبتیں جھیلیں۔ یہ اپنی جان نثاری اور غربت کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور پناہ میں آنے کا حق رکھتی تھیں۔

۷ : حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے نکاح بھی خالص اسلامی اغراض پر مبنی تھے۔ حفاظتِ کتاب اللہ، نشرِ احادیث و تعلیم النساء کے سلسلہ میں یہ نکاح بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں منجانب اللہ جو ہزاروں مصلحتیں اور حکمتیں تھیں، انسانی عقل کی اتنی پرواز کہاں کہ حق تعالےٰ شانہٗ کی حکمتوں کو پہنچ سکے اور

ان کا احاطہ کر سکے۔

اولادِ کرام

سوائے حضرت ابراہیمؑ کے جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی باقی تمام اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی۔ سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے، جن کے نام سے آپ کی کنیت ابو القاسم ہوئی۔ چار سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد حضرت زینبؓ پھر حضرت عبداللہ جن کا لقب طیّب و طاہر تھا۔ پھر رقیہؓ پھر اُمِّ کلثومؓ پھر فاطمہ زہراؓ پیدا ہوئیں۔ لڑکے سب چھوٹی عمر میں فوت ہوئے۔ لیکن لڑکیاں سب جوان ہوئیں اور ان کی شادیاں ہوئیں۔ لیکن ان میں سے سوائے حضرت فاطمہ زہراؓ کے اور کسی بیٹی سے نسل نہیں چلی۔ حضرت فاطمہؓ کے چار بچے ہوئے۔ دو بیٹے حسنؓ اور حسینؓ اور دو بیٹیاں زینبؓ اور اُمِّ کلثومؓ۔ (تاریخ اسلام صفحہ ۲۵۱)۔

شمائلِ نبویؐ

انبیاء علیہم السلام اگرچہ بشر کامل ہوتے ہیں مگر عام بشری خصائل سے بہت ممتاز اور بلند تر ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کی ظاہری صفات ہوتی تو وہی ہیں جو عام انسانوں میں ہوتی ہیں، مگر حقیقت اور مراتب کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ ان کی صفات کا منبع براہِ راست حق تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ ہوتی ہیں۔ اس لئے عام انسانوں کے اخلاق کو انبیاء کے اخلاق و صفات سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقِ خداوندی کا عکس اور کامل نمونہ ہیں۔[1]

لے ۱؛ حق تعالیٰ نے اپنی جن صفات کی نمود میں بندوں کو عطا فرمائی ہیں ان میں کوئی مخلوق حق تعالیٰ کی کسی صفت میں برابری شریک نہیں ہو سکتی (ایسا سمجھنا ہی شرک ہے)۔ [illegible] بندے کا کمال ترجمہ اتنا بھی نہیں جتنا سمندر کے سامنے قطرے کا ہے۔ مگر خدا کی ہر صفت ہر کسی کے ساتھ ساتھ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بے مثل ہے اسی طرح اس کا نمونہ بھی اپنی شان میں یکتا اور بے نظیر ہے۔ اس لئے آپ کے اخلاق وعادات اور صفات میں آپ کا بھی کوئی ہمسر نہیں۔ ہر وہ عادت جو آپ کی ذاتِ مبارک میں پائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اور ہر وہ عادت اور اخلاق جس سے آپ کو لگاؤ نہیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور پسندیدگی کی کسوٹی ہیں (ماخوذ از ترجمان السنہ)۔

آپ صورت اور سیرت کے علاوہ جسمانی خواص میں بھی عام انسانوں سے ممتاز تھے۔ آپ والی بعض صفات اگرچہ اور انسانوں میں بھی پائی جاتی ہیں مگر آپ کی جملہ صفات کی شان اعجازی ہے۔ دوسرے لوگوں کی صفات اس کمال اور بلند مقام کو ہرگز نہیں پاسکتیں۔ اس لئے آپ کی صفات کو عام انسانوں کی صفات پر قیاس کرنا شدید غلطی ہے۔

حلیۂ مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ مبارک کو کما حقہ بیان کرنا ناممکن ہے۔ نورِ مجسّم کی تصویر کشی قابو سے باہر ہے۔ تاہم صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی ہمت اور وسعت کے مطابق اس کو ضبط کرکے اُمّت پر احسانِ عظیم کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد قدرے درازی مائل، اور موزوں اندام تھے۔ رنگ سرخی مائل سفید اور پُر ملاحت تھا۔ چہرۂ انور نہایت خوبصورت اور نورانی تھا۔ سر مبارک بڑا سینہ کشادہ اور فراخ تھا۔ شکم مبارک سینہ کے برابر تھا۔ آگے کو بڑھا ہوا نہیں تھا۔ پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے مگر ایک باریک سی رگ درمیان میں فاصل تھی۔ جو غصہ کے وقت ظاہر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بندے کے اس وصف کو بھی علم کہہ دیتے ہیں حالانکہ حقیقی علم خدا میں ہے، بندے میں نہیں۔
۲: یاد رہے کہ خدا کی بعض صفات ایسی بھی ہیں جو اسی کے ساتھ مخصوص ہیں جن کا تصور بھی دوسرے میں نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے اس کا واحد ہونا، خالق ہونا۔ ۳: بعض صفات ایسی بھی ہیں جو صرف خدا ہی کو زیبا ہیں جیسے اس کی کبریائی، بڑائی وغیرہ۔ اس قسم کی صفات کا بندے میں کمال یہ ہے کہ ان کے مقابل کی صفت اس میں پیدا ہوں۔ خدا کی کبریائی کے مقابلہ میں خاکساری اور تواضع ہو اور خدا کی بلندی اور عظمت کے مقابلہ میں پستی اور فروتنی ہو۔ (از سیرت النبی ج-٦)۔

ہو جاتی تھی۔ آنکھیں سیاہ سرمگیں اور پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ آنکھوں کی سفیدی میں سُرخی ملی ہوئی تھیں۔ ریش مبارک گھنی، رُخسار نرم اور پُر گوشت تھے۔ بینی مبارک بلند اور نُورانی سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک لکیر تھی۔ سر کے بال نہ بہت پیچیدہ نہ بہت سیدھے تھے۔ سر میں تیل ڈالتے اور آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے۔ دانت مثل مروارید سفید اور چمکدار تھے۔ آپ خندہ رُو شیریں کلام، فصیح و بلیغ، جامع جمیع کمالات تھے۔ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوّت تھی۔ شانوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیاں پُر گوشت اور چوڑی، کلائیاں لمبی اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے۔ نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔
آپ کے سر مبارک اور ریش مبارک میں گنتی کے تقریباً بیس[1] سال سفید تھے۔ آپ کے پسینہ میں خاص قسم کی خوشبو تھی۔ چہرہ مبارک پر پسینہ کے قطرے موتی کی طرح ڈھلکتے تھے۔ جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیبا اور حریر بھی آپ کی جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھے اور مُشک و عنبر میں بھی آپ کے بدنِ معطّر سے زیادہ خوشبو نہیں پائی۔ گویا حلیہ مبارک میں آپکی ہر چیز حُسنِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی[2]۔

آپ کی بغلیں سفید تھیں۔ ان سے خُوشبو آتی تھی۔ ان میں بال نہ تھے۔ پسِ پُشت بھی آپ کو ویسا ہی نظر آتا تھا جیسا سامنے سے[3]۔

آپ کے جمالِ مبارک کی اعجازی شان آپ کی صفات کے صرف سُننے والے آپکی صفات کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے تھے لیکن مشاہدہ کرنے والے یہ اندازہ لگا لیتے تھے کہ یہ صفات گو عام انسانوں کی ہیں۔ مگر یہاں ان کی نوعیت کچھ اور نظر آتی ہے جو الفاظ میں ادا نہیں کی جا سکتی۔

گر مصوّر صورتے آں دلربا خواہد کشید ... لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ مبارک جن اوصافِ جمیلہ کے ساتھ متصف تھا۔ کوئی دوسرا ان

---

[1] ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال تقریباً بیس تھے (شمائل ترمذی) [2] ماخوذ از شمائلِ ترمذی۔ سیرت نبوی۔ سیرت المصطفیٰ۔ تاریخ اسلام۔ [3] تاریخ حبیب الٰہ ص $\frac{127}{128}$۔

اوصاف میں آپ جیسا نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ نے کمالِ باطنیہ کے ساتھ جمالِ ظاہری بھی بدرجۂ اتم آپ کو عطا فرمایا تھا۔

(۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کی بجائے دلوں کو کاٹ لیتیں۔ بالکل سچ فرمایا۔ صحابہ اور صحابیات کی جاں نثاری اس کی شاہد ہے۔

(۲) آپ جب کسی جماعت میں کھڑے ہوتے تو سب سے زیادہ بلند نظر آتے۔ جس طرح کمالاتِ معنویہ میں کوئی آپ سے بلند مرتبہ نہیں۔ اسی طرح ظاہری صورت میں بھی (بطور معجزہ) کوئی آپ سے بلند قامت نظر نہیں آتا تھا۔

(۳) حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا تھا۔ آپ اس وقت سُرخ جوڑا زیبِ تن کئے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ کو۔ بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ آپ چاند سے کہیں زیادہ حسین و جمیل ہیں۔

(۴) بعض صحابہؓ نے صرف آپ کی شکل و صورت ہی دیکھ کر آپ کی نبوّت کا اعتراف کر لیا۔ حضرت ابو رافعؓ آپ کی خدمت میں قریش کی طرف سے قاصد بن کر آئے۔ لیکن چہرۂ مبارک دیکھتے ہی شیدائے اسلام ہو گئے اور عمر بھر آپ کے شرفِ خدمت کو اپنا فخر سمجھتے رہے۔ (سیر الصحابہ)

(۵) حضرت ابوذرؓ کے قاصد نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے واپس ہو کر آپ کی صفات بیان کیں تو ان کے سُننے سے ابوذرؓ کی تشنگی نہ بجھ سکی۔ لیکن جب انہوں نے خود حاضر ہو کر آپ کے روئے انور کا مشاہدہ کر لیا تو فوراً حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ (ترجمان السنہ)

(۶) حضرت عبداللہ بن سلام یہودی عالم تھے۔ آپ کے چہرۂ اقدس کو دیکھتے ہی انہیں اسلام کی حقانیت کا ایسا یقین ہو گیا کہ بے اختیار پکار اُٹھے۔ خدا کی قسم! یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔

(۷) اگر کوئی شخص دفعۃً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا۔ لیکن جب شرفِ حضوری سے مشرف

ہوتا اور بات چیت کرتا تو آپ کے اخلاقِ عظیم اور اوصافِ حمیدہ کا گرویدہ ہو جاتا۔

رفتار چلتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جُھک کر چلتے جس طرح کوئی بلندی سے پستی کی طرف اُتر رہا ہو اور ایسا تیز چلتے کہ معمولی رفتار والا آپ کے ساتھ چلنے سے قاصر رہتا۔

گفتگو گفتگو نہایت شیریں اور دل آویز تھی۔ بات کرتے وقت مُسکراتے اور نہایت خندہ پیشانی سے ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے۔ ایک ایک فقرہ الگ صاف اور واضح ہوتا کہ سُننے والے کو یاد رہ جاتا۔ معمول تھا کہ ضروری بات کو تین دفعہ فرماتے۔ جس پر زیادہ زور دینا ہوتا، اس کا اعادہ بار بار فرماتے۔ بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے۔ اکثر خاموش رہا کرتے۔

لباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس نہایت سادہ اور معمولی تھا۔ فقیرانہ اور درویشانہ زندگی تھی۔ عام لباس چادر، کرتہ، تہبند، جبہ اور کمبل تھا جس میں پیوند لگا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام کرتے اور فرماتے کہ ہم میں اور مشرکین میں یہی فرق ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ لڑائیوں میں زرہ اور خود بھی پہنتے ہیں۔ سفید لباس آپ کو محبوب تھا۔ مگر رنگین لباس میں سبز رنگ طبیعت کو بہت پسند تھا۔ اور آپ دو تسموں والا چپل نہ جوتا پہنا کرتے تھے۔

خوش لباسی تکلف اور جاہ پسندی سے آپ کو نفرت تھی۔ لیکن کبھی کبھی آپ نہایت قیمتی لباس بھی زیب تن فرمالیتے تھے۔

غذا بعض کھانے آپ کو نہایت مرغوب تھے۔ سرکہ، شہد، حلوا، گوشت، روغن زیتون۔ کدو خصوصیت کے ساتھ پسند تھا۔ ٹھنڈا پانی بھی نہایت مرغوب تھا۔ دودھ کبھی خالص نوش فرماتے، کبھی اس میں پانی ملا لیتے۔

معمولاتِ طعام آپ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتے اور سیدھے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھانا نوش فرماتے۔ دستر خوان پر جو کھانا آتا، اگر پسند نہ ہوتا تو اس میں ہاتھ نہ ڈالتے۔ لیکن اس کو بُرا نہ کہتے۔ جو سالن سامنے ہوتا اسی میں ہاتھ ڈالتے، اِدھر اُدھر ہاتھ نہ بڑھاتے۔ میز یا کسی اُونچی چیز پر رکھ کر کھانا کبھی نہیں کھایا۔ عادت شریفہ تین انگلیوں سے کھانا نوش فرمانے کی تھی۔ کھانا

تناول فرمانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔ پانی بیٹھ کر پیتے اور پانی پینے کے درمیان برتن کو تین بار منہ سے جُدا کر کے سانس لیتے۔

خُوشبو | خُوشبو آپ کو بہت پسند تھی۔ کوئی خوشبو کی چیز ہدیۃً بھیجتا تو آپ رد نہ فرماتے۔ ایک خاص قسم کی خوشبو غالیہ ہمیشہ آپ کے استعمال میں رہتی تھی۔ جس گلی کوچے سے آپ نکل جاتے وہ معطّر ہو جاتا۔

نفاست پسندی | مزاج میں لطافت تھی۔ ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے حاضر ہُوا۔ آپ نے پوچھا۔ تم کو مقدور ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں صاحب مقدور ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب خدا نے نعمت دی ہے تو صورت سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیئے۔

معمولات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوقات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک عبادت الٰہی کے لئے۔ دوسرا عام خلق کے لئے۔ تیسرا اپنی ذات کے لئے۔ نماز فجر کے بعد آپ بیٹھ جاتے۔ حتیٰ کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا۔ اور یہی وقت دربارِ نبوّت کا ہوتا۔ لوگ پاس آ آ کر بیٹھ جاتے۔ آپ ان کو وعظ و نصائح تلقین فرماتے اور فیوضِ رُوحانی کا چشمہ جاری ہوتا۔ جب کچھ دن چڑھ جاتا تو چاشت کی نماز ادا فرماتے۔ پھر گھر جا کر کام کرتے۔ پھٹے کپڑوں کو سیتے۔ ضرورت ہوتی تو جُوتے کو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے۔ بکریوں کا دُودھ دوہ لیتے۔

نماز عصر پڑھ کر ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس جاتے اور ذرا ذرا ٹھہرتے۔ پھر جس کی باری ہوتی وہیں آرام فرماتے۔ تمام ازواج مطہرات وہیں جمع ہو جاتیں عشاء تک صحبت رہتی۔ پھر نماز عشاء کے لئے مسجد تشریف لے جاتے اور واپس آکر سو رہتے۔ ازواجِ مطہرات

لہ بعض نادان انگلیاں چاٹنے کو ناپسند اور قبیح سمجھتے ہیں۔ کوئی شخص اپنے فعل کو بُرا سمجھے تو اور بات ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کو بُرا کہنے سے ہجنت کفر کا اندیشہ ہے۔ فیرنی حلوا وغیرہ کا سارا چمچہ منہ میں ڈال لیا جاتا ہے۔ پھر اس لعاب کے بھرے ہوئے چمچہ کو رکابی میں ڈالا جاتا ہے۔ پھر دوبارہ سہ بارہ اسی طرح کرتے ہیں۔ مگر اس سے تو کراہت اور نفرت کا خیال تک نہیں ہوتا۔

رُخصت ہو جاتیں۔ نمازِ عشاء کے بعد بات چیت کرنا ناپسند فرماتے۔ آدھی رات یا پہر رات رہے جاگ اُٹھتے۔ مسواک ہمیشہ سرہانے رہتی تھی۔ پہلے مسواک کرتے، پھر وضو فرماتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔

ہمیشہ دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر داہنی کروٹ سوتے۔ لیکن جب کبھی سفر میں پچھلے پہر اتر کر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ دایاں ہاتھ اُونچا کر کے اس پر چہرہ ٹیک کر سوتے کہ گہری نیند آ جائے۔ بچھونے کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔ کبھی بستر پر، کبھی کھال پر، کبھی چٹائی پر، کبھی خالی زمین پر آرام فرماتے۔ سُنن و نوافل زیادہ تر گھر ہی میں ادا فرماتے۔ صبح کی اذان کے ساتھ اُٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنّت نہایت اختصار کے ساتھ ادا فرماتے۔

سفر میں معمول یہ تھا کہ پہلے ازواجِ مطہرات پر قرعہ ڈالتے جس کے نام قرعہ نکلتا، وہ ہمسفر ہوتیں۔ جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے اور علی الصبح روانہ ہو جاتے۔ صحابہؓ کی ملاقات کے لئے لباس اور کنگھے وغیرہ سے زینت فرماتے۔ اگر کوئی سفر میں ہوتا تو اس کے لئے دعا کرتے۔ مر جاتا تو اِنَّا لِلّٰہِ پڑھتے اور دعائے مغفرت فرماتے۔ کوئی پریشان ہوتا تو اس کے پاس جاتے، حال دریافت فرما کر تسلّی دیتے۔ اپنے صحابہؓ کے باغ کی طرف جاتے اور اُن کی ضیافت کھاتے۔ اہلِ کمال کی نہایت عزّت فرماتے۔ عذر خواہ کا عذر قبول فرماتے۔ کسی شخص کو اپنے پیچھے نہ چلنے دیتے اور فرماتے کہ میری پشت فرشتوں کے لئے چھوڑ دو۔

بیماروں کی عیادت اور غم خواری کرتے۔ کسی سے ملتے تو ہمیشہ پہلے خود سلام کرتے اور مصافحہ کرتے۔ کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے، ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہمنشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔ کسی کے ہاں ملنے کیلئے جاتے تو پہلے السّلام علیکم کہہ کر اذن طلب فرماتے۔ اگر صاحبِ خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے۔ ایک دفعہ آپ حضرت سعد بن عبادہؓ کے گھر تشریف لائے اور اذن طلبی کے لئے سلام کیا۔ مگر حضرت سعدؓ نے ہر دفعہ اس قدر آہستہ جواب دیا کہ آپ سُن نہ سکے۔ اور واپس تشریف لے گئے۔ جب حضرت سعدؓ نے آپکو جاتے

دیکھا، تو دوڑ کر گئے اور عرض کیا کہ میں آپ کا سلام سُن رہا تھا لیکن آہستہ جواب دیتا تھا، تاکہ آپ ہم پر متعدد بار سلام کریں۔

داہنی طرف سے یا داہنے ہاتھ سے کام کرنا آپ کو محبوب تھا۔ جوتا پہلے دائیں پاؤں میں پہنتے۔ مسجد میں پہلے دایاں پاؤں رکھتے۔ مجلس میں کوئی چیز تقسیم فرماتے تو داہنی طرف سے شروع کرتے وقت پہلے بسم اللہ پڑھتے۔

خطبات وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کیلئے اکثر خطبہ دیا کرتے۔ لیکن جمعہ کے دن خطبہ لازمی تھا۔ جو ہمیشہ مختصر اور جامع ہوتا تھا۔ ارشاد فرماتے کہ نماز کا طُول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہے۔

مجالسِ نبوی صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی ادب اور احترام کرتے، آپ کے سامنے بیٹھتے تو فرطِ ادب سے تصویر بن جاتے۔ جب آپ کلام فرماتے، تو اس طرح خاموشی سے سر جھکا کر سُنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں کہ حرکت کریں گے تو اُڑ جائیں گے[1] بغیر طہارت آپ کی خدمت میں حاضر ہونا اور آپ سے مصافحہ کرنا گوارا نہ کرتے۔ حاضرین ادب سے سر جھکائے رہتے۔ آپ جب کچھ فرماتے تو تمام مجلس پر سناٹا چھا جاتا۔ آپ کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے۔ کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آتا تو حسبِ مرتبہ اس کی تعظیم فرماتے، اور آنے والوں کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پوچھتے۔

اخلاقِ نبویؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقِ الٰہی کا کامل نمونہ تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ[2] کے ارشاد سے آپ کے اخلاق کی تعریف فرمائی ہے تو پھر آپ سے بہتر اور کس کے

---

[1] یعنی ایسے بے حس و حرکت اور بے جان معلوم ہوتے کہ پرندوں کو ان کے سروں پر بیٹھنے سے کوئی خطرہ نہ ہوتا

[2] "یقیناً آپ بڑے بلند خلق پر قائم ہیں"۔ شرعی حد کے اندر انتقام لینا اخلاقِ حسنہ ہے (بقیہ برصفحہ آئندہ)

اخلاق ہو سکتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے بھیجا ، تاکہ وہ آپ کی زندگی کے نقشہ کو دیکھ کر اپنی زندگی کو اسی سانچہ میں اس طرح ڈھالیں کہ انکی عبادت معاملات ، معاشرت حتیٰ کہ کھانا پینا ، اُٹھنا بیٹھنا ، چلنا پھرنا وغیرہ ہر حرکت اور ادا آپ کے نقشِ قدم پر بے تکلف ادا ہونے لگے ، اور آپ کے طریق اور سنّت پر چلنے کی اس قدر رغبت پیدا ہو جائے جس قدر گرمیوں میں سرد پانی کی اور سردیوں میں گرم کپڑوں کی طرف میلان اور رغبت ہوتی ہے ۔

انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھ کر دنیا میں کون ہو سکتا ہے ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ "واللہ ! آپ صلہ رحمی کرتے ہیں ، مقروضوں کا بار اُٹھاتے ہیں ، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں ، مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں ، حق کی حمایت کرتے ہیں ، مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں " ۔

ف : یہ اخلاق ، آدمی کے کردار کی بلندی کا معیار ہیں ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہیں تھی ۔ بُرائی کے بدلے میں بُرائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگذر کرتے اور معاف فرما دیتے تھے ۔ آپ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں سے جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے ۔ آپ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا ۔ آپ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی ، کبھی کسی غلام ، لونڈی ، عورت ، خادم اور جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا ۔ آپ سب سے زیادہ شجاع اور سخی تھے ۔ دوستوں میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے ۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے ۔ (سیرت النبی ج ۲ صفحہ ۲۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے کبھی اپنے آپ کو دنیوی کام کاج میں لوگوں پر فضیلت نہیں دی بلکہ جس طرح تم سب لوگ اپنے گھروں میں اپنا کام کرتے ہو ایسے ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور معاف کر دینا اخلاقِ کریمہ ہے اور بُرائی کے عوض نیکی کرنا اخلاقِ عظیمہ ہے ۔

آپ ہی کیا کرتے تھے۔ آپ خود ہی بکریوں کا دودھ دوھ لیتے اور خود ہی اپنی جوتیاں گانٹھ لیتے۔ مدینہ منورہ میں جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپ سب کاموں میں شریک تھے۔ یہانتک کہ معمولی مزدوروں کی طرح آپ بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ جنگ احزاب میں بھی آپ خندق کھودنے والوں میں شامل تھے۔ آپ ہاتھوں سے مٹی اٹھاتے اور پتھر توڑتے تھے۔ آپ کی غذا جو کی روٹی ہوتی تھی۔ آپ کے گھر میں چھلنی نہ تھی۔ پھونک مار کر بھوسی اڑا دی جاتی تھی۔ کبھی دو دن تک جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر آپ کو نہ ملی۔ بعض مرتبہ ایک ایک ماہ تک آپ کے گھر میں آگ نہیں جلی۔ صرف کھجوروں اور پانی پر آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے زندگی بسر کی۔ آپ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا۔ نہ اس میں عیب نکالا۔ جو کچھ موجود ہوتا وہی تناول فرما لیتے۔ بھوک نہ ہوتی یا کھانا مرغوب نہ ہوتا تو ہاتھ کھینچ لیتے۔ (تاریخ اسلام ص ۲۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کا خلق قرآن مجید تھا یعنی آپ قرآن پاک کے جملہ اوصاف سے متصف تھے۔ اپنی ذات کیلئے نہ کسی پر غصہ فرماتے اور نہ انتقام لیتے۔ لیکن جب حقوق اللہ میں سے کوئی حق ضائع کیا جاتا تو غصہ ہوتے اور انتقام لیتے۔ اور اس وقت کوئی آپ کے غصہ کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ آپ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر فرماتے۔ جب کسی مجلس میں تشریف لے جاتے۔ جہاں جگہ ہوتی بیٹھ جاتے۔ صدر مجلس کا قصد نہ فرماتے اور مسلمانوں کو بھی اسی کا امر فرماتے۔ ہر شخص آپ کو اپنا زیادہ مہربان خیال کرتا تھا۔ کوئی آپ کے پاس آتا تو جبتک وہی نہ کھڑا ہو جاتا آپ نہ اٹھتے۔ فقراء کو دوست رکھتے۔ ان کے پاس اٹھتے بیٹھتے۔ کسی فقیر کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر نہ سمجھتے۔ اور کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہی کے سبب ہیبت نہ کھاتے۔ پڑوسی کی خبر گیری کرتے۔ فال کو پسند فرماتے اور بدشگونی کو ناپسند۔ جب آپ کو کوئی مرغوب شے حاصل ہوتی تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتے اور جب کوئی ناگوار صورت پیش آتی تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ۔ کہتے۔ ایک مجلس میں سو بار استغفار کرتے۔ نماز کی حالت میں آپ کے سینہ مبارک سے گریہ کی آواز ہانڈی کے ابال کی طرح سنائی دیتی۔ دوشنبہ، پنجشنبہ اور ہر ماہ کی تیرہ، چودہ، پندرہ کا اور عاشورہ

کا روزہ رکھتے۔ جمعہ کا دن روزے سے شاید ہی کبھی خالی ہوا ہو۔ شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ آپ کی آنکھیں سوتیں اور قلبِ مبارک توجہ اِلَی اللہ اور انتظارِ وحی کے سبب بیدار رہتا۔ سوتے وقت سانس کی آواز سُنائی دیتی تھی مگر خراٹا آپ سے ظاہر نہ ہوتا تھا حق تعالیٰ نے آپ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائیں۔ مگر آپ نے اس کی بجائے آخرت کو قبول فرمایا۔ سفر میں تیل کی شیشی، سرمہ دانی، آئینہ، کنگھی، قینچی، مسواک، سوئی، دھاگہ ساتھ رکھتے۔ رات میں تین بار سونے سے[۱] پہلے، تہجد کے[۲] وقت، نماز فجر کے وقت[۳] مسواک فرماتے۔ آپ مزاح یعنی خوش طبعی بھی فرماتے۔ مگر مزاح میں بھی سچی بات ہی کہتے (ذکر میمون ترجمہ سرور المحزون)۔

مداومتِ عمل آپ نے جس کام کو جس طریقے سے شروع کیا۔ اس پر برابر شدت سے قائم رہتے تھے معمولات میں ساری زندگی ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ خدا کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جس پر آدمی سب سے زیادہ مداومت کرے۔

حُسنِ خلق آپ نہایت نرم مزاج اور خوش اخلاق تھے۔ ایک دفعہ ایک بدوی نے آپ کی چادر کا کنارا پکڑ کر اس زور سے جھٹکا کہ چادر کے کنارے کی رگڑ سے آپ کے شانے اور گردن پر نشان پڑ گیا۔ آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو اُس نے کہا کہ اللہ کے اس مال میں سے جو تیرے پاس ہے میرے دونوں اونٹوں پر بھی کچھ لاد دے۔ کیونکہ وہ تیرا یا تیرے باپ کا مال نہیں۔ یہ تلخ اور سخت کلام سُن کر اوّل تو آپ فرطِ حلم سے خاموش رہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بیشک مال تو اللہ کا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔ مگر یہ تو بتا کہ تیرے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کیا جائے جو تُو نے میرے ساتھ کیا ہے؟ اُس نے کہا۔ نہیں۔ آپ نے پوچھا کیوں؟ اُس نے کہا۔ اس لئے کہ تُو بُرائی کے عوض بُرائی نہیں کرتا۔ یہ سُن کر آپ مُسکرائے اور حکم دیا کہ اس کے ایک اُونٹ پر جَو اور ایک اونٹ پر کھجور لاد کر دے دو۔ حضرت انس بن مالک نے دس سال تک مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ اس عرصہ میں کبھی ان سے یہ نہ کہا کہ یہ کام کیوں کیا یا یہ کیوں نہ کیا۔

ایک مرتبہ ایک یہودی زید بن سعنہ آپ کے پاس اپنے قرضہ کا تقاضہ کرنے آیا اور بہت کچھ

سخت اور نازیبا کلمات کہنے لگا کہ تم اولاد عبد المطلب بڑے ہی نادہند اور وعدہ خلاف ہو اُس کی اِس حرکت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو مسکراتے ہی رہے مگر حضرت عمرؓ نے اسے جھڑک کر ایسی بیہودہ گوئی سے روکنا چاہا تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اے عمرؓ تُو نے ہم دونوں سے وہ طرزِ عمل اختیار نہیں کیا جو ہونا چاہیئے تھا۔ مناسب یہ تھا کہ تم اسے نہ جھڑکتے، بلکہ حُسنِ طلب اور نرمی کے ساتھ تقاضہ کرنے کی نصیحت کرتے۔ اور مجھے ایفائے وعدہ اور ادائے قرض کے لئے کہتے۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ جاؤ اس کا قرض ادا کر دو اور جھڑکنے کے معاوضہ میں بیس صاع یعنی ڈیڑھ من جَو اور دے دو۔ حالانکہ میعادِ قرض میں ابھی تین دن باقی تھے اور وہ یہودی پہلے ہی تقاضہ کرنے آگیا۔ اس حِلم اور خوش خوئی کا یہ اثر ہوا کہ وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔

دیانت اور حُسنِ معاملہ اخلاق کے باب میں راستی اور دیانت بہت ممتاز صفات ہیں۔ نبوّت کے بعد قریش بُغض و کینہ کے جوش سے لبریز تھے۔ آپ کے قتل کے درپے تھے لیکن اس حالت میں بھی آپ کی دیانتداری اور امانت پر اعتماد کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی امانتیں آپ کے پاس ہی رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ جس دن قریش نے آپ کے قتل کے ارادے سے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا، تو آپ نے کفار قریش کی امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کرکے فرمایا کہ صبح یہ امانتیں حق داروں کو پہنچا دی جائیں۔ اور خود دشمنوں کے نرغہ سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہجرت فرمائی۔ ہجرت سے پہلے جن لوگوں سے آپ کے تاجرانہ تعلقات تھے انہوں نے ہمیشہ آپکی دیانت اور حُسنِ معاملہ کا اعتراف کیا ہے ؏

مُشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

راست گفتاری صداقت پیغمبر کی ضروری اور ممتاز صفت ہے اور اس کا وجود پیغمبر کی ذات کے لئے ہر آن لازمی ہے۔ پیغمبر کی زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ‎ إِنْ ‎ ‎ اور نہ وہ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی

هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ بات بنا کر کہتے ہیں۔ ان کا فرمان تو صرف
(سورہ نجم۔ پارہ ۲۷) وحی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

① آپ نے اپنی دعوت کی بنیاد ہی صداقت پر رکھی۔ کوہِ صفا پہ اہلِ مکہ نے یک زبان ہو کر آپ کی صداقت کا اقرار کیا۔

② ابو سفیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا جانی دشمن تھا مگر قیصر کے دربار میں جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا اس دعویٰ سے پہلے کبھی تم نے اس کو دروغ گو بھی پایا ہے، تو ابوسفیان نے کہا کہ نہیں۔ یہ سُن کر ہرقل نے کہا۔ جو شخص اپنے جیسے انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہے۔

③ ابو جہل مشہور دشمنِ رسول کہا کرتا تھا کہ مَیں آپ کو جھوٹا نہیں کہتا۔ مگر جس چیز کی آپ دعوت دیتے ہیں، اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔

④ کفار نے آپ کے اخلاقِ حسنہ اور تعلیم کی تاثیر کو دیکھ کر آپ کو ساحر، مجنون، شاعر وغیرہ تو کہا۔ مگر آپ پر دروغ گوئی کا الزام نہیں لگا سکے۔ الغرض آپ کی زندگی میں دشمنوں کو ہر طرح کی مخالفت کے باوجود ہمّت نہیں ہوئی کہ آپ کو جھوٹا کہہ سکیں۔

⑤ ظرافت میں بھی کیا مجال کہ ایک کلمہ زبان سے ایسا نکل جائے جو ہو بہو حقیقت نہ ہو۔ اور حالتِ غضب کا بھی عالم یہ ہے کہ جو بات اس حالت میں آپ کی زبان مبارک سے نکلتی ہے وہ بھی اتنی ہی اہمیت سے قابلِ ضبط و کتابت ہوتی ہے جیسا کہ عام حالات میں۔ الغرض آپ کی ظرافت اور غصّہ کے کلمات بھی حقیقت سے سرِ مو تجاوز نہیں کرتے تھے (ترجمان السنہ ج ۲)۔

عدل وانصاف آپ کے عدل وانصاف کا یہ عالم تھا کہ مسلمان تو ایک طرف یہود جو آپ کے شدید ترین دشمن تھے، وہ بھی اپنے مقدمات بارگاہِ رسالت میں لاتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے کہ بنی مخزوم کی ایک عورت فاطمہ بنت الاسود چوری کے جرم میں پکڑی گئی ثبوتِ جرم کے بعد آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ شرفائے قریش نے چاہا کہ سفارش کر کے

اس عورت کو سزا سے بچالیں ۔مگر سفارش کرنے کی ہمت نہ ہوئی ۔ آخر حضرت اسامہ بن زیدؓ کو کہہ سُن کر آمادہ کیا ۔انہوں نے آپؐ سے سفارش کی، تو آپ نے فرمایا کہ اسامہ! کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا کہ اے لوگو تم سے پہلی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ جب ان میں کوئی بڑا خاندانی شخص جرم کرتا تو لوگ اُسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور اور معمولی آدمی جرم کا مرتکب ہوتا تو اُسے سزا دیتے ۔خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا ۔

جود و سخا آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے ۔کسی کے جائز سوال کو رد نہ فرماتے تھے ۔ ایک دفعہ ایک شخص حاضرِ خدمت ہوا ۔ دیکھا کہ دُور تک آپ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے، اس نے آپ سے درخواست کی ۔آپ نے سب کی سب بکریاں اسے دے دیں ۔اُس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ لوگو! اسلام قبول کر لو ۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ مفلس ہونے کی پرواہ نہیں کرتے ۔عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ اگر آپ کے پاس کچھ ہوتا تو مانگنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرما دیتے، ورنہ وعدہ فرماتے ۔اکثر معمول تھا کہ گھر میں اگر کوئی نقدی موجود ہوتی جبتک خیرات نہ کر دی جاتی، گھر میں آرام نہ فرماتے ۔

ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا، اور اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے کبھی اتنی رقم نہیں آئی تھی ۔آپ کے حکم سے اسے صحنِ مسجد میں ڈالا گیا ۔نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اس کی تقسیم شروع کی ۔جو سامنے آیا اس کو دیتے چلے گئے حتیٰ کہ کپڑے جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے ۔

ایثار آپ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے نمایاں تھا وہ ایثار تھا ۔ اولاد سے آپ کو بے انتہا محبت تھی ۔ان میں حضرت فاطمہ زہراؓ سب سے زیادہ عزیز تھیں ۔ ایک دن حضرت فاطمہ خدمتِ اقدس حاضر ہوئیں کہ فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں، ان میں سے کوئی کنیز مل جائے ۔فرمایا کہ ابھی اصحابِ صفہ کا انتظام نہیں ہوا ۔جبتک اُنکا انتظام نہ ہو جائے میں دوسری طرف توجہ نہیں کر سکتا ۔ایک روایت میں ہے ۔کہ حضرت زبیرؓ کی

صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہ زہرؓا خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور اپنے افلاس و تنگی کی شکایت کرکے عرض کیا کہ اب کے غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے کوئی ہمیں مل جائے۔ آپ نے فرمایا کہ بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کرچکے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کی درخواست کی۔ فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تم کو دوں اور اہلِ صفہ کو بھوک کی حالت میں چھوڑ دوں۔ یہود ان بنی نضیر میں سے ایک شخص نے مرتے وقت اپنے سات باغ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کر دیئے۔ آپ نے سب خدا کی راہ میں وقف کر دیئے۔ جو کچھ پیدا ہوتا، غربا اور مساکین کو دے دیا جاتا۔ اہلِ بیت کیلئے بیت المال سے ایک سال کے خرچ سے زائد کبھی قبول نہیں فرمایا۔ اور اس میں بھی اس قدر ایثار فرماتے اور دوسروں پر خرچ کر دیتے کہ سال ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا۔

مہمان نوازی مختلف اطراف سے لوگ جوق در جوق بارگاہِ نبوی میں آتے۔ آپ ان کی خاطرداری اور تواضع فرماتے اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر ان کی خبرگیری کرتے۔ ایک دفعہ ایک کافر آپ کا مہمان ہوا۔ آپ نے اسے بکری کا دُودھ پلایا۔ وہ سارے کا سارا پی گیا۔ آپ نے دوسری بکری منگائی۔ وہ بھی کافی نہ ہوئی۔ غرض سات بکریوں تک نوبت آئی۔ جبتک وہ سیر نہ ہوا، آپ پلاتے گئے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا وہ اُنکی نذر ہو جاتا اور تمام اہل و عیال فاقہ کرتے۔

سوال کرنا کسی کا بلاضرورت سوال کرنا آپ کو پسند نہ تھا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے کچھ سوال کیا۔ آپ نے فرمایا "تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟" اس نے کہا۔ ایک بچھونا اور ایک پیالہ ہے۔ آپ نے دونوں چیزیں منگوائیں، اور فرمایا کہ یہ چیزیں کون خریدتا ہے۔ ایک شخص نے دو درہم لگاتے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کوئی دام لگاتا ہے۔ ایک صاحب نے ایک کے دو کر دیئے۔ آپ نے دونوں چیزیں ان کو دے دیں اور درہم انصاری کو دے کر فرمایا، کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر میں دے آؤ اور دوسرے سے رسی خرید و اور جنگل سے لکڑیاں لا کر

شہر میں بیچو۔ پندرہ دن کے بعد وہ خدمتِ اقدس میں آئے تو دس درہم ان کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ اس سے کچھ کپڑا خریدا۔ کچھ غلہ مول لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت کے دن گدائی کا داغ لگا کر آتے۔

ہدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور اپنے خاندان کیلئے صدقہ اور زکوٰۃ لینے کو ناجائز[1] قرار دیتے، اور قبول نہیں فرماتے تھے۔ اگر کوئی ہدیہ ہوتا تو قبول فرماتے۔ صدقہ ہوتا، تو دوسروں کو تقسیم فرما دیتے۔

سادگی اور بے تکلفی کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، اوڑھنے پہننے وغیرہ کسی چیز میں تکلف نہ تھا۔ کھانے میں جو سامنے آتا تناول فرماتے۔ اور پہننے کیلئے جیسا میسر ہوتا پہن لیتے۔ زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ ملتی، بیٹھ جاتے۔ ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند خاطر تھی۔ تکلف اور عیش پرستی کو ناپسند فرماتے اوروں کو بھی اس سے روکتے۔

جن دنوں یمن سے شام تک صرف اسلامی حکومت تھی۔ فرمانروائے اسلام کے گھر میں صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ تھا۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔

مساوات آپ کی نظر میں چھوٹا بڑا، امیر غریب، آقا اور غلام سب برابر تھے۔ سلمانؓ صہیبؓ اور بلالؓ جو سب کے سب غلام رہ چکے تھے، آپ کی بارگاہ میں رؤسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھے۔

صحابہؓ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام کرتے۔ ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا۔ تمام صحابہؓ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا۔ لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اگر صدقہ اور زکوٰۃ اپنے خاندان کے لئے جائز قرار دیتے تو مخالفین کو یہ کہنے کا موقعہ ملتا کہ اس سے اپنی اولاد کی پرورش مقصود ہے۔

نے جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کام بھی ہم خدام ہی کر لیں گے۔ فرمایا۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں۔ خدا اس بندہ کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔

ایک دفعہ سانڈنی سے اتر کر نماز کی طرف چلے۔ دفعۃً واپس ہوئے۔ صحابہ کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ سانڈنی کا پاؤں باندھنے چلا ہوں، کہیں وہ چل نہ دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس خدمت کو ہم انجام دے لیں گے۔ آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ ارشاد فرمایا کہ کسی انسان سے مدد چاہنا زیبا نہیں۔ اگرچہ مسواک کے ٹکڑے ہی کی کیوں نہ ہو۔

نوٹ: اسلام کے اندر قانونی حقوق میں مساوات ہے۔ امیر غریب، شاہ و گدا سب کے لئے ایک قانون ہے۔ اسی طرح حقِ معیشت میں سب مساوی ہیں یعنی روزی کمانے کے ذرائع اور اسباب میں سب کا حق برابر ہے، لیکن درجاتِ معیشت میں مساوی نہیں کیونکہ سب کی صلاحیت اور عملی قوت یکساں نہیں۔ اس لئے لوگوں کی آمدنی کا کم و بیش ہونا بھی فطری امر ہے۔ کمیونزم اور شوسلزم کی مالی مساوات غیر فطری ہے۔

تواضع تواضع آپ کی لازمی صفت تھی کہ خچر اور گدھے پر سواری فرماتے۔ دوسروں کو ساتھ سوار کر لیتے۔ اور جو بھی دعوت کرتا غنی ہو یا فقیر، قبول فرما لیتے۔ گھر کا کام کاج خود کرتے۔ کپڑوں میں پیوند لگاتے۔ گھر میں جھاڑو دیتے، دودھ دوھ لیتے۔ بازار سے سودا لے آتے۔ جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے۔ غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ فرماتے۔ غرضیکہ گھر کے چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھ سے کرتے جبکہ ہزاروں جاں نثار ایسی خدمت انجام دینے کو اپنی سعادتِ دارین سمجھنے والے موجود، اور آمادہ ہوتے تھے۔

شرم و حیا آپ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔ کوئی مکروہ چیز دیکھتے تو زبان سے کچھ نہ فرماتے، البتہ چہرہ پر کراہت کے آثار نمایاں ہو جاتے۔ شرم و حیا کا اثر آپ کی

ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا۔ کبھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہیں کی۔ بازاروں میں جاتے۔ تو چپ چاپ گذر جاتے۔ قہقہہ لگا کر نہ ہنستے۔ صرف تبسّم فرماتے۔ بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے کچھ نہ فرماتے۔ چہرہ کے اثر سے صحابہ متنبہ ہو جاتے۔

عزم و استقلال خدا نے یہ وصف خصوصیت کے ساتھ ودیعت فرمایا تھا۔ ابتدا سے انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و استقلال کا مظہر اور مرقع ہے۔ عرب کا ذرہ ذرہ مخالفت کا پہاڑ بن کر سامنے آیا۔ مگر آپ کے عزم راسخ کے آگے چُور چُور ہو گیا۔

روٴسائے مکہّ نے آپ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حُسن کی دولت پیش کی۔ ان میں سے ہر چیز بہادر سے بہادر انسان کے قدم ڈگمگا دینے کیلئے کافی تھی۔ لیکن آپ نے ان کی درخواست کو ذلت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔

جب آپ کے مونس و غم خوار اور ہمدرد و خیر خواہ چچا ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا تو آپ کے پائے استقلال میں ذرا لغزش نہ آئی۔ فرمایا۔ چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اعلانِ حق سے باز نہ آؤں گا۔ غزوہ حنین میں جب ہوازن کے تیر اندازوں نے تیروں کی متصل بوچھاڑ کی، تو اکثر صحابہؓ کے قدم اُکھڑ گئے۔ لیکن آپ نہایت سکون و اطمینان سے جاں نثاروں کے ساتھ میدان میں جمے رہے۔

ایفائے عہد (۱) ایفائے عہد آپ کی ایسی خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے۔ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمساء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ معاملہ کیا، اور آپ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آپ یہیں تشریف رکھیں، میں آکر حساب کر دیتا ہوں۔ اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا۔ تین دن کے بعد آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ تشریف رکھتے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔

(۲) قیصر نے اپنے دربار میں ابو سفیان سے سوال کیا کہ کیا آپ نے کبھی بدعہدی بھی

کی ہے تو ابوسفیان نے جواب دیا۔ نہیں۔

(۳) صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائے وہ اہلِ مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا عین اس وقت جب معاہدہ کی شرطیں لکھی جا رہی تھیں ابوجندل پابہ زنجیر اہلِ مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریادی ہوئے۔ صحابہؓ اس دردانگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اُٹھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے ابوجندل صبر کرو۔ ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔

(۴) وحشی جنہوں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا، اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے۔ جب مکہ فتح ہوا تو یہ طائف بھاگ گئے۔ جب اہلِ طائف نے اطاعت قبول کر لی، اور مدینہ بھیجنے کے لئے ایک وفد تجویز کیا تو اس میں ان کا نام بھی تھا۔ مگر ان کو ڈر تھا کہ کہیں مجھ سے انتقام نہ لیا جائے۔ لیکن خود دشمنوں نے ان کو یقین دلایا کہ تم بے خوف و خطر جاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سفراء کو قتل نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

(۵) غزوۂ بدر کے موقعہ پر دو صحابی مکہ سے آ رہے تھے۔ راہ میں کفار نے ان کو پکڑ لیا۔ آخر اس شرط پر رہائی دی کہ وہ جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ یہ دونوں اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور صورتِ حال عرض کی۔ حالانکہ ایسے حالات میں ایک دو آدمیوں کا اضافہ بھی غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ تم دونوں جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔

زہد و قناعت پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ پانی اور کھجور پر گذارہ تھا۔ آپ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی اور کبھی سیر ہو کر دو وقت روٹی نہیں کھائی ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپ نے ازواجِ مطہراتؓ

میں کسی کے ہاں کہہ بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو۔ جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ حتیٰ کہ آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ ملی۔ آپ کے گھر میں کوئی درہم و دینار باقی نہیں رہتا تھا جب تک خیرات نہ کر دیا جاتا آپ دولت کدہ میں داخل نہ ہوتے تھے۔ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تین صاع جو پر گروی تھی۔ جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی۔ ان میں اُوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدودِ شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا تھا اور مدینے کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آچکا تھا۔

نوٹ : یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آپ کا زہد و فقر اختیاری تھا۔ عرب کے خزانے دستِ تصرف میں تھے لیکن کاشانۂ نبوت میں نہ کوئی نرم بستر تھا۔ نہ غذائے لطیف۔ نہ جسمِ مبارک پر خلعتِ شاہانہ تھا، نہ جیب و آستین میں درہم و دینار۔ (سیرت النبی)۔

عفو و حلم

(۱) دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگذر کرنا انسانی اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب چیز ہے۔ لیکن آپ کی ذات پاک میں اس کی فراوانی تھی۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔

(۲) دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتحِ مکہ کا دن تھا۔ جبکہ وہ دشمنانِ رسول سامنے آئے جو آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ جنہوں نے آپ کو مکہ سے نکالا۔ تین سال تک آپ کو شعبِ ابی طالب میں محصور رکھا اور دانہ پانی بند کر دیا۔ اور جن کے دستِ ظلم سے آپ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر قابو دیا تو رحمتِ عالم نے ان کو معافی کا پروانہ عطا فرما دیا۔

(۳) ہندہ، ابو سفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا اور دل و جگر کے ٹکڑے کئے۔ دشمنِ اسلام ابو جہل کے فرزند عکرمہ جو باپ کی طرح آپ کے دشمن تھے۔ صفوان بن امیہ رؤسائے قریش میں اسلام کے شدید ترین دشمن تھے۔ ہبار بن اسود جس کے ہاتھ سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب کو تکلیف پہنچی تھی۔ ہبار نے ہجرت کے وقت ان کو اونٹ سے گرا دیا جس سے ان کو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہوگیا۔ غرضیکہ کس کس کا ذکر کیا جائے، ان سب کے لئے بابِ رحمت وا ہوا، اور یہ سب کے سب آغوشِ رحمت میں لے لئے گئے۔

(۴) فتحِ مکہ کے موقعہ پر جب ابو سفیان کو گرفتار کر کے لایا گیا تو حضرت عمرؓ نے گذشتہ جرائم کی پاداش میں ان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن آپ نے منع فرمایا۔ بلکہ ان کے گھر کو امن و امان کا حرم بنا دیا اور ارشاد فرمایا کہ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے۔

(۵) قریش نے آپ کو گالیاں دیں، مارنے کی دھمکی دی۔ راستوں میں کانٹے بچھائے۔ جسمِ اطہر پر نجاستیں ڈالیں۔ آپ کی شان میں گستاخیاں کیں۔ نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل، کبھی شاعر کہا۔ لیکن آپ کے صبر و تحمل نے سب پر عفو و کرم کا پانی پھیر دیا۔

دشمنانِ جاں سے درگذر جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگذر کرنا پیغمبروں کے سوا اور کسی کا کام نہیں۔

(۱) جس شب کو آپ نے ہجرت فرمائی، کفارِ قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا، کہ صبح کو العیاذ باللہ آپ کا سر قلم کر دیا جائے۔ اس لئے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانۂ نبوی کا محاصرہ کئے کھڑا رہا۔ اگرچہ اس وقت دشمنوں سے انتقام لینے کی آپ میں ظاہری قوت نہ تھی۔ لیکن ایک وقت آیا جب ان میں سے ایک ایک کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی اور ان کی جان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم و کرم پر موقوف تھی۔ لیکن رحمۃ للعلمین نے ان سب کے جرم پر معافی کا خط کھینچ کر جاں بخشی فرمائی۔

(۲) صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسّی۱ آدمیوں کا ایک دستہ منہ اندھیرے آیا۔ اور چھپ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہا۔ اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہو گئے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہ فرمایا۔

۱ حاشیہ بر صفحہ آئندہ

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے۔ لیکن پیغمبروں کا رتبہ عام انسانوں کی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے۔ جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں وہ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جو انکے خون کے پیاسے ہوتے ہیں، وہ ان کو پیار کرتے ہیں۔ ایک صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ دشمنوں کے حق میں بددعا کیجئے یہ سُن کر چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا۔ ایک مرتبہ چند اصحاب نے مل کر اسی قسم کی بات کہی، تو فرمایا کہ میں دنیا کیلئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

جنگِ اُحد میں دشمنوں نے آپ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلواریں چلائیں، دندانِ مبارک شہید کیا۔ جبینِ اقدس کو خون آلود کیا۔ لیکن ان سب کا صلہ اس دعا سے فرمایا گیا۔ اللّٰهمّ اهد قومی فانّهم لا یعلمون (خدایا ان کو معاف کر یہ نادان ہیں)۔

وہ طائف جس نے دعوتِ اسلام کا جواب استہزاء اور تمسخر سے دیا تھا، وہ طائف جس نے داعیٔ اسلام کو اپنی پناہ میں لینے سے انکار کر دیا تھا، وہ طائف جس نے پائے مبارک کو لہولہان کیا تھا۔ اس کی نسبت فرشتۂ غیب پوچھتا ہے کہ حکم ہو تو پہاڑ اُلٹ دیا جائے۔ جواب ملتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کر دے جو ایمان لے آئیں، اور اس کی عبادت کریں ؎

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

شفقت و رافت (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر شفقت فرماتے، ان سے محبت کرتے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے پیار کرتے اور ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔ لیکن غلاموں کے ساتھ خصوصیت سے شفقت کا برتاؤ کرتے، اور فرماتے۔ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ جو خود کھاتے ہو ان کو کھلاؤ، جو خود پہنتے ہو ان کو پہناؤ، اور ان کو اتنا کام نہ دو،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قرآن میں یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم۔ (سورۂ فتح پ ۲۶)

جو وہ نہ کر سکیں۔ غلاموں پر اتنی شفقت ملحوظ تھی کہ مرض الموت میں آخری وصیت یہ فرمائی کہ غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرنا۔ جانوروں پر بھی شفقت فرماتے۔ بلّی کے لئے برتن ٹیڑھا کر دیتے۔ جبتک وہ سیراب نہ ہو جاتی اس کو غایت شفقت سے نہ اٹھاتے۔

(۲) اللہ پاک سے معاہدہ کیا کہ جس شخص کو میں گالی دوں یا لعنت کروں وہ گالی اور لعنت اس کے حق میں گناہوں کا کفارہ، رحمت و بخشش اور قرب کا ذریعہ بنا دی جائے۔

(۳) ایک شخص نے آکر سوال کیا۔ فرمایا۔ میرے پاس اس وقت تو کچھ نہیں۔ تم میرے نام پر قرض لے لو۔ میں پھر اسے اُتار دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ قدرت سے بڑھ کر کام کریں۔ آپ چُپ رہے۔ اتنے میں ایک انصاری بول اُٹھے۔ یا رسول اللہ خوب دیجئے۔ رب العرش مالک ہے۔ تنگدستی کا کیا ڈر ہے۔ آپ ہنس پڑے۔ چہرہ مبارک خوشی سے چمک اُٹھا۔ فرمایا۔ مجھے یہی حکم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور شفقت کا یہ کمال تھا کہ جس خوش نصیب کو ایک دفعہ بھی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا اور روئے انور کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی وہ اپنے ماں باپ کو بھول گیا۔ ان کا فداک امی و ابی (میرے ماں باپ آپ پر قربان) کہنا رسمًا نہیں تھا، بلکہ حقیقت پر مبنی تھا۔ کوئی شخص بھی اچھے خلق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ تھا۔ آپ کی ہر بات اور ادا شریفانہ اخلاق کے منتہات بلند تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کو اخلاقِ عظیمہ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ عظیم فرمائیں تو انسان کی ناقص اور محدود عقل اسکی عظمت اور خوبیوں کا احاطہ کیسے کر سکتی ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

معجزات

تعداد | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے جامع تھے۔ اسلئے آپ کو ہر قسم کے بیشمار معجزات عطا کئے گئے سے

حسنِ یوسف ید بیضا دمِ عیسیٰ داری ۔۔۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حافظ ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کیلئے آیاتِ نبوت عالم کے گوشہ گوشہ میں بکھیر دی ہیں۔ جن کو اگر کوئی شمار کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ آپکے جو معجزات قلمبند ہو کر حدِ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں انکی تعداد حافظ ابنِ حجرؒ نے ایک ہزار سے تین ہزار تک لکھی ہے۔ (ترجمان السنہ ج ۴ ص ۵۹)۔

آپ کے معجزات کی امتیازی شان | اگر دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے موازنہ کیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات زیادہ درخشاں اور وزنی ہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے وہ کسی نبی کو عطا نہیں کئے گئے۔ کسی نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ دینا شروع کیا تو وہ ستون جس سے ٹیک لگا کر آپ پہلے خطبہ دیا کرتے تھے۔ نالہ و فغاں کرنے لگا۔ اس کے رونے کی آواز صحابہؓ نے بھی سُنی۔ یہ مردہ زندہ کرنے سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ حیات جسمِ انسانی کی صفت تو ہو سکتی ہے مگر اس طرح کی حیات جمادات کی صفت نہیں۔ (ترجمان السنہ ج ۴ ص ۱۰۶)

حضرتِ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ کھجور کا تنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رو دیا۔ ایسے جسم میں اللہ کے حکم سے حیات کا لوٹ آنا جس میں پہلے سے حیات موجود تھی، یہ بھی ایک بڑی بات تھی لیکن جس جسم میں کہ ایسی حیات و شعور پہلے کبھی پیدا نہ ہوئی ہو۔ اس میں شعور اور

حیات کا پیدا ہو جانا یقیناً اس سے بھی عجیب اور بڑی بات ہے (ترجمان السنہ ج ۴ ص ۱۰۷)۔

شیخ جمال الدین افغانی فرماتے ہیں کہ اگر داؤد علیہ السّلام کی تسبیح کے جواب میں بلند پہاڑوں نے تسبیح پڑھی تھی، یا ان کے لئے لوہے کی تختیاں نرم ہو گئی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی سخت سے سخت پتھر نرم ہو گئے اور کنکریوں نے آپ کے دستِ مبارک میں تسبیح پڑھی۔

اگر موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پتھر پر مار کر چشمہ بہا دیا تھا تو آپ کی مبارک انگلیوں سے بھی پانی پھوٹ کر ابل پڑا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر کر دی گئی تھی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی بادِ صبا[۱] تھی، اور دشمن ایک ماہ کی مسافت پر آپ سے خوفزدہ اور مرعوب ہو جاتا تھا۔ اور اگر حضرت سلیمان علیہ السّلام کو بڑی بھاری سلطنت عطا ہوئی تھی اور جن مسخّر کر دیئے گئے تھے، تو ہمارے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمام روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں، مگر آپ نے ان سب سے منہ موڑ کر کسی کو قبول نہیں فرمایا۔

اگر حضرت ابراہیم علیہ السّلام مقامِ خلّت سے سرفراز ہوئے اور موسیٰ علیہ السّلام کوہِ طور پر کلامِ باری سے نوازے گئے، تو آپ وہ ہیں جن کا لقب حبیب اللہ ہے۔ آپ سے باری تعالیٰ نے خود کلام فرمایا ہے اور دیدارِ الٰہی تو خاص آپ کے ہی حصہ میں آیا ہے۔ اسی طرح حوضِ کوثر اور تمام اہلِ محشر کی سرداری کا جھنڈا بھی آپ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ جب آتشِ جہنم بھڑکے گی تو گنہ گاروں کی سفارش صرف آپ ہی فرمائیں گے۔ اور وہ رتبہ بلند اور مقامِ وسیلہ بھی آپ ہی کو مرحمت ہوا کہ بڑے بڑے انعامات والوں کے مقامات بھی اس سے نیچے ہی جھکتے ہیں۔ آپ سب سے پہلے جنّت الفردوس میں داخل ہونے والے ہیں اور اسکے سب دروازے آپ کیلئے کھول دیئے جائیں گے (ترجمان السنہ ج ۴ ص ۱۰۸)۔

چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اور واقعہ معراج میں آسمانوں کی سیر کرنا، عرش کرسی جنّت

---

[۱] جنگِ خندق میں اللہ تعالیٰ نے کفّار پر ہوا مسلط کر دی جس سے سراسیمہ ہو کر وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

دوزخ وغیرہ دیکھنا عالمِ بالا میں آپ کے صریح اور عظیم معجزے ہیں۔ علاوہ ازیں مکڑی کا غارِ ثور پر جالا تننا، گوہ جانور کا آپ کی رسالت کی شہادت دینا، ایک اُونٹ کا اپنے مالک کی شکایت کرنا، کھجور کے خشک درخت کا پھل دینا، اُمِ معبد کی بیکار بکری کا دودھ دینا، سراقہ کا زمین میں دھنسنا، مٹھی بھر خاک پھینکنے سے لشکر کفار کو شکست ہونا، بادلوں کا سایہ فگن ہونا جنّات کو آسمان پر جانے کی بندش ہونا، آپ کے لعابِ دہن سے حضرت علیؓ کی آنکھ کا درست ہونا، قتادہ بن نعمان کی آنکھ کا باہر نکل آنا اور آپ کا اپنے دستِ مبارک سے اس کو اپنی جگہ رکھنا اور فوراً صحت ہونا، غارِ حرا سے آتے ہوئے شجر و حجر کا آپ کو سلام کرنا، تھوڑے سے کھانے سے بڑی جماعت کا شکم سیر ہو جانا وغیرہ معروف معجزات ہیں۔ لیکن پیغمبر کا اصل معجزہ تو خود اس کا سراپا وجود اور اس کی ذات ہوتی ہے۔ اکثر لوگ اس کے روئے انور کو دیکھ کر ہی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سینکڑوں اعرابی آپ کو دیکھ کر دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔

دائمی معجزہ انبیائے سابقین کی نبوت دائمی نہ تھی۔ اس لئے ان کے معجزے بھی ان کے دورِ نبوت کے ساتھ ختم ہو گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دائمی ہے۔ اس لئے آپ کا سب سے عظیم الشان معجزہ قرآن مجید بھی دائمی معجزہ ہے۔ جس کی ایک ایک آیت بجائے خود مستقل معجزہ ہے۔ کفار کو اس کی مثل ایک چھوٹی سے چھوٹی آیت بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا۔ اور دعویٰ کیا گیا کہ تمام جن و انس اکٹھے ہو کر اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے۔ صدیاں گذر گئیں لیکن یہ دعویٰ بدستور فضاؤں میں گونج رہا ہے اور قیامت تک گونجتا رہے گا۔

اصحابِ رسولؐ

اب تبرکاً آپ کے جاں نثار رفقاء کا نہایت مختصر تعارف بیان کیا جاتا ہے[1] انشاء اللہ تعالیٰ

[1] ماخوذ از جواہر الحکم حصہ سوم

نے جن لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ صحبت کیلئے چُنا - اندازہ کیجئے کہ وہ کیسے پاک نفوس ہوں گے - انہیں کے دم سے یہ دین ہم کو نصیب ہوا - جنہوں نے سب سے پہلے دین کی خاطر اپنا وطن چھوڑا - تجارت اور مال و دولت سے منہ موڑا - اور وہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے دین کے واسطے اللہ اور رسول کی محبت میں گردنیں کٹوائیں اور بڑے شوق سے اپنی بیویوں کو بیوہ ، اور اپنے پیارے بچّوں کو یتیم بنایا اور یہ سب کچھ اتنی خوشی سے کیا گویا ان تمام قربانیوں کیلئے وہ پیدا کئے گئے ہیں - انہیں کے تذکروں سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے اور زمین کا چپہ چپہ ان کی سچّی قربانیوں کا شاہد ہے - تاریخ ان کے زریں کارناموں کو یاد کرکے رو رہی ہے اور زمین و آسمان اس کی شہادت پر بے ساختہ گواہی دے رہے ہیں - یہ ان کی مدح سرائی نہیں بلکہ حقیقت ہی حقیقت ہے ، اور وہ حقیقت ہے جس کے اظہار سے قلم درماندہ اور زبان عاجز ہے -

قرآن مجید نے صحابہ کو آپ کی صداقت کا بدیہی ثبوت قرار دیا ہے کیونکہ آدمی کے اخلاق اور کردار کی بلندی پہچاننے کا معیار اس کے رفقاء اور ہم نشین ہوتے ہیں اور ان کے چیدہ چیدہ اوصاف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ وہ باہم بہت نرم دل اور ہمدرد ہیں لیکن خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں کے مقابلہ میں بڑے سخت اور کڑوے ہیں - ان کی عبادت کا یہ حال ہے کہ وہ ہمہ وقت نمازوں میں سربسجود ہیں جن کا اثر ان کی پیشانی کے نُور سے ظاہر ہے - خضوع و خشوع اور اخلاص کی شعاعیں باطن سے پھُوٹ پھُوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں ، پھر نیّت کے اتنے بلند کہ دنیا کی کسی طمع کا ان کے دلوں میں نام تک نہیں - صرف ایک رضائے الٰہی اور اس کے فضل کے متلاشی ہیں ؎

آں نمے خواہم کہ گردد قصرِ جنّت جائے من

وائے بر من گر نہ شد راضی زمن مولائے من

اس شعر میں گویا ان ہی کی کیفیت کی حکایت ہے -

خوب یاد رکھیے کہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوئے، وہ تمام اُمّت میں سب سے افضل ہیں۔ ان کے قلوب نیکی اور تقویٰ میں سب سے بڑھ کر، ان کا علم سب سے زیادہ گہرا اور نہایت بے تکلّف۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی رفاقت کیلئے ان کو پسند فرمایا اور ان کے ذریعہ اپنا پسندیدہ دین دنیا میں صحیح طور پر پھیلایا۔ لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی انکی فضیلت کو پہچانیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہیں اور جہاں تک ممکن ہو ان کی ایک ایک عادت اور اخلاق کو اختیار کریں، کیونکہ بلاشبہ وہ ہدایت کی سیدھی راہ پر قائم تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بعد کی اُمّت کے لئے حق و باطل کا معیار ہیں۔ انہیں صحبتِ نبوی کا جو شرف حاصل ہوا، اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جَو کے برابر بھی نہیں۔ کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو ان کی خاکِ پا بننے کا شرف حاصل ہو جائے تو اس کے لئے مایۂ صد افتخار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اللہ اللہ فی اصحابی اللہ اللہ	اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ
فی اصحابی لا تتخذوھم	کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے
غرضا من بعدی فمن احبھم	ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں۔ ان کو
فبحبی احبھم ومن ابغضھم	میرے بعد نشانہ[1] نہ بنانا۔ کیونکہ جس نے
فببغضی ابغضھم ومن	ان سے محبّت کی تو میری محبّت کی بِنا پر
اذاھم فقد اذانی ومن	کی اور جس نے ان سے بدظنی کی تو مجھ سے
اذانی فقد اذی اللہ	بدظنی کی بنا پر۔ جس نے ان کو ایذا[2] دی،
ومن اذی اللہ فیوشک	اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا
ان یاخذہٗ (ترمذی)۔	دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے

[1] یعنی ان پر ملامت اور نکتہ چینی نہ کرنا۔ [2] ان کی نیّت پر شبہ کرنا، بدگمانی کرنا، اور طعن و ملامت کرنا سب ایذا کی صورتیں ہیں۔

اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے پکڑ لے۔

لا تسبّوا اصحابی فلوان احدکم انفق مثل اُحُدٍ ذھبًا ما بلغ مدّ احدھم ولا نصیفہ (بخاری و مسلم)۔

میرے صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہو (کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں تنکے کا ہو سکتا ہے) تم میں سے ایک شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو ان کے ایک سیر جَو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشرِ عشیر کو۔

واذا رائیتم الذین یسبّون اصحابی فقولوا لعنۃ اللّٰہ علیٰ شرّکم۔ (ترمذی)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور انہیں ہدفِ تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو کہ تم میں سے (یعنی صحابہ اور ان پر نکتہ چینی کرنے والوں میں سے) جو بُرا ہے اس پر اللہ کی لعنت (ظاہر ہے کہ صحابہ کو بُرا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)۔

اس لئے اُمّت کے کسی فرد کو ان پر تنقید اور نکتہ چینی کرنے اور ان کی شان میں زبانِ تشنیع دراز کرنے کا حق حاصل نہیں۔

صحابہ کرامؓ کو اُمّت کے عام افراد پر قیاس کرنا شدید غلطی ہے۔ وہ سب کے سب عادل تھے۔ نفسانیت اور خود غرضی سے پاک تھے۔ ان کا باہمی اختلاف کسی دنیوی غرض اور لالچ کی بنا پر نہیں تھا، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے ان کی خواہشات شریعت کے تابع ہوگئی تھیں۔ ان کا اختلاف اجتہاد اور اعلائے حق پر مبنی تھا۔ پس زبان کو اُن کے بُرا بھلا کہنے سے باز رکھنا چاہیئے۔ اللہ ان سب سے راضی ہے اللہ کے بندوں کو بھی ان سے راضی رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سچی محبت اور اتباع کی توفیق نصیب فرمائے۔ ربّنا

لہ ماخوذ از رسالہ بیّنات کراچی محرم الحرام ۱۳۹۰ھ

لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اٰمين۔

شفاعت

قیامت کے دن سورج بہت قریب ہوگا اور اس کی گرمی سے لوگ بقدر اپنے اعمال کے پسینہ پسینہ ہو جائیں گے۔ بعض وہ ہوں گے جن کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا، اور بعض کا گھٹنوں تک اور بعض کا کمر تک۔ اور بعض وہ ہوں گے جن کا پسینہ ان کے منہ تک جا رہا ہوگا۔ قیامت کے دن کی درازی پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ اہلِ محشر اللہ کے جلال سے سراسیمہ اور خوف زدہ ہوں گے۔ کسی کو لب ہلانے کی ہمت اور جرأت نہ ہوگی۔ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک اولوالعزم پیغمبر بھی نفسی نفسی کے عالم میں ہوں گے اور کسی کے لئے شفاعت کی جرأت نہ کر سکیں گے۔ لوگوں میں سخت اضطراب اور اژدحام کی کیفیت ہوگی۔

شفاعتِ کبریٰ کچھ لوگ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے کہ ہمیں اس حالت سے چھٹکارا ملے۔ آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق اور اس مرتبے کا نہیں ہوں تم کو چاہیئے کہ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور اپنا سوال دہرائیں گے مگر وہ بھی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں، تمہیں ابراہیم علیہ السلام کے پاس جانا چاہیئے، وہ اللہ کے خلیل ہیں۔ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرضِ حال کریں گے۔ وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں، تمہیں موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہیئے وہ اللہ کے کلیم ہیں شاید تمہارے کام آسکیں۔ مگر وہاں سے بھی پہلے کی طرح جواب ملے گا کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں تمہیں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہیئے وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں، شاید وہ تمہارے لئے حق تعالےٰ

سے عرض کرنے کی جرأت کر سکیں۔ پس یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں بھی اس کام کا اور اس مرتبہ کا نہیں ہوں۔ تم کو اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ تو اس وقت آپ عام اہلِ محشر کی درخواست پر اور ان کی تکلیف سے متأثر ہو کر اللہ کے لُطف و کرم پر اعتماد کر کے آگے بڑھیں گے اور پوری نیازمندی اور حُسنِ ادب کے ساتھ جو آپ کے شایانِ شان ہے بارگاہِ ربّ العزّت میں اہلِ محشر کیلئے سفارش کریں گے کہ ان کو اس فکر اور بے چینی کی حالت سے نجات دی جائے اور ان کا حساب کتاب اور فیصلہ فرمایا جائے۔ اس کے بعد حساب اور فیصلہ کا کام شروع ہو جائے گا۔ یہ شفاعت اہلِ محشر کیلئے ہو گی۔ اس کو شفاعتِ عظمیٰ بھی کہتے ہیں۔

اپنی اُمّت کے لئے شفاعت اس کے بعد اپنی اُمّت کے ان گنہ گاروں کی جو اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے جہنّم کے سزاوار ہوں گے یا جو جہنّم میں ڈالے جا چکے ہوں گے، سفارش کریں گے۔ آپ کی یہ شفاعت بھی قبول ہو گی۔ اس کی وجہ سے خطاکار اُمّتیوں کی بہت بڑی تعداد جہنّم سے نکالی جائے گی۔ اس کے علاوہ کچھ صالحینِ اُمّت کیلئے آپ اس کی بھی سفارش کریں گے کہ ان کیلئے بغیر حساب کے جنّت کے داخلہ کا حکم دیا جائے۔ اسی طرح آپ اپنے بہت سے اُمّتیوں کے حق میں ترقیِ درجات کی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں استدعا کریں گے۔

عام شفاعت شفاعت کا دروازہ کُھل جانے کے بعد انبیاء علیہم السلام، ملائکہ عظام اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے نیک بندے بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہلِ ایمان کے حق میں سفارش کریں گے۔ یہاں تک کہ چھوٹی عمر میں فوت ہونے والے اہلِ ایمان کے معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کے لئے سفارش کریں گے۔ اسی طرح بعض اعمالِ صالحہ بھی اپنے عاملوں کی سفارش کریں گے اور یہ سفارش بھی قبول فرمائی جائے گی اور بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہو گی جن کی نجات اور بخشش ان سفارشوں کے بہانے ہی ہو گی۔

مگر یہ سب شفاعتیں اللہ کے اذن اور اس کی مرضی اور اجازت سے ہوں گی ورنہ

کسی نبی اور کسی فرشتے کی بھی مجال نہیں کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی ایک آدمی کو بھی دوزخ سے نکال سکے۔ یا اس کے اذن اور ایما پائے بغیر کسی کے حق میں سفارش کے لئے زبان کھول سکے شفاعت دراصل شفاعت کرنے والوں کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کیلئے اور ان کے اعزاز و اکرام کے واسطے ہوگی ورنہ حق تعالیٰ کے کاموں اور اسکے فیصلوں میں دخل دینے کی کسے مجال ہے۔

اللہ تعالیٰ اہلِ محشر کے دل میں یہی ڈال دے گا کہ وہ پہلے آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں، پھر ان کی رہنمائی اور مشورہ سے نوح علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر اسی طرح حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہوں تاکہ سب کو عملی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس شفاعت کا منصب آخری نبی کیلئے مخصوص ہے۔ بہرحال یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اظہارِ عظمت اور رفعتِ مقام کیلئے ہوگا۔ (معارف الحدیث جلد اوّل)

شفاعتِ کبریٰ کیلئے جو کلمات انبیاء علیہم السلام نے استعمال فرمائے وہ اس لئے تھے کہ یہ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مخصوص ہو چکا تھا۔ اگر آپ کے حق میں یہ اعلان نہ ہو چکا ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ آپ بھی ربّ العزّت کی بارگاہِ بلند میں پیش ہونے سے شاید معذرت کا کوئی پیرایہ اختیار فرمالیتے۔ لیکن چونکہ رحمتِ حق نے اس عقدہ کشائی کے لئے آپ کو منتخب فرما لیا تھا اس لئے آپ اہلِ محشر سے بڑی تسلّی کے انداز میں فرمائیں گے أَنَا لَهَا، أَنَا لَهَا بیشک آج شفاعت کرنے کا حق میرا ہی ہے۔ اس کے بعد جب بابِ شفاعت کھل جائے گا تو پھر ہر ہر نبی اپنی اپنی اُمت کی شفاعت کرے گا۔ (ترجمان السنہ ج-۳)

خاتمہ

آدمی کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت[1] اور پیروی پر موقوف ہے اور اس کیلئے نبی کی ہر حرکت اور ہر ادا پر مرمٹنا ضروری ہے۔

---

[1] قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

زندگی کی ایک ایک حرکت اور سکون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی پابندی میں جکڑ دینے کا نام اتباعِ رسولؐ ہے۔ جو شخص زندگی کے ہر شعبہ میں اس پابندی پر پورا اُترا وہ کامیاب ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی مبارک زندگی کی پوری پوری نقل اگر کسی نے اُتاری ہے تو وہ صحابۂ کرامؓ کی جماعت ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی، تو صحابۂ کرامؓ پر متابعتِ رسول ختم ہو گئی۔ وہ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے غرض زندگی کے ہر شعبہ اور ہر حال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرتے رہے حتیٰ کہ اپنی پوری زندگی کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگ لیا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ آپ پیالہ میں سے کدو تلاش کر کر کے تناول فرما رہے ہیں۔ اسی روز سے میری طبیعت کو بھی کدو مرغوب ہو گیا۔ اللہ اکبر! طبیعت کے غیر اختیاری ذوق کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فطری ذوق کے مطابق ڈھال لینے پر صحابہ کو کیسی قدرت حاصل تھی۔

اسی طرح مدینہ طیبہ کی تشریف آوری کے وقت حضرت ابو ایوبؓ کو آپکی مہمانی کا شرف حاصل ہوا۔ تو جو کھانا آپکی خدمت میں پیش ہوتا، آپ اپنے سامنے کا بچا ہوا کھانا حضرت ابو ایوبؓ کو عنایت فرماتے۔ حضرت ابو ایوبؓ بہت شوق سے لیتے اور جہاں جہاں انگشتہائے مبارک کے نشان ہوتے وہاں سے کھانا شروع کرتے۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا بغیر چھوئے حضرت ابو ایوبؓ کو واپس کر دیا۔ حضرت ابو ایوبؓ یہ دیکھ کر کہ آپنے کھانا نوش نہیں فرمایا، کانپ اُٹھے اور اس کا سبب دریافت کیا۔ ارشادِ عالی ہوا کہ اسمیں کچا لہسن ہے اور وہ ہمیں نامرغوب ہے اسلئے ہم نے اس کو نہیں کھایا۔ حضرت ابو ایوبؓ یہ سنتے ہی بول اُٹھے۔ اِنِّی اَکْرَہُ مَا تَکْرَہُ یعنی آج سے میں بھی اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جس کو آپ ناپسند فرماتے ہیں۔ صحابہؓ کی زندگی میں اس قسم کی ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں مثالیں ملتی ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ ہمارے خیالات صحیح نکتے سے کس قدر ہٹ چکے ہیں اور ہماری زندگیاں دینی مرکز سے کتنی دور جا چکی ہیں۔ کبھی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پر مرمٹتے تھے اور اس طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے اور بات کرتے تھے جیسا کہ آپ نے کھایا پیا، سوتے جاگے،

چلے پھرے اور گفتگو فرمائی۔ آج بھی ہم یہ سب کچھ کہتے ہیں مگر اپنی مرضی اور طبیعت کے بندے اور غلام ہیں۔

افسوس کہ ہم میں سے اکثر کی زندگی تو متابعتِ رسول سے یکسر خالی نظر آتی ہے لیکن جنہوں نے متابعت کے دائرے میں قدم بھی رکھا، ان کی متابعت اکثر عبادت کی حد سے آگے نہ بڑھ سکی۔ حالانکہ یہ متابعت کا ایک پہلو ہے، پوری اور کامل متابعت نہیں۔ کامل متابعت یہ ہے کہ زندگی کا کوئی جزوی سے جزوی شعبہ بھی آپ کی متابعت سے خالی نہ رہ جائے۔ آپ کا ایک ایک فعل، ایک ایک عادت اور خصلت اور ایک ایک حرکت اور سکون طبیعت کا ذوق بن جائے۔ محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ زندگی کی ایک ایک حرکت اور ادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں ادا ہو، اور پوری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگی جائے۔ (ماخوذ از خصائلِ نبوی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی اور اخلاق و عادات کی مثال ایسے عمیق اور وسیع سمندر کی ہے جس کی تہ اور کنارے کا کہیں پتہ نہیں۔ آج تک آپ کے حالات اور اوصاف بیان کرنے والوں نے جو کچھ بیان کیا ہے یا آئندہ بیان کرنے والے جو کچھ بیان کریں گے، اسے آپ کے بلند مقام اور شانِ ارفع سے اتنی نسبت بھی نہیں جتنی ایک قطرے کو سمندر سے ہو سکتی ہے پس جو کچھ لکھا گیا ہے، ایسا ہے کہ کچھ بھی نہیں لکھا گیا ؎

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

ربّنا تقبل منّا انّك انت السّميع العليم۔ وتب علينا انك انت التواب الرّحيم۔ سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلامٌ على المرسلين والحمد لله رب العٰلمين۔ وصلى الله تعالىٰ علىٰ رسول خير خلقهٖ سيّد المرسلين وخاتم النّبيّن سيّدنا محمد وعلىٰ اٰلهٖ وصحبهٖ اجمعين۔

۱۵ رجمادی الثانی ۱۳۹۴ھ مطابق ۷ جولائی ۱۹۷۴ء